بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیرِ اشرفی

جلد پنجم

وَمَآ اُبَرِّئُ ۱۳ — رُبَمَا ۱۴ — سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ ۱۵

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد پنجم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کور ڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212



فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیر اشرفی کی اس جلد پنجم کے متن تفسیر میں ۱۰،۰۷،۳۱۹ (دس لاکھ، سات ہزار، تین سوانیس) حروف ـــ۱،۱۱،۸۰۱ (ایک لاکھ، گیارہ ہزار، آٹھ سوایک) الفاظ ـــ۸،۷۵۹ (آٹھ ہزار، سات سوانسٹھ) سطریں ـــ اور ۳،۹۳۰ (تین ہزار، نوسوتیس) پیراگراف شامل ہیں ـــ کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں ـــ ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔۔۔اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

الحمدللہ! سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کی جلد پنجم جو کہ تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں پاروں کی تفسیر پر مبنی ہے، حاضر خدمت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ حضور مفسر محترم کی عمر اور صحت میں برکت عطا ہو اور تفسیری کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ ﴿امین﴾

ہمیشہ کی طرح تمام اصحاب و افراد اس دفعہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جو ہر دفعہ ہمارے ساتھ کمپوزنگ، پروفنگ اور دوسرے اشاعتی مراحل میں ہمارے مددگار رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام اصحاب و افراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اِس ادارے کو دینِ اسلام کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ ﴿امین﴾

﴿ امین ! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمُ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

۱۲ر ربیع اوّل ۱۴۳۳ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۵ر فروری، ۲۰۱۲ء

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

۱۳

وَمَا اُبَرِّئُ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۶ر شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۱۹ر جولائی ۲۰۱۰ء

بروز دوشنبہ، تیرھویں پارے کی تفسیر شروع کردی۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو۔۔نیز۔۔

پورے قرآن کریم کے باقی پاروں کی

تفسیر کو مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِكَ وَ نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ

اور میں پاک نہ بتاتا اپنے نفس کو، کہ نفس تو بلاشبہ برُائی کا بڑا حکم دینے والا ہے، مگر ہاں جو رحم فرمادے میرا پروردگار۔

اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

بے شک میرا پروردگار مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے●

بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تدبیر اختیار فرمائی، اس نے بادشاہ پر ظاہر کردیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بے گناہ ہیں۔اس طرح کسی کو بھی ان کے حال میں گفتگو کرنے کی مجال نہ رہی۔۔المختصر۔۔حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا اعتراف کھلے لفظوں میں حضرت زلیخا کی شمولیت کے ساتھ ساتھ مصر کی اُن تمام عورتوں نے کرلیا، جنہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اِس بات پر آگاہ کردیں کہ یہ بات اپنے نفس کی پاکی اور صفائی کے واسطے میں نے نہیں کہی۔۔یا۔۔اپنے کام پر میں خوش نہیں ہوا۔۔بلکہ۔۔یہ کہہ کر نعمتِ عصمت اور ترکِ معصیت پر توفیقِ جناب اَحدیت کا شکر میں نے اَدا کیا۔اور حفظِ ربانی حمایت نہ کرے تو معلوم ہے، کہ نفس غدار سے کس قسم کے کام سرزد ہوں؟ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے ساتھ ہی یہ کہا۔۔۔

(اور) فرمایا کہ **(میں پاک نہ بتاتا اپنے نفس کو)** یعنی نفس، نفس ہونے کی حیثیت سے اس لائق نہیں کہ اس کی پاکیزگی کی بات کی جائے۔اس لیے **(کہ نفس تو بلاشبہ برُائی کا بڑا حکم دینے والا ہے)** چونکہ نفس کے پیشِ نظر صرف دُنیا ہی کا عیش وآرام ہے، تو اُس کی طرف اس کا جھکاؤ اِس کی فطرت کے مطابق ہے، تو اُس کی تو یہی خواہش ہوگی اور وہ ہر ایک کو اُسی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے گا، کہ سب کے سب دنیاوی لذتوں میں ایسا ڈوب جائیں، کہ آخرت کا خیال ہی نہ کرسکیں۔

نفس کی چالیں اور اس کے دھوکے اتنے شدید ہیں کہ اس سے بچ کر نکل جانا تقریباً ناممکن ہے، **(مگر ہاں جو رحم فرمادے میرا پروردگار)** یعنی جس پر رحم کیا میرے پروردگار نے، وہ نفس کے حُکم سے امن میں رہتا ہے۔ایسوں پر نفس کا حکم نہیں چلتا اور وہ نفس کے تابعدار نہیں ہوتے۔

یہ لوگ برُائی کی طرف میلان کی قدرت رکھنے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُس کی خاص نگرانی کے سبب، برُائی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ان میں سب سے بلند وبالا

درجہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ہے، جن میں خود حضرت یوسف علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ فضلِ الٰہی نے اُن سے پاکیزگی کے خلاف امور صادر ہونے کو ناممکن بنا دیا ہے۔

(بے شک میرا پروردگار مغفرت فرمانے والا) ہے، اس کے قصدِ گناہ کو جو وقوع میں نہ آئے اور (بخشنے والا ہے) اسی لیے عصمت کے ساتھ حمایت فرماتا ہے۔

روایت ہے کہ جب بادشاہِ مصر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ باتیں بیان کیں، تو اُسے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کی آرزو زیادہ ہوئی۔۔ چنانچہ۔۔ کہا۔۔۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ

اور حکم دیا بادشاہ نے کہ لاؤ میرے پاس اُنہیں، میں اُنہیں خالص اپنے لیے رکھوں گا۔ چنانچہ جب بات چیت کی اُن سے،

قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝

تو کہہ دیا کہ بلاشبہ آج ہی آپ ہمارے معزز معتمد ہیں ●

(اور حکم دیا بادشاہ نے کہ لاؤ میرے پاس انہیں، میں انہیں خالص اپنے لیے رکھوں گا)۔ ایسا پاکباز انسان اس لائق ہے کہ اس کو قربِ خاص میں رکھا جائے، اس پر کلی اعتماد کیا جائے اور امورِ سلطنت میں سے اہم ذمہ داریاں اُس کے سپرد کی جائیں۔

۔۔القصہ۔۔ ستر ۷۰ چوبدار، ستر ۷۰ آراستہ سواریوں کے ساتھ اور ستر ۷۰ شاہانہ لباس اور تاجوں سمیت قید خانے میں بھیجے۔ وہ کمال درجے کی تعظیم کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو بارگاہِ سلطانی میں لے گئے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے باہر چلے، تو قیدی جوان کے دیدار سے خوش رہتے تھے، چیخیں مار مار کر رونے لگے۔۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن کی دلنوازی کر کے دُعا فرمائی کہ 'اے اللہ مہربان! کر اُن پر نیکوں کے دلوں کو اور کم کر دے اُن پر تکلیف کے دن'۔۔۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچے، تو بادشاہ نے اُن کا بڑا اِعزاز و اکرام کر کے استقبال کیا، (چنانچہ جب) بادشاہ نے (بات چیت کی اُن سے) اور اپنے خواب کی تعبیر پوچھی اور جواب دِل پذیر پایا، (تو کہہ دیا کہ بلاشبہ آج ہی آپ ہمارے معزز) اور صاحبِ جاہ وقدر (معتمد ہیں)۔۔لہٰذا۔ سارے منصبوں میں جس منصب کی خواہش ہو مانگو اور جو کچھ آرزو تمہارے دل میں ہے مجھ سے کہو۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾

جواب دیا "کہ مجھے کر دیجیے زمین کے خزانوں پر، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں" ●

(جواب دیا کہ مجھے کر دیجیے زمین کے خزانوں پر) حاکم۔ یعنی ولایتِ مصر سے جو کچھ نقد و جنس حاصل ہوتا ہے، مجھے اُس کا خازن کر دے اور یقین کر لے، کہ (بے شک میں) اُن کا (حفاظت کرنے والا) اور احتیاط سے رکھنے والا ثابت ہوں گا۔ کوئی چیز اس میں سے ضائع نہ کروں گا۔ کیونکہ میں (علم والا ہوں)، یعنی مُلک کی مصلحتوں کو بخوبی جاننے والا ہوں، جو کچھ میں کروں گا اصلاح سے خالی نہ ہوگا۔۔ یا یہ۔۔ کہ حساب و کتاب سے بخوبی واقف ہوں اور جو کوئی مجھ سے بات کرے اس کی زبان سمجھنے والا ہوں۔

۔۔ چنانچہ۔۔ روایت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہتر۷۲ زبانیں جانتے تھے۔ بادشاہ نے سونے کا ایک جڑاؤ تخت، کہ اس میں انواع و اقسام کے جواہر لگے تھے، یوسف علیہ السلام کے واسطے مقرر کر کے، تاج جواہر سے چمکتا ہوا ان کے سر پر رکھا اور کنجیاں خزانوں کی ان کے سپرد کر دیں اور انہیں سلطنت کا مختار کر دیا اور عزیز کو معزول کر کے اُس کے سب مُلکی امور یوسف علیہ السلام کو تفویض کر دیے۔ تھوڑے دنوں کے بعد عزیز رشک و حسد کے مارے مر گیا، اور بادشاہ نے زُلیخا کو تلاش کر کے اُن کا عقد یوسف علیہ السلام کے ساتھ کر دیا۔ اور حق تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا سے منیثا اور افرائیم نام کے دولڑکے عطائے فرمائے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مملکتِ مصر کی وزارت کا عہدہ جب قبول فرمایا تھا، اُس وقت مصر کا بادشاہ کافر تھا، گو ایک روایت کی بنیاد پر وہ آخر میں مومن ہو گیا تھا۔۔ لیکن۔۔ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت وزیر اُس کی حکومت میں شریک ہوئے وہ کافر ہی تھا۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا، کہ ضرورت پیش آنے پر کسی اعلیٰ نصب العین اور بلند و بالا مقاصدِ خیر کو حاصل کرنے کے لیے، غیر مسلمین کی حکومت میں شرکت ممنوع نہیں۔۔ بلکہ۔۔ ایک عظیم المرتبت نبی کی سنت بھی ہے۔۔ المختصر۔۔ آگے ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنۡهَا حَيۡثُ يَشَآءُ ؕ

اور اس طرح ہم نے جمایا یوسف کو اُس سرزمین میں، کہ قیام کریں اُس میں سے جہاں چاہیں۔

نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

ہم پہنچائیں اپنی رحمت کو جس کو چاہیں، اور نہیں ضائع کرتے مخلصوں کی اُجرت کو●

جس طرح ہم نے اپنے فضل وکرم سے بادشاہ کو اس پر مہربان کردیا (اور) اُسے بادشاہ کا مقرب بنادیا، بالکل (اس طرح) ہی اپنے فضل وکرم سے (ہم نے جمایا یوسف کو اُس سرزمین) مصر (میں، کہ) حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ (قیام کریں اس میں سے جہاں چاہیں)۔۔چنانچہ۔۔وہاں آپ کے قیام کی جگہ کا طول وعرض اسی ۸۰ اسی ۸۰ میل تھا۔ اور اس میں کیا حیرت ہے، اس لیے کہ یہ ہمارا ضابطۂ رحمت ہے، کہ (ہم پہنچائیں اپنی رحمت کو) یعنی اپنی دینی ودُنیوی اور ظاہری وباطنی نعمتوں کو اس وقت (جس کو چاہیں اور) یہ ذہن نشین رہے، کہ ہم (نہیں ضائع کرتے مخلصوں کی اجرت کو) یعنی نیک کام کرنے والوں کے اجر کو۔ اگر دُنیا میں نہیں، تو انہیں آخرت میں اجر ضرور ملے گا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع۸

اور بلاشبہ آخرت کا ثواب بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لاچکے اور ڈرتے رہے●

(اور بلاشبہ آخرت کا ثواب) قائم ودائم رہنے کی جہت سے (بہتر ہے اُن کے لیے جو ایمان لاچکے اور ڈرتے رہے) اور بُری باتوں سے پرہیز کرتے رہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نیک کام کرنے اور پرہیزگاری کی بدولت قعرِ چاہ سے تختِ جاہ پر پہنچے۔۔۔

غرضیکہ یوسف علیہ السلام نے مہماتِ ملکی اپنے ذمے لے کر حکم دیا اور لوگ حکم کے بموجب کھیتی کرنے میں مشغول ہوئے اور یوسف علیہ السلام نے بڑے اونچے اونچے انبار خانے بنوائے اور سات برس تک جو غلہ حاصل ہوتا گیا، اس میں سے بقدرِ ضرورت لوگوں کو دیتے رہے اور باقی بالیوں سمیت جمع کرتے گئے، یہاں تک کہ قحط کے سال آئے اور مصر وشام کی زمین میں تنگی عام ہوئی۔ مصر کے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے سال تو جو کچھ نقد ان لوگوں کے پاس تھا وہ لے کر غلہ بیچا، دوسرے سال لباس اور زیور کے بدلے غلہ دیا، تیسرے سال لونڈی غلام لے کر، چوتھے برس چارپایوں کے عوض، پانچویں سال زمینداری لے کر، چھٹے برس اولاد کے بدلے، ساتویں برس سب لوگوں نے غلامی کا خط لکھ دیا اور غلہ لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کیفیت بادشاہ سے بیان کی، بادشاہ نے کہا کہ یہ سب تمہارے لونڈی غلام ہیں، تمہیں اختیار ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے سب کو آزاد کر دیا اور مال اولا دزمین وغیرہ جو کچھ ان لوگوں سے لیا تھا، سب انہیں واپس کر دیا اور اِس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی، کہ مصر کے لوگوں نے خرید وفروخت کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام کی صورت پر دیکھا تھا، خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان سب کو حضرت یوسف علیہ السلام کا لونڈی غلام کر دیا، تا کہ پھر کوئی حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی بات بے ادبانہ نہ کہہ سکے۔۔۔

قحط کا اثر کنعان میں بھی پہنچا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تنگ ہوئی، انہوں نے اپنے والدِ ماجد علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم نے سنا ہے کہ مصر میں ایک بادشاہ ہے، کہ سب قحط کے مارے ہوؤں کی نوازش اور پرورش کرتا ہے اور غریبوں اور مسافروں کا کام ان کے خاطر خواہ نکالتا ہے۔ اگر آپ فرمائیے، تو ہم جائیں اور کنعان کے بھوکوں کے واسطے غلہ لائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اِجازت دی اور بنیامین کو اپنی خدمت کے واسطے اپنے پاس رکھ لیا۔۔ الختصر۔۔ دس۱۰ بیٹے ایک ایک اونٹ اور جو کچھ پونجی رکھتے تھے لے کر چلے، اور بنیامین کے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ اور ایک خالی اونٹ ان کے واسطے غلہ لانے کے لیے بھی لے لیا۔۔ الختصر۔۔ کنعان سے چلے۔۔۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور آئے یوسف کے بھائی لوگ، تو داخل ہوئے ان کے دربار پر، تو اُنہوں نے پہچان لیا ان سب کو، اور وہ سب اُن کے انجان رہے

(اور آئے یوسف کے بھائی لوگ، تو داخل ہوئے ان کے دربار پر) اور خدمت کی رسم بجالائے (تو اُنہوں نے پہچان لیا اُن سب کو، اور وہ سب اُن کے انجان رہے)۔

اس لیے کہ ان کے واقعے کو چالیس۴۰ برس گزر چکے تھے۔۔یا۔۔نہ پہچاننے کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پردے کی آڑ سے اُن سے بات کی اور ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو، کہ جاسوسوں کے مشابہ ہو۔ وہ بولے بادشاہ سلامت، معاذ اللہ! ہم سب ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں اور ہمارا باپ یعقوب اسرائیل علیہ السلام ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہارے باپ کے کتنے بیٹے ہیں؟ وہ بولے کہ بارہ۱۲ بیٹھے تھے، ایک کو

بچپنے میں بھیڑیا کھا گیا اور ایک کو والد نے اپنی خدمت کے واسطے رکھ لیا۔ہم دس بھائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہاں کوئی تمہیں پہچانتا ہے؟ وہ بولے، کہ مصر کے لوگ ہم کو نہیں پہچانتے۔یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے ایک یہاں رہے، باقی جا کر اپنے اُس بھائی کو لے آؤ کہ تمہارا حال مجھ پر واضح اور محقق ہو جائے۔اُنہوں نے قُرعہ ڈالا تو شمعون کے نام آیا، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔یوسف علیہ السلام کے فرمانے سے لوگوں نے اُن کی پونجی لے کر اس کے عوض میں گیہوں دے دیے۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ

اور جب تیار کر دیا انہیں اُن کے ساز وسامان کے ساتھ، تو فرمائش کی، کہ "لے آنا تم اپنے علاتی بھائی کو"۔

أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾

"کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ ہم پوری ناپ ناپتے ہیں اور بڑے مہمان نواز ہیں●

(اور جب تیار کر دیا اُنہیں ان کے ساز وسامان کے ساتھ) اور ہر ایک کو ایک ایک اونٹ گیہوں بار کر دیے تو وہ بولے، کہ ہمارا وہ بھائی جو ہمارے والد کی خدمت میں ہے، اُس کا اونٹ بھی ہمارے ساتھ ہے اُس پر بھی گیہوں بار کر دیجیے۔تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ میں آدمیوں کے شمار سے غلہ دیتا ہوں اونٹوں کے حساب سے نہیں۔انہوں نے اصرار کیا **(تو فرمائش کی)** یوسف علیہ السلام نے **(کہ لے آنا تم اپنے علاتی بھائی کو)** جو تمہارا سگا بھائی نہ سہی، لیکن باپ جایا بھائی ہے۔ہمارے پاس آئے بغیر اس کا کوئی حق نہیں بنتا۔اگر۔۔بالفرض۔۔ہمارے دربار میں حاضر ہوئے بغیر اس کا کوئی حق بنتا، تو ہم ضرور اس کو ادا کر دیتے۔**(کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم پوری ناپ ناپتے ہیں)**۔ہمارا پیمانہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔**(اور)** ہم **(بڑے مہمان نواز ہیں)** یعنی مہمانوں کو اُتار کر ان کی خاطر داشت کے ساتھ احسان کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔اچھی طرح سے سن لو، کہ۔۔۔

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾

پھر بھی اگر نہ لائے تم میرے پاس اُن کو، تو کسی ناپ کا تم کو میرے یہاں حق نہیں، اور نہ میرے پاس آنا"●

(پھر بھی اگر نہ لائے تم میرے پاس اُن کو، تو کسی ناپ کا تم کو میرے یہاں حق نہیں) یعنی یہاں سے غلہ وغیرہ پانے کا تمہیں حق نہیں پہنچتا۔پہلے تم ہماری خواہش پوری کرو، پھر اپنے حق کی بات

کرو۔ اچھی طرح یاد رکھنا، کہ اب اپنے اُس بھائی کو ساتھ لائے بغیر میری ولایت میں قدم نہ رکھنا (اورنہ میرے پاس آنا)۔ یہ حکم شاہی سن کر۔۔۔

قَالُوۡا سَنُرَاوِدُ عَنۡهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوۡنَ ﴿۶۱﴾

سب نے اقرار کیا "کہ ہم جاتے ہی سمجھائیں گے اُن کے لیے اُن کے باپ کو اور ضرور ہمیں یہ کرنا ہے ●

(سب نے اِقرار کیا کہ ہم جاتے ہی سمجھائیں گے اُن کے لیے اُن کے باپ کو) اور اس میں کوشش کریں گے (اور ضرور ہمیں یہ کرنا ہے) یعنی اپنے والدِ محترم کو سمجھا بجھا کر اور اُن سے اجازت لے کر بھائی کو آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہونا ہے۔۔ قصہ مختصر۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک طرف تو ان کے اونٹوں پر غلہ بار کرادیا۔۔۔

وَقَالَ لِفِتۡيٰنِهِ اجۡعَلُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ فِىۡ رِحَالِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَعۡرِفُوۡنَهَاۤ

اور سکھا دیا اپنے نوکروں کو "کہ رکھ دو اُن کی پونجیاں اُن کی خرجیوں میں، کہ وہ اسے پہچانیں گے

اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۶۲﴾

جب پہنچ چکیں گے اپنے اہل وعیال کی طرف، امید ہے کہ سب لوٹ کر آئیں گے" ●

(اور) دوسری طرف (سکھا دیا اپنے نوکروں کو کہ رکھ دو اُن کی پونجیاں ان کی خرجیوں میں)۔ ان کی پونجیاں چند کھالیں اور جوتے تھے، جو گیہوں کی قیمت کے طور پر لائے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات نہ چاہی کہ قیمت لے کر اُنہیں گیہوں دیں۔ اس لیے حکم کردیا کہ ان کی پونجیاں انہیں کی خرجیوں میں رکھ دو۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ بھی سمجھے کہ اُن بھائیوں کی دیانت یہی چاہے گی کہ جب وہ لوگ اپنی اپنی خرجیوں میں اپنی اُن پونجیوں کو دیکھیں گے، جسے وہ غلہ کی قیمت کے طور پر لائے تھے، تو پھر وہ ان کو دینے کے لیے واپس آئیں گے، کیوں (کہ وہ اُسے پہچانیں گے جب پہنچ چکیں گے اپنے اہل وعیال کی طرف)۔ تو ایسی صورت میں (امید ہے کہ سب لوٹ کر آئیں گے) اور میرے بھائی کو بھی ساتھ لائیں گے۔

فَلَمَّا رَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَبِيۡهِمۡ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الۡكَيۡلُ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَاۤ

چنانچہ جب وہ لوٹ کر گئے اپنے باپ تک، عرض کیا "کہ اے ہمارے باپ روک دی گئی ہم سے ناپ، تو بھیج دیجیے ہمارے

اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

ساتھ ہمارے بھائی کو، کہ ہمیں ناپ کا حق ہو، اور ہم سب اُن کی نگرانی کرنے والے ہیں"●

(چنانچہ جب وہ لوٹ کر گئے اپنے باپ تک، عرض کیا، کہ اَے ہمارے باپ! روک دی گئی ہم سے ناپ) یعنی مصر کے بادشاہ نے حکم کر دیا ہے کہ لوگ پھر ہمارے واسطے غلہ نہ ناپیں اگر اِس بار بنیامین کو نہ لے جائیں، (تو بھیج دیجیے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو، کہ ہمیں ناپ) کرانے (کا حق ہو) جائے، تا کہ ہم اپنے واسطے اور اِس کے واسطے غلہ نپوا سکیں (اور ہم سب اُن کی نگرانی کرنے والے ہیں)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ

جواب دیا "کہ نہیں میں بھروسہ کرتا تمہارا اس پر مگر جس طرح کہ بھروسہ کیا تھا تمہارا اُس کے بھائی پر پہلے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

تو اللہ سب سے بڑھ کر نگرانی فرمانے والا ہے۔ اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے"●

(جواب دیا کہ نہیں میں بھروسہ کرتا تمہارا اِس پر، مگر جس طرح بھروسہ کیا تھا تمہارا اِس کے بھائی پر پہلے)۔۔۔ یعنی اَے بیٹو! کیا امانت دار جانوں تمہیں بنیامین پر؟ مگر جیسا کہ امین کیا تھا میں نے تم کو اُس کے بھائی پر اِس سے پہلے۔ اُس وقت بھی تم لوگوں نے یہی کہا تھا کہ ہم اُس کے محافظ ہیں۔ سن لو! مجھے تمہاری محافظت پر اِعتماد نہیں۔ ہمارا (تو اللہ) تعالیٰ (سب سے بڑھ کر نگرانی فرمانے والا ہے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ میں اللہ تعالیٰ ہی پر توکل رکھتا ہوں اور اپنا کام اُسی پر چھوڑتا ہوں۔ اُسی سے امید ہے کہ وہ اس کی محافظت فرما کر مجھ پر رحم فرمائے گا، اور مجھے دو بیٹوں کی مصیبت میں مبتلا نہ فرمائے گا۔۔۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا

اور جب انہوں نے کھولا اپنا اپنا سامان، تو پایا اپنی پونجیوں کو، کہ واپس کر دی گئیں ہیں اُنہیں۔ سب بول پڑے "کہ ہمارے باپ

مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا

اب ہمیں کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجیاں واپس کر دی گئیں ہمیں۔ اور ہم اب تو اپنے گھر والوں کے لیے اناج لائیں گے،

وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ﴿۶۵﴾

اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے، اور ایک اونٹ کے بوجھ کی ناپ مزید لیں گے، یہ تو معمولی ناپ ہے" ●

(اور) ان بھائیوں کے ساتھ یہ قصہ بھی پیش آیا کہ (جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو پایا اپنی پونجیوں کو، کہ واپس کردی گئیں ہیں انہیں)۔ شاہِ مصر کا یہ احسان دیکھ کر (سب بول پڑے کہ) اَے (ہمارے باپ! اَب ہمیں کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجیاں واپس کردی گئی) ہیں (ہمیں)۔ اس کرم ونوازش کو دیکھ لینے کے بعد شاہِ مصر کے دربار میں جانے کا شوق اور بھی دوبالا ہوگیا ہے۔۔ لہٰذا۔۔ وہاں جائیں گے (اور ہم اب تو اپنے گھر والوں کے لیے اناج لائیں گے اور) اس پورے سفر میں (اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور) اِس کے لیے بھی (ایک اونٹ کے بوجھ کی ناپ مزید لیں گے)، اس لیے کہ شاہِ مصر کی بخشش وعطا کے سامنے (یہ تو معمولی ناپ ہے) اور بادشاہ اِس مقدار کے واسطے ہمارے ساتھ تنگی نہ کرے گا۔

اِس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جب ہم کو جانا ضروری ہے، تو بنیامین کو لے جا کر ایک اونٹ غلہ اور لے آئیں اور یہ غلہ لانا بہت آسان ہے۔ بیٹوں کی گفتگو سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ

جواب دیا، کہ "ہم ہرگز نہ بھیجیں گے اسے تمہارے ساتھ، یہاں تک کہ دے دو تم سب مضبوط عہد اللہ کا، کہ ضرور لے کر آؤ گے

اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴿۶۶﴾

میرے پاس اسے، مگر یہ کہ گھیر اڈال دیا جائے تم پر"۔ تو جب سب نے اپنا عہد دے دیا، کہا "کہ اللہ کا ہمارے کہے پر ذمہ ہے"

(جواب دیا کہ ہم ہرگز نہ بھیجیں گے اُسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دے دو تم سب مضبوط عہد اللہ) تعالیٰ (کا)، یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر اور علیم وخبیر سمجھتے ہوئے اور اُسے یاد کرتے ہوئے، اس کے حبیب نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم نہ کھاؤ گے، بنیامین کو میں تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا۔ تو یہ قسم کھاؤ، (کہ ضرور لے کر آؤ گے میرے پاس اِسے) بخیر وعافیت (مگر یہ کہ گھیر اڈال دیا جائے تم پر) یعنی گھیر لیے جاؤ تم سب عذاب میں اور سب ہلاک ہوجاؤ۔ ان کے بیٹوں نے یہ عہد قبول کر کے حضرت سلطان الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کھائی کہ بنیامین کے باب میں

بے وفائی نہ کریں گے۔

(تو جب سب نے اپنا عہد دے دیا)، تو (کہا) یعقوب علیہ السلام نے (کہ اللہ) تعالیٰ (کا ہمارے کہے پر ذمہ ہے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر نگہبان اور اِس پر گواہ اور مطلع ہے جو ہم عہد و پیمان میں کہتے ہیں۔

اِس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے فرما دیا اور اس میں بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی ۔۔۔یا۔۔۔ ایک قول 'جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے' کے مطابق، حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم سے وعدہ دینے پر ایفاءِ عہد کی ترغیب دلائی۔۔۔ الختصر۔۔۔ جب یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کو مصر کی طرف روانہ کرنے کا عزم فرمایا، تو ازراہِ شفقت انہیں نصیحت کے طور پر فرمایا۔۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

اور سمجھایا کہ "اے میرے بیٹو! مت داخل ہونا ایک دروازہ سے، اور داخل ہوا لگ الگ دروازوں سے۔

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

اور نہیں بے پرواہ کر سکتا میں تم کو اللہ سے کچھ۔ حکم نہیں، مگر اللہ کا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر لیا ہے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور اُسی پر تو بھروسہ والے بھروسہ رکھیں"●

(اور سمجھایا کہ اَے میرے بیٹو! مت داخل ہونا ایک دروازہ سے) شہر مصر میں، کہ تمہیں اِس جمالِ شوکت و ہیبت اور کثرت کے ساتھ دیکھ کر کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

ان لوگوں کی مصر میں جب پہلی آمد ہوئی تھی، تو وہ گمنام و غیر معروف تھے، اس لیے نظر بد کا خطرہ نہیں تھا، مگر دوسری آمد سے پہلے ان سب کے ایک باپ کے بیٹے ہونے کی شُہرت ہو چکی تھی اور اُن کے حسن و جمال کا چرچا ہو چکا تھا۔۔ نیز۔۔ اِس بار اُن کے ساتھ بنیامین جیسا پیکرِ حُسن و جمال یوسفِ ثانی بھی تھا۔

۔۔لہٰذا۔۔ اُن کو نصیحت (اور) ہدایت فرما دی گئی، کہ شہرِ مصر میں (داخل ہو) نا (الگ الگ دروازوں سے)۔۔ الغرض۔۔ شہرِ مصر میں داخلے کے چار۴ دروازے ہیں، تو تم سب ایک ساتھ کسی ایک

دروازے سے داخل نہ ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے تو محبتِ پدری ظاہر کی اور آخر کو عجزِ بندگی ظاہر کیا (اور) کہا کہ (**نہیں بے پرواہ کرسکتا میں تم کو اللہ**) تعالیٰ (**سے کچھ**)، جو قضاءِ الٰہی ہے اس کو ہونا ہی ہے۔ پرہیز کرنے سے تقدیرِ الٰہی نہیں ٹلتی۔ یہ حقیقت ہے، کہ (**حکم نہیں مگر اللہ**) تعالیٰ (**کا**)۔ وہ جس میں جو کچھ چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ (**اُسی پر میں نے بھروسہ کرلیا ہے اور**) یہی چاہیے کہ (**اُسی پر تو بھروسہ والے بھروسہ رکھیں**)، اُس کے سوا پر نہیں۔ اِس واسطے کہ اُس پر توکل کرنے کا نتیجہ کامیابی ہے کیونکہ متوکل کے کاموں کو وہ کافی ہوجاتا ہے۔ بے شک جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا کافی معاون ہے۔۔الختصر۔۔باپ کی نصیحت۔۔۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اور جب داخل ہوئے جس طرح حکم دیا تھا اُن کو اُن کے باپ نے، وہ بے پرواہ نہیں کررہے تھے ان کو اللہ سے

مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ

کچھ بھی، مگر فطری خواہش تھی یعقوب کے جی کی، جس کو پورا کرلیا۔ اور بلاشبہ وہ علم والے تھے جو ہم نے سکھادیا تھا انہیں،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۟ع ٦٨

لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں●

(**اور**) ہدایت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے (**جب داخل ہوئے**) فرزندانِ سیدنا یعقوب علیہ السلام شہرِ مصر میں اُسی طرح (**جس طرح حکم دیا تھا اُن کو اُن کے باپ نے**) الگ الگ دروازے سے۔ اِس تدبیر کے ذریعہ (**وہ**) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام (**بے پرواہ نہیں کررہے تھے اُن**) فرزندوں (**کو اللہ**) تعالیٰ (**سے کچھ بھی**)۔ قضائے الٰہی جو ان کے باب میں واقع ہوچکی تھی اُسے ظاہر ہونا ہی تھا۔ رہ گئی حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہدایت فرمودہ تدبیر، یہ نہیں تھی (**مگر**) صرف ایک (**فطری خواہش تھی یعقوب کے جی کی جس کو پورا کرلیا**)۔

۔۔الغرض۔۔انہوں نے جو کچھ کیا وہ تقدیرِ الٰہی کو ٹالنے کے لیے نہیں کیا۔۔بلکہ۔۔اُس سے صرف اپنی شفقتِ پدری کا مظاہرہ کیا اور تدبیر کرنے کی اہمیت کو اُجاگر کیا، کہ ہر حال میں نیک تدبیر کرنا ہمارا کام ہے اور پھر جو اُس کا انجام ہو اُس کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر اُس پر صابر وشاکر رہنا ہی سعادت مندی اور فیروز بختی ہے۔ اِس واقعہ میں بھی بنیامین کو چوری کی تہمت لگانے سے بھائی غمگین ہوئے اور حضرت

یعقوب علیہ السلام کی مصیبت دونی ہوگئی، تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی تدبیر سے بظاہر کچھ فائدہ نہیں ہوا، بس اپنی اولاد پر جواُن کی شفقت تھی اُس کا ظہور ہو گیا۔۔ چنانچہ۔۔اُس کے موافق نصیحت کردی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ کام غفلت میں نہیں ہوا، وہ قضاوقدر کے بھید سے خوب واقف تھے، (اور بلاشبہ وہ علم والے تھے)، اور بخوبی یقینی طور پر جانتے تھے اُن باتوں کو (جو ہم نے سکھا دیا تھا انہیں) وحی کے ذریعہ اور اِسی سبب سے انہوں نے کہا تھا کہ **مَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ** یعنی میں تم کو اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ نہیں کرسکتا کچھ۔ (لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں) اور نہیں جانتے کہ تقدیر کا بھید کیا ہے۔۔ یا یہ۔۔ نہیں جانتے کہ تدبیر، تقدیر پر غالب نہیں ہوسکتی۔۔ قصہ مختصر۔۔ تمام فرزندانِ حضرت یعقوب علیہ السلام باپ کی ہدایت کی روشنی میں مختلف دروازوں سے شہرِ مصر میں داخل ہوئے۔۔۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْكَ

اور جب سب داخل ہوئے دربارِ یوسف پر، تو جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو، کہہ دیا کہ "میں ہی تمہارا بھائی ہوں،

فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

تو اب کچھ خیال نہ کروان سب کے کیے کا"●

(اور) پھر (جب سب داخل ہوئے دربارِ یوسف پر) یعنی ان کی ڈیوڑھی پر پہنچے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نقاب ڈالے ہوئے تخت پر بیٹھے تھے۔ پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ کہا کہ ہم کنعان کے رہنے والے ہیں۔ ہم سے آپ نے فرمایا تھا، کہ اپنے بھائی کو لاؤ۔ اُسے ہم نے باپ سے چاہا اور بڑے عہد و پیمان کے ساتھ ہم لائے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ ہاں میں نے پہچانا۔ بیٹھو! وہ لبِ فرش بیٹھ گئے اور حکم کے موافق کھانے کے چھ خوان آراستہ اُن کے سامنے لوگ لائے۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک ماں باپ سے جو بھائی ہوں، وہ دو دو ایک ایک خوان پر کھانا کھاؤ۔۔ چنانچہ۔۔ دو دو بھائی ایک ایک خوان پر بیٹھ گئے، اور بنیامین تنہا رہ کر رونے لگے۔ یہاں تک روئے کہ بے ہوش ہوگئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے اُن کے چہرے پر گلاب چھڑکا گیا۔ جب ہوش میں آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ اَے کنعانی جوان تجھے کیا ہوا جو تو بیہوش ہوگیا؟ بنیامین بولے، آپ نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ خوان پر بیٹھے۔ میرا ایک حقیقی بھائی یوسف نام تھا وہ مجھے یاد آیا، اپنے جی میں میں نے کہا، کہ اگر وہ ہوتا، تو میرے ساتھ

اس خوان پر بیٹھتا اور میں اکیلا نہ رہ جاتا۔ اُس کے شوق میں بے حال ہو گیا۔ میرے رونے اور بیہوشی کا یہی سبب تھا۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ آ! میں تیرا بھائی ہوں اور تیرے ساتھ ایک خوان پر بیٹھوں۔ پھر حُکم فرمایا اِس کا خوان اُٹھالاؤ۔ لوگ پردے کی آڑ میں خوان اُٹھالے گئے اور بنیامین کو بھی بُلالیا (تو) اِس بہانے سے (جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی) بنیامین (کو)۔ حضرت یوسف نے جب بنیامین کی یہ بات سنی، تو انہیں بھی تاب نہ رہی، چہرہ سے نقاب اُلٹی اور بنیامین سے (کہہ دیا کہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں۔ تو اب کچھ خیال نہ کروان سب کے کیے کا)۔ بنیامین نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ دیکھا اور یہ کلام سنا، تو دوبارہ بے ہوش ہو گئے اور پھر جب ہوش میں آئے، تو حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے اور پھر آپ کا دامن پکڑ کر کہنے لگے، کہ اب میں آپ کے پاس سے نہ جاؤں گا۔

یوسف علیہ السلام بولے کہ بھائی تیرے باب میں جس قدر والدِ ماجد کا اہتمام ہے وہ میں جانتا ہوں۔ اگر بغیر کسی بہانے کے تجھے روک رکھوں، تو ان کا غم زیادہ ہوگا۔ اگر تیرے نزدیک صلاح ہو، تو تجھے کسی نامناسب کام کی تہمت لگاؤں اور پھر اُس بہانے سے اپنے پاس رکھ لوں؟ بنیامین نے عرض کی کہ اِس سے مجھے باک نہیں۔ پھر حضرت یوسف نے فرمایا کہ بھائیوں کے پاس جا اور یہ بات پوشیدہ رکھ۔ بنیامین پردے کے اندر سے نکلے اور حکم ہوا کہ کنعانیوں کی کارروائی کرو۔۔۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ

پھر جب مہیا کر دیا اُنہیں اُن کا سامان، تو رکھ دیا پیالے کو اپنے بھائی کی خورجی میں،

ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝۷۰

پھر پکارا ایک پکارنے والے نے، "اے قافلہ والو تم ضرور چور ہو" ●

(پھر جب مہیا کر دیا انہیں اُن کا سامان، تو) حضرت یوسف کے حکم سے اُن کے رازدار نے (رکھ دیا) شاہی (پیالے کو) خود اُن کے (اپنے بھائی کی خرجی میں)۔ یہ پیالہ چاندی۔ یا۔ سونے۔ یا۔ زبرجد کا ایک کٹورا تھا، جو جواہرات سے مُرصع تھا۔ بادشاہ اس میں پانی پیتا تھا۔ اِس وقت عزت اور غلہ کی نفاست کی وجہ سے اُسے پیمانہ کر لیا تھا۔۔ الختصر۔۔ اس کے بعد سبھوں کے بوجھ کس کر جانے کی

اجازت دی۔ جب لوگ شہر سے باہر نکلے اور راہ پر چلے، تو یوسف علیہ السلام کے ملازموں میں سے ایک گروہ قافلے کے پیچھے پہنچا، (پھر پکارا ایک پکارنے والے نے، اَے قافلہ والو! تم ضرور چور ہو)۔

اگر یہ بات اس کہنے والے نے حضرت یوسف کے حکم سے کہی، تو اِس کہلوانے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو باپ سے چُرایا تھا۔ اِس لطیف اشارے کو وہ لوگ نہ سمجھ سکے اور۔۔۔

قَالُوۡا وَاَقۡبَلُوۡا عَلَيۡهِمۡ مَّاذَا تَفۡقِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾

سب بولے اور سامنے آئے، کہ "کیا چیز تمہاری گم ہے؟"●

قَالُوۡا نَفۡقِدُ صُوَاعَ الۡمَلِكِ وَلِمَنۡ جَآءَ بِهٖ حِمۡلُ بَعِيۡرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيۡمٌ ﴿۷۲﴾

اُنہوں نے جواب دیا کہ "ہم سے گم ہے بادشاہ کا پیمانہ، اور جو اُسے لے آئے، ایک اونٹ کا بوجھ لے لے، اور میں اس کا ذمہ دار ہوں"●

(سب بولے اور سامنے آئے، کہ کیا چیز تمہاری گم ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم سے گم ہے بادشاہ کا پیمانہ)، یعنی بادشاہ کے پانی پینے کا کٹورا جسے ہم نے غلے کا پیمانہ بنایا تھا (اور جو اُسے لے آئے) وہ انعام میں (ایک اونٹ کا بوجھ لے لے اور میں اِس کا ذمہ دار ہوں) یعنی اُس کٹورے کا کفیل اور ضامن ہوں۔

قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيۡنَ ﴿۷۳﴾

سب بولے "قسم خدا کی آپ لوگوں کو علم ہے کہ ہم نہیں آئے تھے کہ فساد مچائیں زمین میں، اور نہ ہم پہلے کے چور ہیں"●

(سب بولے، قسم خدا کی آپ لوگوں کو عِلم ہے، کہ ہم نہیں آئے تھے کہ فساد مچائیں زمین میں اور نہ ہم پہلے کے چور ہیں) یعنی بے شک تم لوگ جانتے ہو، کہ ہم امانت دار لوگ ہیں۔ پہلی بار جو پونجی تم نے ہماری خرجیوں میں رکھ دی تھی، اب کی بار جو ہم آئے تو اُسے واپس لائے، اور دیکھتے ہو کہ اِس احتیاط کے واسطے ہم نے اونٹوں کے منہ باندھ دیے ہیں، کہ کسی کا کھیت نہ کھائیں۔۔ الحاصل۔۔ کنعان سے ہم لوگ فساد مچانے کے لیے نہیں آئے، اور زمین مصر میں ہمارے آنے کا مقصد یہ نہیں ہے، کہ ہم لوگوں کے مال میں ناحق تصرف کریں۔۔ الغرض۔۔ ہم نہ چور ہیں اور نہ ہی چوری کرنا ہمارا کام ہے۔ اِس گفتگو کو سن کر۔۔۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۷۴﴾

جواب دیا کہ "اِس کی سزا تجویز کرو اگر تم جھوٹے ہو" ●

(جواب دیا کہ اِس کی سزا تجویز کرو اگر تم جھوٹے ہو) اپنے کو بری الذمہ کرنے میں۔یعنی تم خود کہتے ہو کہ ہم چور نہیں ہیں، تو اگر گمشدہ مال تمہارے بوجھ میں سے نکلے، تو اس کا عوض کیا ہے؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾

سب نے مان لیا، کہ "اِس کی سزا جس کی خرجی میں پایا جائے وہی اُس کا بدلہ ہے"۔ اسی طرح ہم اندھیر مچانے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں ●

(سب نے مان لیا کہ اُس کی سزا جس کی خرجی میں پایا جائے وہی اُس کا بدلہ ہے) یعنی اُس کو غلام بنالینا ہی اُس کی سزا ہے۔ اپنے باپ یعنی حضرت یعقوب کے دین کی روشنی میں۔(اسی طرح ہم اندھیر مچانے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں)۔ پھر تلاشی شروع کی گئی۔۔۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ ؕ

تو شروع کیا ان سب کے برتنوں سے اپنے بھائی کے برتن سے پہلے، پھر نکالا اُس پیانہ کو اپنے بھائی کے برتن سے۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ

اس طرح ترکیب سکھائی ہم نے یوسف کو۔ کہ وہ لے نہیں سکتے تھے اپنے بھائی کو، شاہی قانون میں، مگر یہ کہ

اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾

اللہ چاہے۔ ہم بلند فرماتے ہیں درجے جس کے چاہیں۔ اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے ●

(تو شروع کیا ان سب کے برتنوں سے، اپنے بھائی کے برتن سے پہلے) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کی خرجی کی تلاشی سب بھائیوں کی خرجیوں کی تلاشی لے لینے کے بعد سب کے آخر میں لی، تاکہ کسی اندرونی خفیہ تدبیر کا اندازہ نہ لگے۔(پھر نکالا اُس پیانہ کو) تلاشی لینے والوں نے ان کے (اپنے بھائی کے برتن سے) پھر حضرت یوسف کے بھائیوں نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا اور بنیامین کو طعن و تشنیع کرنے لگے۔(اِس طرح ترکیب سکھائی ہم نے یوسف کو) الہام کے ذریعہ اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کی۔ کیوں (کہ وہ لے نہیں سکتے تھے اپنے بھائی کو شاہی قانون میں)۔

اس لیے کہ چور کی نسبت بادشاہ کا حکم یہ تھا، کہ اُسے مارو اور شہر بدر کردو۔ بادشاہ کا حکم یہ نہ تھا کہ چور کو غلام بنالو۔۔ چنانچہ۔۔ مصر میں یہی قانون رائج و متعارف تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر حضرت یوسف اُس مصری قانون کے مطابق فیصلہ فرماتے، تو بھائی کو روک نہیں سکتے تھے۔

تو اِس سلسلے میں خدا نے یہ خفیہ تدبیر فرمائی کہ چور کی سزا ان کنعانیوں سے ہی پوچھ لی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں وہ شریعتِ یعقوبی ہی کی سزا بتا سکتے تھے، جو خود ان کے دیار میں رائج تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب انہیں کی بتائی ہوئی سزا پر عمل کیا جائے گا، تو انہیں کوئی ہلکا سا بھی اعتراض نہ ہوگا۔

۔۔الحقصر۔۔ حضرت یوسف اگر شاہی قانون کے مطابق سزا دیتے، تو اُس کا انہیں اختیار تھا، وہ دے سکتے تھے، اور یہ آپ کے لیے معیوب بات بھی نہ تھی کہ جس ملک کے آپ بادشاہ ہیں اس ملک کے قانون و تعزیرات کا پاس و لحاظ کریں۔۔ بلکہ۔۔ چور کی سزا آپ اسی اپنے ملکی قانون میں دیا بھی کرتے تھے۔ اس میں نبی کی شانِ نبوت مجروح نہیں ہوتی، کیونکہ جس قانون کی تصدیق و تائید کوئی نبی فرمادے اور اُس قانون کی روشنی میں فیصلہ بھی فرمادے، تو اُس قانون پر عمل درآمد دین الٰہی کے دائرے میں آجاتا ہے۔ اُس کو شاہی قانون صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ ابتداءً بادشاہِ وقت کی طرف سے اُسے رائج کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے خاص کر کے اپنے بھائی کے معاملے میں اُس قانون پر عمل نہیں کیا۔

اس کی بنیادی وجہ وہی ہے جس کا ابھی ابھی اوپر ذکر ہو چکا کہ وہ اپنے قانون کی روشنی میں اپنے بھائی کو اپنے پاس روک نہیں سکتے تھے۔

(مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (چاہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ وہ بھائی کو روک سکیں، تو ایسی تدبیر فرمائی کہ شریعتِ یعقوبی پر عمل کرنے کی صورت نکال دی۔

اِس مقام پر ذہن نشین رہے کہ جملہ شرائع میں مصلحتیں ہی مصلحتیں ہوتی ہیں اور حیلے اِسی لیے ہوتے ہیں کہ انسان وقوعِ مفاسد سے بچنے کی راہیں حاصل کر کے مفاسد سے بچ سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اسی حیلۂ شرعیہ میں بہت بڑے منافع و فوائد مضمر تھے، اِسی لیے یوسف علیہ السلام نے اِس حیلے کی تلقین فرمائی، تاکہ اس کو استعمال کر کے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ سکیں۔ اِسی لیے یہ حیلہ بہتر اور احسن سمجھا گیا، تاکہ جو لوگ حیلے کو ناجائز سمجھتے

ہیں، ان کے ذہن سے اِس کے قبائح کا تصور ختم ہو۔

اِس مقام پر ایک واضح اِمکان یہ بھی ہے، کہ شاہی پیالے کو بنیامین کی خورجی میں رکھنے کے تعلق سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کوئی ایک ہی رازدار ہو اور بقیہ شاہی خُدام اس تدبیر سے بے خبر رکھے گئے ہوں۔ ایسی صورت میں باقی خُدام میں کسی گروہ کا کنعانیوں کو چور قرار دینا ان کے علم وخبر کی روشنی میں بالکل صحیح تھا۔ اس لیے اس کے آگے کی ان کی ساری کارروائی ان کے علم کی روشنی میں نامناسب نہیں تھی، بلکہ بالکل صحیح اور درست تھی۔۔ الحاصل ۔۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ۔۔۔

(ہم) اپنی مشیت اور حُکم کے سبب سے (بلند فرماتے ہیں درجے) علم وحکمت کی رُو سے (جس کے چاہیں اور) یہ حقیقت ہے کہ (ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے) جس کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔۔ المختصر ۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا، کہ یہ تمہارے متعلق کیا دیکھنے اور سننے میں آرہا ہے، تم تو کہتے تھے کہ ہم پیغمبر زادے ہیں۔۔۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ

سب نے کہا "کہ اگر اِس نے واقعی چوری کی ہو، تو واقعہ یہ ہے کہ چوری کی تھی ان کے ایک بھائی نے پہلے"، "تو رکھ لیا اس کو یوسف نے اپنے جی میں،

وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور نہیں ظاہر کیا انہیں۔ دل میں کہا "کہ تم لوگ پلے درجہ کے شریر ہو۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو بول رہے ہو"●

(سب نے کہا کہ اگر اُس نے واقعی چوری کی ہو، تو) کیا عجب، اِس لیے کہ (واقعہ یہ ہے کہ چوری کی تھی اُن کے ایک بھائی نے) اِس سے (پہلے)۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی خالہ کے گھر مرغیاں تھیں۔ ایک سائل گھر کے دروازے پر آیا اور کوئی حاضر نہ تھا، یوسف علیہ السلام نے ایک مرغی سائل کو دے دی، اُس پر اُن کے بھائیوں نے اُن پر چوری کا الزام لگایا۔ اِس کے سوا بھی اِس سلسلے میں اقوال ہیں۔

(تو رکھ لیا اُس کو یوسف نے اپنے جی میں) پوشیدہ (اور نہیں ظاہر کیا انہیں) بلکہ (دل میں کہا کہ تم لوگ پلے درجے کے شریر ہو) باپ سے بیٹے کو ظالمانہ انداز سے جدا کر دینے والے تمہیں ہو، (اور اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے) اُس کی حقیقت (جو بول رہے ہو)۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا اور بھائیوں نے انہیں چھڑانے کے واسطے بڑی گفتگو کی، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ روبیل کے دل میں غصہ سے آگ بھڑکنے لگی اور بدن کے روئیں کھڑے ہوگئے۔ بولے کہ اَے بادشاہ! ہمارے بھائی کو چھوڑ دے ورنہ میں ایک ایسی چیخ ماروں گا کہ اس شہر میں جہاں کہیں حاملہ عورت ہوگی، ہول کے مارے اس کا حمل گر جائے گا۔ یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ روبیل غصے میں ہے، اپنے بیٹے سے فرمایا جا کر اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر دے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے نے روبیل کی پشت پر ہاتھ رکھا، تو اُس کا غصہ جاتا رہا۔

وہ اپنے بھائیوں سے پوچھنے لگے کہ تم نے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا؟ وہ بولے کہ نہیں۔ روبیل نے کہا کہ خدا کی قسم اِس شہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کی نسل سے کوئی ہے۔ اس واسطے کہ ان لوگوں میں جب کسی کو غصہ آتا، تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے جب کوئی دوسرا اُس کے بدن پر ہاتھ لگاتا، تو اُس کا غصہ جاتا رہتا تھا۔ دوسری دفعہ جب روبیل کو غصہ آیا، تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کے تخت پر چڑھ جانے کا قصد کیا۔ یوسف علیہ السلام نقاب ڈال کر تخت پر سے اُتر آئے، اور انہیں سست کر دیا۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بٹھا دیا اور فرمایا اَے کنعانیو! تم اپنے زور پر مغرور ہو، اپنی قوت پر گھمنڈ کرتے ہو، اور تم سمجھتے ہو کہ تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔۔ الغرض۔۔ جب انہوں نے دیکھا کہ زور سے کام نہیں نکلتا، تو عاجزی کرنے لگے اور پھر۔۔۔

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ

سب نے درخواست کی 'کہ اَے عزیز! اس کا ایک باپ ہے بڑا بڈھا، تو گرفتار کر لیجیے ہم میں سے کسی کو اس کی بجائے،

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

ہم آپ کو احسان کرنے والوں سے سمجھ رہے ہیں''●

(سب نے درخواست کی کہ اَے عزیز! اِس کا ایک باپ ہے بڑا بڈھا)، بڑے مرتبے والا، اپنے بیٹے یوسف کے ہلاک ہوجانے کے بعد اس کا باپ اس سے محبت رکھتا ہے، (تو گرفتار کر لیجیے) اُس کے بدلے (ہم میں سے کسی کو اِس کی بجائے) اور اِسے چھوڑ دیجیے، (ہم آپ کو احسان کرنے والوں سے سمجھ رہے ہیں) تو ہم پر پورا احسان کیجیے۔ اس پر حضرت یوسف نے۔۔۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ

حکم دیا کہ "خدا کی پناہ، کہ میں گرفتار کروں مگر اسے، کہ ہم نے پایا اپنا مال جس کے پاس۔

اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ

ورنہ ہم بھی ظالموں سے ہو جائیں" ● پس جب ناامید ہو گئے اُن سے، تو کنارے گئے کانا پھوسی کرتے۔ ان میں کا بڑا بولا،

اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ

"کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لے رکھا ہے تم سے اللہ کا مضبوط ذمہ، اور پہلے جو

مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ

زیادتی کر چکے ہو تم یوسف کے بارے میں، میں تو ہرگز نہ کھسکوں گا اِس سرزمین سے یہاں تک کہ اجازت دیں

لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٠﴾

مجھ کو میرے باپ، یا فیصلہ فرما دے اللہ میرا۔ اور وہ اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے ●

(حکم دیا کہ خدا کی پناہ کہ میں گرفتار کروں) کسی کو (مگر اُسے کہ ہم نے پایا اپنا مال جس کے پاس، ورنہ) یعنی اگر ہم نے ایسا نہیں کیا، تو (ہم بھی) تمہارے مذہب میں (ظالموں سے ہو جائیں) گے۔ (پس جب ناامید ہو گئے اُن سے تو کنارے گئے کانا پھوسی کرتے) اور چپکے چپکے مشورہ کر کے تدبیریں سوچنے لگے۔۔ الغرض۔۔ مصریوں سے الگ ہو کر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ (اُن میں کا بڑا بولا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لے رکھا ہے تم سے اللہ) تعالیٰ (کا مضبوط ذمہ) بنیامین کی محافظت کے باب میں، اور تم نے محمد رسول آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کھائی ہے، کہ ہم اُس کے ساتھ بے وفائی نہیں کریں گے۔ اب یہ صورت پیش آئی (اور) اِس سے (پہلے جو زیادتی کر چکے ہو تم یوسف کے بارے میں۔ میں تو ہرگز نہ کھسکوں گا اِس سرزمین سے یہاں تک کہ اجازت دیں مجھ کو میرے باپ یا فیصلہ فرما دے اللہ) تعالیٰ (میرا۔ اور وہ اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے) جو درستی کے ساتھ حکم فرماتا ہے۔ اُس کے حکم میں ہرگز طرفداری نہیں، تو تم سب۔۔۔

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ

لوٹ جاؤ اپنے باپ کے پاس، پھر عرض کرو" کہ اے ہمارے باپ، بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی، اور ہم نے وہی کہا

اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

جو دیکھ کر جانا، اور اَن دیکھے ہم ذمہ دار نہ تھے ●

(لوٹ جاؤ اپنے باپ کے پاس، پھر عرض کرو کہ اَے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے) بنیامین (نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا جو دیکھ کر جانا) کہ کٹورا بنیامین ہی کے اونٹ کی خرجی سے نکلا۔ (اور اَن دیکھے) حال پر نظر رکھنے کے (ہم ذمہ دار نہ تھے) یعنی ہم نے اُس کی یہ چوری دیکھی، مگر حقیقتِ حال کی خبر ہمیں نہیں، کہ واقع میں اس پر تہمت رکھی اور کٹورا اس کے بوجھ میں رکھ دیا ہے ۔۔یا۔۔خود وہ اُس کا مرتکب ہوا ہے۔ اگر آپ کو ہمارے بیان کی سچائی میں شک ۔۔۔

وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور دریافت کر لیجیے آبادی بھر سے جہاں ہم تھے، اور اِس قافلے سے جس میں ہم آئے، اور ہم واقعی سب سچے ہیں" ●

(اور) تردد ہو، تو (دریافت کر لیجیے) اُس (آبادی بھر سے جہاں ہم تھے) یعنی کسی کو بھیج کر مصر والوں سے حالات معلوم کر لیجیے (اور اُس قافلے سے) بھی پوچھ لیجیے (جس میں ہم آئے) ہیں، جو کنعان کے رہنے والے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑوسی تھے۔ پوچھنے کے بعد خود آپ پر روشن (اور) ظاہر ہو جائے گا کہ (ہم واقعی سب سچے ہیں)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے روبیل ۔۔یا۔۔ یہودا کے حُکم سے کنعان کی طرف چلے اور اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ بھائی نے کہہ دیا تھا عرض کیا۔ اِس پر حضرت یعقوب نے ۔۔۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ

جواب دیا" بلکہ بنا لیا تمہارے لیے تمہاری طبیعتوں نے ایک بہانہ، تو صبر اچھا ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ لائے گا میرے پاس

بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

ان سب کو اکٹھا۔ بے شک وہ علم والا حکمت والا ہے" ●

(جواب دیا، بلکہ بنا لیا تمہارے لیے تمہاری طبیعتوں نے ایک بہانہ) ۔۔الحاصل۔۔ تمہارے جی نے جو چاہا تم نے اس کے تعلق سے مشورہ کر لیا اور اُسی پر عمل کر بیٹھے، ورنہ بادشاہ کیا جانے کہ چور کی سزا غلام بنانا ہے۔ یہ تو تم لوگوں ہی نے بتایا ہوگا۔ (تو) اِن حالات میں میرے لیے (صبر اچھا

ہے) اس لیے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ مجھے (اللہ) تعالیٰ کے فضل و کرم (سے امید ہے کہ لائے گا میرے پاس) یوسف، بنیامین اور وہ دوسرا بھائی جو مصر میں ہے۔۔الغرض۔۔(اُن سب کو اکٹھا۔ بے شک وہ علم والا) ہے اور میرے حال کا خوب جاننے والا ہے، اور (حکمت والا ہے)۔ ہر چیز میں جو کچھ وہ کرتا ہے، اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ پھر کمالِ مَلال کی وجہ سے حضرت یعقوب بیت الاحزان میں چلے گئے۔ یعنی اُس حُجرے میں چلے گئے جس میں جا کر فراقِ حضرت یوسف میں رویا کرتے تھے۔

وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ

اور بے رخی کر لی اُن سب سے، اور فریاد کی کہ ہائے افسوس فراقِ یوسف پر، اور سپید پڑ گئیں ان کی دونوں آنکھیں

مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ﴿۸۴﴾

گریۂ غم سے، پھر وہ سارا غم پیٹ میں لیے رکھے ہیں ●

(اور بے رُخی کر لی) اپنے (اُن سب) بیٹوں (سے، اور فریاد کی کہ ہائے افسوس! فراقِ یوسف پر)۔ سچ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے برابر کوئی مفارقت کی آگ میں نہیں جلا، کہ چالیس ۴۰ برس اور ایک قول پر اسی ۸۰ برس حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کی ابتداء سے وِصال کے وقت تک یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کا آنسو خشک نہیں ہوا اور فرزند کے بارِ فراق سے ان کی پشتِ مبارک خم ہو گئی تھی (اور سپید پڑ گئیں ان کی دونوں آنکھیں گریۂ غم سے، پھر) صورتِ حال یہ رہی کہ (وہ سارا غم پیٹ میں لیے رکھے ہیں) یعنی فرزندوں کے تعلق سے ان کے دل مبارک میں غصہ بھرا تھا جسے وہ ظاہر نہ کرتے تھے۔ مگر جب بیٹوں نے یٰۤاَسَفٰی! کا نعرہ سنا اور والدِ بزرگوار کا اضطراب دیکھا، تو۔۔۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ

سب نے سمجھایا کہ ”اللہ کی قسم ہر وقت آپ یاد کیا کرتے ہیں یوسف کو، یہاں تک کہ بیمار ہو جائیں

مِنَ الْهٰلِكِیْنَ ﴿۸۵﴾

یا مرنے والوں سے ہو جائیں“ ●

(سب نے سمجھایا کہ اللہ) تعالیٰ (کی قسم ہر وقت آپ یاد کیا کرتے ہیں یوسف کو، یہاں تک

کہ بیمار ہو جائیں یا مرنے والوں سے ہو جائیں) یعنی آپ کا اضطراب کہیں آپ کو مرض الموت میں نہ مبتلا کر دے۔ حضرت یعقوب نے۔۔۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

جواب دیا "کہ میں بس فریاد کرتا ہوں اپنی پریشانی ورنج کی اللہ سے، اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے" ●

(جواب دیا، کہ میں بس فریاد کرتا ہوں اپنی پریشانی ورنج کی اللہ) تعالیٰ (سے)، یعنی نہ تو تم سے شکایت کرتا ہوں اور نہ ہی کسی اور سے، میں تو صرف اپنے رب سے فریاد کرتا ہوں۔ اس واسطے کہ بیکسوں کا کام بنانے والا اور بیچاروں کا چارہ ساز وہی ہے۔ میرا رب ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اگر بالفرض یوسف و بنیامین وفات یافتہ ہو جائیں، جب بھی وہ انہیں حیات عطا فرما کر مجھ سے ملا سکتا ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ اس سلسلے میں ایک روایت بھی ہے، کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ کہا، تو حق تعالیٰ نے وحی بھیجی، کہ اے یعقوب! مجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی، کہ اگر یوسف و بنیامین وفات بھی پا گئے ہوتے، تو یہ نالہ جو تو نے کیا ہے اُس کے سبب سے میں انہیں زندہ کر کے پھر تیرے پاس پہنچا دیتا۔ اسی خوشخبری اور وحی کے سبب سے تھا، جو یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں باخبر ہوں۔۔۔

(اور میں جانتا ہوں اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے جو تم نہیں جانتے)۔

ایک دن حضرت ملک الموت حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کو آئے، یعقوب علیہ السلام نے ان سے پوچھا، کہ کیا تم نے میرے یوسف کی روح قبض کی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، یعقوب علیہ السلام نے اُسی امید پر کہا، کہ۔۔۔

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ

"اے بیٹو جاؤ، پھر تلاش کرو یوسف اور اُس کے بھائی کو، اور ناامید مت ہو اللہ کی رحمت سے۔

اِنَّهٗ لَا یَایْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

بے شک نہیں ناامید ہوتے اللہ کی رحمت سے، مگر کافر لوگ" ●

(اے بیٹو! جاؤ، پھر تلاش کرو یوسف اور اُس کے بھائی کو) یعنی پھر ڈھونڈو اور یوسف و بنیامین کے حال کی خبر لو (اور ناامید مت ہو اللہ) تعالیٰ (کی رحمت سے۔ بے شک نہیں ناامید ہوتے اللہ)

تعالیٰ (کی رحمت سے، مگر کافرلوگ)۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کے نام ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا، کہ یعقوب اسرائیل اللہ ابن اسحاق مقبول اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے بادشاہِ مصر کو۔ امابعد میں اس خاندان کا ہوں جو اولوالعزم رسولوں اور پیغمبروں کا گھرانا ہے۔ ہم چوروں کے خاندان سے نہیں ہیں، کہ ہم سے چوری سرزد ہو۔ اگر میرے اس بیٹے کو جس پر چوری کا الزام لگایا گیا ہے میرے پاس بھیج دے تو بہتر ہے، ورنہ تیرے حق میں ایسی بددعا کروں گا، کہ تیری ساتویں پشت تک اس کا اثر پہنچے گا۔ والسلام"

پھر یہ خط اپنے بیٹوں کو دیا اور کچھ پونجی، پشمینہ، روغن، پنیر اور ایسی چیزیں تیار کر کے ان کے ساتھ کر دیں اور انہیں مصر کی طرف بھیجا۔ وہ مصر میں پہنچے اور وہ بھائی جو اپنی خوشی سے وہاں رہ گیا تھا اُس سے ملاقات کی، اور اس کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کی ڈیوڑھی کی طرف چلے۔۔۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ

پھر جب سب داخل ہوئے اُن پر، بولے کہ "اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو نقصان لگ گیا اور ہم لے آئے ہیں ناچیز پونجی،

فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۸۸﴾

تو ہمیں پوری ناپ سے دیجیے اور ہم پر خیرات بھی کیجیے۔ بے شک اللہ بدلہ دے صدقہ دینے والے کو" ●

(**پھر جب سب داخل ہوئے اُن پر**) یعنی وہ سب حضرت یوسف کی بارگاہ میں جب حاضر ہوئے، تو (**بولے اَے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو نقصان لگ گیا**) ہے، یعنی ہم سب سختی، بے نوائی اور بھوک کے شکار ہو گئے ہیں۔ (**اور**) تیری خدمت میں (**ہم لے آئے ہیں ناچیز پونجی، تو**) آپ ہماری پونجی کی بے اعتباری کا خیال نہ فرمائیں، بلکہ جو دینا ہو (**ہمیں پوری ناپ سے دیجیے اور**) مزید برآں (**ہم پر خیرات بھی کیجیے**)، یعنی ہماری پونجی کی قیمت سے زیادہ عطا فرما کر احسان فرمائیے۔ (**بے شک اللہ**) تعالیٰ (**بدلہ دے صدقہ دینے والے کو**)۔ یعنی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیتا ہے خیرات دینے والوں کو جو زیادتی اور فراوانی کے ساتھ خیرات کرتے ہیں۔

بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا مکتوبِ گرامی تخت کے کنارے رکھ دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب خط پڑھا تو رونے نے ان پر غلبہ کیا اور بے اختیار ہو گئے۔ اور اُن سب کو۔۔۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿٨٩﴾

جواب دیا کہ "کیاتم کو معلوم ہے جوتم نے کیا ہے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے؟"●

(جواب دیا کہ کیاتم کو معلوم ہے جوتم نے کیا ہے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے؟) یہ بات یوسف علیہ السلام نے مجملاً کہی، مفصل نہیں۔ انہوں نے جو کچھ یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا ظاہر ہے اور بنیامین کے ساتھ انہوں نے یہ کیا تھا، کہ انہیں ذلیل وخوار اور بے اعتبار رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ہر ایک بھائی سے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ بات کرتے تھے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے کیا اُس کی بُرائی اور قباحت جان لی، جو یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ تم نے کیا، اور کیا اُس سے اَب توبہ کی؟

اِس واسطے کہ اُس وقت تم نادان تھے، یعنی نوجوان، شوخ اور حاسد۔۔یا۔۔ جاہل تھے، کہ تم نے باپ کو رنج دے کر، رشتہ توڑ کر، خواہش نفسانی کی پیروی کی۔ یوسف علیہ السلام نے یہ بات نصیحت کے طور پر کہی، غصے کے ساتھ نہیں۔ پھر اپنی نقاب اُلٹ دی اور سر پر سے تاج اُتار لیا۔ جب بھائیوں کی نظر اُس شکل وشمائل پر پڑی، تو۔۔۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ

سب نے کہا کہ "کیا آپ ہی یوسف ہیں؟" جواب دیا "میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بے شک احسان فرمایا اللہ نے

عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٠﴾

ہم پر۔ بے شک جو ڈرے اور صبر کرے، تو اللہ نہیں ضائع فرماتا مخلصوں کی اُجرت کو"●

(سب نے کہا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں)؟ یعنی یقیناً آپ ہی یوسف ہیں۔ کیونکہ یہ جمال وکمال دوسرے کو حاصل نہیں۔ (جواب دیا) حضرت یوسف نے، کہ ہاں (میں) ہی (یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی) بنیامین (ہے۔ بے شک احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ہم پر) سلامت رکھ کر اور بزرگی دے کر۔ سن لو اور یاد رکھو! کہ یہ ضابطۂ رحمت اور قانونِ قدرت ہے، کہ (بے شک جو ڈرے) اللہ تعالیٰ سے (اور صبر کرے) طاعتِ خداوندی پر۔۔یا۔۔ گناہوں سے بچ کر، (تو اللہ) تعالیٰ (نہیں ضائع فرماتا) ایسے نیکوکاروں اور (مخلصوں کی اُجرت کو)۔۔الحاصل۔۔ نیک کام کرنے والا اُسی کو قرار دیا جائے

گا، جوتقویٰ اور صبر کو اکٹھا کر لے۔

جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا، تو تخت کی طرف منہ کر کے چاہا، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قدم چوم لیں۔ یوسف علیہ السلام تخت سے اتر کر اُن سے بغلگیر ہوئے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾

سب بولے ”اللہ کی قسم کہ بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر بڑائی دی، اور ہم بلاشبہ خطا کار تھے“ ●

(سب بولے، اللہ) تعالیٰ (کی قسم کہ) حُسنِ صورت اور کمال سیرت کے ساتھ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نے آپ کو ہم پر بڑائی دی اور ہم بلاشبہ خطا کار تھے)، ان کاموں کے سبب جو ہم نے کیے۔ اس کے جواب میں۔۔۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

یوسف بولے ”کہ کوئی گرفت نہیں تم پر آج۔ اللہ تمہیں بخش دے، اور وہ بڑا رحم والا ہے ●

(یوسف) 'علیہ السلام' (بولے، کہ کوئی گرفت نہیں تم پر آج)۔ اب آئندہ تمہارے گناہوں کا ذکر میں تمہارے سامنے ہرگز نہ کروں گا۔ اور اب جب کہ تم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا اور اس پر نادم ہو چکے ہو، تو تم سب کے لیے میری دُعا ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (تمہیں بخش دے، اور) یقین ہے کہ وہ بخش دے گا۔ اس لیے کہ (وہ بڑا رحم والا ہے) سارے رحم کرنے والوں میں۔ بلکہ حقیقی طور پر وہی رحم فرمانے والا ہے۔ دوسرے رحم کرنے والوں کی رحمت میں اُسی کی رحمت کے جلوے ہیں۔

پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام نوازش بزرگانہ سے اپنے بھائیوں کا دِل تازہ کر چکے، تو اپنے والدِ بزرگوار دلفگار کے حال پر متوجہ ہوئے اور کہا، کہ۔۔۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ

لے جاؤ میرا یہ کرتا، پھر ڈال دو میرے باپ کے چہرے پر، ہو جائیں گے آنکھ والے۔

وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو“ ●

ع ۱۴/۴

(لے جاؤ! میرا یہ کرُتا، پھرڈال دو میرے باپ کے چہرے پر، ہو جائیں گے آنکھ والے)۔

یہ کرُتا دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیراہن تھا، جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بازو پر باندھ تھا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کنویں میں ان کے بازو پر سے کھول کرانہیں پہنا دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس وحی آئی، کہ وہ اِسے کنعان بھیج دیں، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ذریعہ کنعان روانہ کر دیا اور انہیں ہدایت کی کہ میرے باپ کے چہرے پر اِسے ڈال دیں، اُس کی برکت سے اُن کی بینائی واپس آجائے گی، اور اُن کی آنکھیں حسبِ سابق روشن ہو جائیں گی۔ اور بزرگوں کے لباس سے فائدہ پہنچانا۔۔ نیز۔۔ فائدہ حاصل کرنا دونوں کا انبیاءِ کرام کی سنت ہونا اظہر من الشمس ہو جائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید یہ بھی ہدایت فرمائی، کہ تم سب جاؤ (اور لے آؤ) اپنے ساتھ (میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو) اور اپنے سارے خدام کو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی ہدایت کو سن کر یہودا نے یہ گزارش کی، کہ اَے یوسف! آپ کا خون آلود پیراہن والدِ ماجد کے پاس میں ہی لے گیا تھا، تو یہ پیراہن بھی مجھی کو دیجیے تاکہ میں لے جاؤں۔ شاید اِس پیرہن کی خوشی اُس پیرہن کے غم کا تدارک کرے۔۔ چنانچہ۔۔ یوسف علیہ السلام نے انہیں کو پیرہن دے دیا، اور والد بزرگوار کے واسطے اور ان کے متعلقوں کے لیے راہ کا سامان مہیا کر کے بھائیوں کے سپرد کیا۔ یہودا مصر سے نکل کر بھائیوں کے ساتھ کنعان کی طرف متوجہ ہوئے۔۔۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ

اور جب قافلہ کچھ دُور چلا، تو کہنے لگے ان کے باپ، "کہ بلاشبہ میں پا رہا ہوں یوسف کی بو،

لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾

اگر نہ بڑھاپے کی بہک قرار دو●

(اور جب قافلہ کچھ دُور چلا) اور مصر کی آبادی سے نکل کر میدان میں پہنچا، تو بادِ صبا نے حق تعالیٰ سے اِذن لے کر یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی بُو، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دماغ میں پہنچا دی، (تو کہنے لگے اُن کے باپ) اپنے قریب موجود اپنے پوتوں سے، (کہ بلاشبہ میں پا رہا ہوں یوسف کی

بُو، اگر نہ بڑھاپے کی بہک قرار دو) اور تم فتورِ عقل کی طرف مجھے منسوب نہ کرو۔ یعنی میں جو کہہ رہا ہوں اس پر اندیشہ ہے کہ تم اُسے میری عقل کا فتور سمجھو اور میرے بڑھاپے کی بہک قرار دو، لیکن حقیقت یہی ہے کہ میں یوسف کی بُو واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں۔ اب تم اسے کچھ بھی قرار دو۔

الربع

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿٩٥﴾

سب نے کہا "اللہ کی قسم آپ تو اپنی پرانی وارفتگی میں ہیں" ●

۔۔چنانچہ۔۔ ہوا بھی ایسا، کہ (سب نے کہا اللہ) تعالیٰ (کی قسم آپ تو اپنی پرانی وارفتگی میں ہیں)، اِسی لیے یوسف علیہ السلام کے غلبۂ محبت اور ان کے ذکر کی کثرت کے سبب چالیس ۔۔یا۔۔ اسی ٨٠ سال سے اُن کی ملاقات کی توقع رکھے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ اَب خیالی طور پر ان کی بُو بھی محسوس کرنے لگے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚۙ

پھر جب آ گیا خوشخبری لانے والا، ڈال دیا اس کرتے کو ان کے چہرہ پر، تو وہ پھر ہو گئے آنکھ والے۔ بولے، کہ "کیا نہیں کہا تھا

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾

میں نے تم لوگوں کو، کہ "بے شک میں علم رکھتا ہوں اللہ کے فضل سے، جو تم لوگ نہیں جانتے" ●

(پھر جب آ گیا خوش خبری لانے والا) یعنی یہودا۔ جس نے خوشخبری سنانے میں اتنی عجلت سے کام لیا، کہ راہ میں کہیں نہیں ٹھہرا اور دوڑتا ہوا ننگے پاؤں کنعان پہنچا اور اپنے والدِ بزرگوار کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر (ڈال دیا اُس کرُتے کو اُن کے چہرے پر، تو وہ پھر ہو گئے آنکھ والے)۔ پھر اپنے پوتوں سے (بولے، کہ کیا نہیں کہا تھا میں نے تم لوگوں کو، کہ بے شک میں علم رکھتا ہوں اللہ) تعالیٰ (کے فضل سے، جو تم لوگ نہیں جانتے) یعنی مجھے معلوم تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور وہ مجھ سے ضرور ملیں گے۔ بذریعہ وحی مجھے ان تمام باتوں کی خبر ہو چکی تھی، مگر مرضی الٰہی یہی تھی کہ میں اس وقت اس کو صیغۂ راز ہی میں رکھوں۔۔ الختصر۔۔ میرا غم صرف یوسف کی جدائی کا تھا، نہ کہ اس کی موت کا۔

پھر یعقوب علیہ السلام نے راہ کا تہیہ کیا اور جو کوئی ان میں ملا ہوا تھا، کیا مرد کیا عورت، سب متوجہ ہو گئے، اور وہ بھائی جو راہ میں تھے آ کر اپنے پدرِ بزرگوار کے قدموں پر گرے۔۔اور۔۔

قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا اسۡتَغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَاۤ اِنَّا کُنَّا خٰطِـئِیۡنَ ﴿۹۷﴾

سب نے عرض کیا، کہ "اے ہمارے باپ، مغفرت چاہیے ہماری، ہمارے گناہوں کی، درحقیقت ہم خطا کار تھے" •

(سب نے عرض کیا، کہ اَے ہمارے باپ! مغفرت چاہیے ہماری ہمارے گناہوں کی) یعنی خدائے تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب فرمائیے (درحقیقت ہم خطا کار تھے)۔ یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ سَوۡفَ اَسۡتَغۡفِرُ لَکُمۡ رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹۸﴾

جواب دیا، کہ "جلد ہی میں تمہاری بخشش چاہوں گا اپنے پروردگار سے، یقیناً وہی بخشنے والا رحم والا ہے" •

(جواب دیا کہ جلد ہی میں تمہاری بخشش چاہوں گا اپنے پروردگار سے، یقیناً وہی بخشنے والا) توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو محو کردینے والا اور (رحم) فرمانے (والا) مہربان (ہے)، جو بندوں پر ان کی سختیاں دفع فرما دیتا ہے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے شبِ جمعہ۔۔یا۔۔فجر کے وقت تک دُعائے مغفرت کرنے میں تاخیر کی، اس واسطے کہ ان وقتوں میں دُعا قبول ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے ۔۔یا۔۔اس واسطے تاخیر کی تاکہ دریافت کرلیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ان کا گناہ معاف کردیا۔۔یا۔۔نہیں۔ اِس سلسلے میں سب سے زیادہ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ مصر میں جب تک نہ پہنچے دُعائے مغفرت نہیں کی۔ جب وہاں پہنچے تو ایک شب کو نمازِ تہجد کے واسطے اُٹھے، تہجد کے بعد قبلہ رُو ہوئے، اور یوسف علیہ السلام کو اپنے پیچھے اور باقی بیٹوں کو ان کے پیچھے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام دُعا کرتے تھے اور سب بیٹے آمین کہتے تھے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے دُعا قبول فرمائی۔

۔۔القصہ۔۔جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے، تو حضرت یوسف علیہ السلام ملک ریان اور مصر کے سب شرفاء اور سرداروں کو ساتھ لے کر لشکر آراستہ کر کے اپنے والدِ بزرگوار کے استقبال کو شہر کے باہر آئے اور یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں سمیت ایک ٹیکرے پر چڑھ کر اُس لشکر اور سواری کا اہتمام اور آراستگی دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ

بات کہی کہ آپ اِس لشکر کو دیکھ کر تعجب میں ہیں، ذرا اوپر دیکھئے کہ ملائکہ کے لشکر زمین سے آسمان تک آپ کی خوشی کے سبب سے اُسی قدر مسرور ہیں، جس قدر اتنی مدت تک آپ کے غم اور اندوہ کی وجہ سے ملول اور رنجور رہے۔

جب یوسف علیہ السلام نے والدِ ماجد کو دیکھا، سواری پر سے اُتر پڑے اور چاہا کہ سلام کریں، جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ٹھہر جائیں تا کہ پہلے باہر سے آنے والے یعنی آپ کے والد آپ کو سلام کریں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیادہ ہوگئے اور جب ان کی نگاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال پر پڑی تو کہا، کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَامُذْهِبَ الْاَحْزَانِ یعنی سلام تجھ پر اَے غموں کو لے جانے والے! اور دونوں ہاتھ گلے میں ڈال کے خوشی کے سبب سے روئے۔ شہر مصر کے قریب ایک موضع حضرت یوسف علیہ السلام کی مِلک تھا اُس میں انہوں نے ایک بہت بلند محل بنوایا تھا، یوسف علیہ السلام وہاں اُترے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ

پھر جب سب داخل ہوئے یوسف پر، تو اپنے پاس بٹھایا اپنے ماں باپ کو،

وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝٩٩

اور مبارک باد دی "کہ مصر میں آؤ، اللہ نے چاہا تو امن وامان کے ساتھ" ●

(**پھر جب سب داخل ہوئے یوسف پر**) یعنی اس محل میں جب سب حضرت یوسف کے رُو برو پہنچے، (**تو**) حضرت یوسف نے (**اپنے پاس بٹھایا اپنے ماں باپ کو**) یعنی اپنی سوتیلی ماں، جو حقیقی خالہ بھی تھیں ان کو، اور پدرِ بزرگوار کو اپنے قریب جگہ دی۔ پھر باپ سے معانقہ کیا اور خالہ سے مزاج پرُسی کی اور بھتیجوں پر عنایتِ بزرگانہ فرمائی (**اور مبارک باد دی کہ مصر میں آؤ، اللہ**) تعالیٰ (**نے چاہا تو اَمن وامان کے ساتھ**) سبھوں کا رہنا ہوگا۔ قحط، عُسرت، بَلا اور محنت ومشقت سبھی سے محفوظ و مامون رہیں گے۔ اور جب وہ سب مصر میں آئے، تو حضرت یوسف نے انہیں اپنے ہی مکان پر اُتارا۔۔۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ

اور اوپر چڑھالیا اپنے ماں باپ کو تخت پر، اور سب کے سب گر گئے یوسف کے لیے سجدہ کرتے ہوئے۔ اور کہا یوسف نے "کہ اے میرے باپ، یہ ہے تعبیر

رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ

میرے خواب کی جو پہلے ہوا تھا۔ حقیقت میں کر دیا اُسے میرے پروردگار نے ٹھیک واقعہ، اور بلاشبہ اس نے احسان فرمایا مجھ پر،

مِنَ السِّجۡنِ وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّيۡطٰنُ بَيۡنِىۡ

جب کہ نکالا مجھ کو قید خانہ سے، اور لے آیا تم لوگوں کو دیہات سے، بعد اس کے کہ کونچا لگا دیا تھا شیطان نے میرے

وَبَيۡنَ اِخۡوَتِىۡ‌ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَطِيۡفٌ لِّمَا يَشَآءُ‌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾

اور میرے بھائیوں کے درمیان۔ بے شک میرا پروردگار لطف فرماتا ہے جسے چاہے، بے شک وہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور اوپر چڑھایا اپنے ماں باپ کو) اپنے (تخت پر اور سب کے سب گر گئے یوسف کے لیے سجدہ کرتے ہوئے) اس زمانے میں تحیت اور تعظیم سجدے کے ساتھ کرتے تھے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ شاہی تخت پر بٹھانا سجدے کے آداب بجالانے کے بعد تھا، اس لیے کہ آداب بجالانا مسند پر بیٹھنے سے پہلے ہوتا ہے۔ اِس مقام پر والدین کی تعظیم و تکریم کے تقاضے کے پیشِ نظر مسند پر بٹھانے کا ذکر پہلے کردیا گیا۔۔ الغرض۔۔ 'ترتیبِ وقوعی' کا 'ترتیبِ لفظی' کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ اِس مقام پر چند باتیں اور بھی قابلِ غور ہیں: ﴿۱﴾۔۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ہر لحاظ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے افضل تھے، تو افضل کو مفضول کے لیے سجدے کا حکم دینا، ایک 'سرِ الٰہی' اور 'امرِ تعبدی' ہے، جس میں عقل و قیاس کا دخل نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ اس میں یہ حکمت ہو کہ برادرانِ یوسف جو عمر میں حضرت یوسف سے بڑے تھے، جب اپنے والدِ بزرگوار کو سجدہ ریز دیکھیں گے، تو خود انہیں سجدہ کرنے میں کوئی عار نہ ہوگا۔ جیسے جب کسی ادارے کا سربراہ کسی شخص کی تعظیم کرتا ہے، تو ادارے کے باقی ارکان بھی اس کی تعظیم بجالانے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ ﴿۲﴾۔۔ سجدہ کے لغوی معنی اِنۡحِنَاء یعنی صرف جھک جانا بھی ہے اور زمین پر پیشانی ٹیک دینا بھی ہے۔ اس آیت میں **خَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا** میں سجدے میں گر پڑنے کا ذکر ہے۔ گر پڑنے کے لفظ سے سجدے کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے، کہ برادرانِ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جو سجدہ کیا تھا وہ زمین پر پیشانی ٹیک دینے والا ہی تھا، صرف جُھک جانے والا نہیں۔ اس لیے کہ جُھک جانے کو گر پڑنا نہیں کہتے۔ ہماری شریعت سے پہلے انبیاءِ سابقین کے دور میں تعظیم کے لیے دونوں طرح کے سجدے رائج تھے۔ ہماری شریعت میں ان دونوں طرح کے سجدوں میں سے کسی بھی سجدے سے کسی غیرِ خدا کی تعظیم کرنا حرام ہے۔

اب جو لوگ برادرانِ سیدنا یوسف علیہ السلام کے سجدہ کو صرف اِنۡحِنَاء، یعنی صرف جھک

جانے پر محمول کرتے ہیں، وہ آیتِ قرآنی میں مذکور لفظ **خر و خرو** کے معنی کا پاس ولحاظ نہیں کرتے۔ سعادتمندی تو یہ ہے، کہ اپنے نظریات کو قرآنِ کریم کی ہدایت کے مطابق بنایا جائے۔۔۔نہ یہ۔۔۔کہ قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ نظریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا، تو خوشی ظاہر فرمائی **(اور کہا یوسف نے، کہ اَے میرے باپ! یہ ہے تعبیر میرے خواب کی جو پہلے ہوا تھا)** یعنی جسے میں نے بہت پہلے دیکھا تھا لڑکپن میں۔ **(حقیقت میں کر دیا اُسے میرے پروردگار نے ٹھیک واقعہ)** یعنی سچ مچ وہی ظاہر ہو گیا جسے ایک عرصہ پہلے خواب میں دیکھا تھا۔ خواب میں جو شمس وقمر معلوم ہوئے تھے، وہ میرے ماں باپ کی طرف اشارہ تھا اور جو گیارہ[۱۱] ستارے نظر آئے تھے، وہ میرے گیارہ بھائی کی جگہ تھے۔ یہ رب کریم کی کتنی بڑی نوازش تھی جو اس نے مجھے یہ عزت بخشی (اور) کوئی یہی ایک احسان نہیں۔۔۔بلکہ۔۔۔

(بلاشبہ اس نے احسان فرمایا مجھ پر، جب کہ نکالا مجھ کو قید خانہ سے)۔

حضرت یوسف نے کنویں کا ذکر نہ کیا، تا کہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔

(اور) یہ بھی اُس کا احسان ہے، کہ **(لے آیا تم لوگوں کو دیہات سے)** یعنی ولایتِ شام میں زمین فلسطین کے ایک دیہات سے، جہاں ایک مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹھا کرتے تھے اور وہ کنعان کے قریب تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ ہم سب پر خدا کی نعمت کا شکر لازم ہے۔ مجھ پر اس لیے کہ اس نے قید خانے سے نکال کر تختِ شاہی پر پہنچایا، اور تم پر اس لیے کہ اس نے تم کو تمہارے دیہاتی مقام سے نکال کر مجھ تک پہنچایا، جس کی وجہ سے آج ہم تم سب ایک جگہ پاس بیٹھے ہیں۔

(بعد اس کے کہ کونچا لگا دیا تھا شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان) یعنی ہمارے درمیان مخالفت ڈال دی تھی **(بے شک میرا پروردگار لطف فرماتا ہے جسے چاہے)** اور اس تک نیکی پہنچا دیتا ہے۔ **(بے شک وہ علم والا)** ہے، یعنی جاننے والا ہے تدبیروں کی وجہیں اور **(حکمت والا ہے)** یعنی محکم کار ہے تقدیروں کے موقع معین کرنے میں۔

جب چوبیس[۲۴] برس اِس ملاقات کو گزرے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات پائی،

اور تیئس ۲۳ برس اور گزرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں، کہ اَے یوسف! میں تمہاری ملاقات کا نہایت مشتاق ہوں، جلدی آ اور تین ۳ دن میں میرے پاس پہنچ جا۔ یوسف علیہ السلام خواب سے بیدار ہوئے اور بھائیوں کو بُلا کر وصیتیں کیں اور یہودا کو اپنا ولی عہد کر کے اپنے بیٹوں کو انہیں سپرد کر دیا اور مناجات کے طور پر کہا۔۔۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِۚ

پروردگارا! بے شک تو نے دی ہے مجھے سلطنت، اور سکھایا مجھے باتوں کا انجام بتانا۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِۚ

اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے۔۔۔تو میرا کارساز ہے دنیا و آخرت میں۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

مجھے مسلمان اٹھا، اور مجھ کو مِلا دے اپنے لائقوں کے ساتھ" ●

(پروردگارا! بے شک تو نے دی ہے مجھے سلطنت) بادشاہی اور مُلک داری (اور سکھایا مجھے باتوں کا انجام بتانا) یعنی خوابوں کی تعبیر ظاہر کرنا۔تو (اَے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! تو میرا کارساز ہے) اور میرا یار و مددگار اور متولی کار ہے (دنیا و آخرت میں)۔تو اَے کریم! اپنے فضل و کرم سے (مجھے مسلمان اُٹھا) یعنی ہمیشہ اپنا مطیع و فرمانبردار رکھ، یہاں تک کہ اُسی پر میری وفات ہو جائے (اور) صالحین کی موت عطا فرما کر (مجھ کو مِلا دے اپنے لائقوں کے ساتھ) یعنی مجھے میرے نیک آباء و اجداد سے مِلا دے۔

جس دن حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا، اُس کے تیسرے ہی روز باغ وصال میں رحلت فرمائی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ

یہ غیب کی باتیں ہیں جن کی وحی فرماتے ہیں ہم تمہاری طرف، حالانکہ تم ان کے پاس نہ تھے،

اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

جب وہ سب ایک رائے ہوئے تھے اپنے معاملہ میں، اور ترکیب نکالیں ●

اَے محبوب! یہ جو بیان کیا گیا یوسف 'علیہ السلام' کا قصہ، (یہ غیب کی باتیں ہیں) اعجاز کی دلیلیں ظاہر کرنے کو۔ ان باتوں کو کوئی اپنی عقل اور اپنے حواس سے نہیں جان سکتا، (جن کی وحی فرماتے ہیں ہم تمہاری طرف حالانکہ تم ان کے پاس نہ تھے، جب وہ سب ایک رائے ہوئے تھے اپنے معاملہ میں اور ترکیب نکالیں) یعنی اَے محبوب! آپ نہ تھے یوسف 'علیہ السلام' کے بھائیوں کے پاس جب جمع کیں انہوں نے اپنی رائیں یوسف 'علیہ السلام' کو کنویں میں ڈال دینے پر۔ اور وہ مکر کرتے تھے یوسف اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ۔ اور جب آپ وہاں نہ تھے اور آپ کی تکذیب کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے کسی سے یہ قصہ سنا بھی نہیں، اس کے باوجود واقعے کے مطابق خبر دے رہے ہیں، تو یہ بات اس امر پر کھلی ہوئی دلیل ہے، کہ آپ نے یہ قصہ وحیِ الٰہی سے جانا ہے۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور بہتیرے لوگ، گو تم کتنا ہی چاہو، نہ مانیں گے ●

(اور) یہ سچ ہے کہ اس کے باوجود (بہتیرے لوگ، گو تم کتنا ہی چاہو، نہ مانیں گے) اپنی عداوت اور عناد کی وجہ سے اور اِس جہت سے کہ کفر اور فساد کرنے کا انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ع

ع ۱۱ ۵

حالانکہ تم اُن سے نہیں مانگتے اِس پر کچھ دام۔ یہ تو صرف سارے عالم کے لیے نصیحت ہے ●

(حالانکہ) تمہاری دعوت پُرخلوص دعوت ہے۔ اس لیے کہ (تم ان سے نہیں مانگتے اُس پر) یعنی تبلیغ اور ادائے احکام پر اور قرآنی قصے بیان کرنے پر (کچھ دام) اور اُجرت، جس طرح کہ دوسرے قصہ خواں لوگ اُجرت لینا چاہتے ہیں۔ قرآنی ہدایات کو پیش کرنے کے لیے اُجرت لینے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ (یہ) قرآن (تو صرف سارے عالم کے لیے نصیحت ہے)، یہ صرف اہلِ مکہ کے لیے نہیں ہے جو آپ کے معجزات سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ یہ منکرین کتنے اندھے۔۔۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا

اور کتنی نشانی ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر وہ گزر جاتے ہیں،

وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور وہ منہ ان سے پھیرے ہیں●

(اور) نادان ہیں، کہ (کتنی نشانی ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر وہ گزر) تے (جاتے ہیں) لیکن سبق حاصل نہیں کرتے (اور وہ منہ ان سے پھیرے ہیں)۔ نہ ان میں فکر کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے عبرت لیتے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور اُن کے بہتیرے اللہ کو مانتے ہی نہیں، مگر شرک کرتے ہوئے●

(اور ان کے بہتیرے اللہ) تعالیٰ (کو مانتے ہی نہیں مگر شرک کرتے ہوئے) ایک طرف خدا پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف شرک میں بھی ملوث ہیں۔۔ مثلاً: عرب کے کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔۔یا۔۔ یہود جو خدا پر بھی ایمان کے مدعی ہیں ساتھ ہی ساتھ عزیر ابن اللہ بھی کہتے ہیں۔۔یا۔۔ نصاریٰ جن کا خدا پر بھی ایمان کا دعویٰ اور وہ عیسیٰ ابن اللہ بھی کہتے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

تو کیا اِس سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ چھاپ لے انہیں اللہ کا عذاب، یا پھٹ پڑے قیامت کا عذاب اچانک،

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور اُنہیں خبر نہ ہو●

(تو کیا اُس سے مطمئن ہو گئے ہیں) اور نڈر ہو گئے ہیں مشرکین (کہ چھاپ لے انہیں) یعنی پکڑ لے، اور اُن کا مکمل احاطہ کر لے (اللہ) تعالیٰ (کا عذاب)، یعنی دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی عذاب اُن کو اپنی گرفت میں لے لے، (یا) پھر ایسا ہو کہ (پھٹ پڑے قیامت کا عذاب اچانک اور انہیں خبر نہ ہو) یعنی اس کے آنے کو وہ نہ جان سکیں اور اس کے واسطے کوئی کام درست نہ کر سکیں۔۔۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ

پکار دو کہ ”یہ ہے میری راہ، بلا رہا ہوں اللہ کی طرف ۔۔۔ دل کے یقین پر میں ہوں اور جس نے میری پیروی کی ۔

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں“●

اَے محبوب! (پکاردو) اور واضح طور پر اِرشاد فرمادو (کہ) جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں (یہ ہے میری راہ) اور میرا طریقہ اور یہی ہے میری سنت۔ اِسی طریقے پر چل کر انسان جنت اور اُخروی نعمتوں کو حاصل کرسکتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ میں (بلا رہا ہوں اللہ) تعالیٰ (کی طرف) اس حال میں کہ (دل کے یقین پر میں ہوں اور جس نے میری پیروی کی) یعنی جو میرا راستہ ہے اس کی طرف، یعنی توحیدِ الٰہی کی طرف میں پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کو بلاتا ہوں، اور میرے پیروکار بھی 'علی وجہ البصیرت' اُسی کی طرف بلاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔

یاد رکھو کہ مشرکین جو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ فلاں اللہ کا شریک ہے، فلاں اللہ کا بیٹا ہے، فلاں اللہ کا مددگار ہے اور ایسی ہی دوسری خرافات، یہ سب لایعنی باتیں ہیں (اور اللہ) تعالیٰ (پاک) اور برتر و بلند (ہے) ان تمام چیزوں سے (اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں) لہٰذا اُس پاک اور برتر و بالا ذات کا شریک کسی کو نہیں ٹھہراتا۔

منکرینِ نبوت یہ کہتے تھے کہ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا تھا، تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے یہ کہتے تھے، کہ یہ تو ہماری طرح بشر ہیں، یہ کیسے نبی ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رَد فرمایا، کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مَردوں کو رسول بنایا، کسی جن یا فرشتہ کو، یا عورت کو رسول نہیں بنایا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے مگر کئی مرد کو، کہ ہم وحی بھیجیں اُن کے پاس آبادی والوں سے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ

تو کیا نہیں سیر کی اِن لوگوں نے اُس سرزمین کی؟ کہ دیکھیں کہ کیسا ہوا انجام اُن کا،

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

جو اِن کے پہلے تھے۔اور بلاشبہ دارِ آخرت زیادہ بہتر ہے اُن کے لیے جوڈرا کیے،تو کیا تم کچھ نہیں سمجھتے ؟●

(اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے مگر کئی مرد کو)۔۔الغرض۔۔جن جن کو بھیجا وہ مرد ہی تھے۔۔الغرض ۔۔ہم نے مردوں ہی کو منتخب کیا تا(کہ ہم وحی بھیجیں اُن کے پاس) شہری (آبادی والوں سے)۔

اِس مقام پر 'بستیوں کے رہنے والے' سے 'شہروں کے رہنے والے' مراد ہیں، کیونکہ جنگلوں اور دیہاتوں کے رہنے والے عموماً سخت دل اور غیر مہذب ہوتے ہیں اور عقل وفہم سے عاری ہوتے ہیں اور شہروں کے رہنے والے عموماً عقلمند، بُردبار اور مہذب ہوتے ہیں۔

اسی لیے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگلیوں اور دیہاتیوں میں سے کوئی نبی نہ بھیجا اور نہ عورتوں میں سے، اور نہ ہی جنوں میں سے۔پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(تو کیا نہیں سیر کی ان لوگوں نے اس سرزمین کی؟ کہ دیکھیں کہ کیسا ہوا انجام ان کا جو ان کے پہلے تھے)۔چونکہ زمین میں قوم عاد،قوم ثمود،قوم مدین اور قوم لوط پر عذاب کے آثار موجود ہیں،تو اگر یہ اُن علاقوں میں سفر کرتے،تو دیکھ لیتے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔تو یہ کافر اُن کے حال سے نصیحت وعبرت لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی تکذیب سے پرہیز کریں اور ڈریں اور آخرت کی بھلائیوں کے حصول کی تیاری کریں۔(اور) یہ اس لیے کہ (بلاشبہ دارِ آخرت) یعنی جنت اور اُس کی نعمت (زیادہ بہتر ہے ان کے لیے جوڈرا کیے) اور کفر و نافرمانی سے پرہیز کرتے رہے۔(تو کیا تم کچھ نہیں سمجھتے) اور غور وفکر نہیں کرتے؟ کہ جان لو کہ عاقبت کی باقی رہنے والی لذتیں بہتر ہیں دنیا کی گزر جانے والی لذت سے۔تو چاہیے کہ اَے محمد! ﷺ تمہارے زمانے کے معاند اپنی زندگی کی مدت اور دولت پر مغرور نہ ہوں، اس واسطے کہ اگلی امتوں کو ہم نے مہلت دی۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ

یہاں تک کہ جب رسولوں نے جلد عذاب آنے کی امید چھوڑ دی،اور عوام نے سمجھ لیا کہ ان سے عذاب آنے کو جھوٹ کہا گیا تھا،

فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

کہ آ گئی ہماری مدد،تو بچالیا گیا جس کو ہم چاہیں،اور نہیں واپس کیا جاتا ہمارا عذاب جرائم پیشہ قوم سے●

(یہاں تک کہ جب رسولوں نے جلد عذاب آنے کی امید چھوڑ دی اور عوام نے سمجھ لیا کہ ان سے عذاب آنے کو جھوٹ کہا گیا تھا، کہ) اچانک (آگئی ہماری مدد) پیغمبروں کے پاس، یعنی اُن کی قوم کے کافروں پر عذاب نازل ہوا۔ (تو بچالیا گیا جس کو ہم چاہیں)۔ جسے ہم نے چاہا یعنی پیغمبروں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو، (اور) یہی ضابطہ عدل ہے کہ (نہیں واپس کیا جاتا ہمارا عذاب جرائم پیشہ قوم سے) یعنی جب اُن پر عذاب نازل ہوتا ہے، تو مکمل طور پر نازل ہو کے رہتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی امتوں کے قصوں میں۔۔یا۔۔یوسف علیہ السلام اوران کے بھائیوں کے قصے میں۔۔الختصر۔۔۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی

بلاشبہ اُن کے واقعات میں سبق ہے عقل والوں کے لیے۔ یہ گڑھی بات نہیں ہے،

وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ

بلکہ تصدیق ہے اگلی کتابوں کی۔ اور ہر چیز کا مفصل بیان ہے۔

وَّ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور ہدایت ورحمت ہے اُن کے لیے جو مان جائیں ●

(بلاشبہ اُن کے واقعات میں سبق) اور عبرت ونصیحت (ہے عقل والوں کے لیے) جن کی عقل خالص ہے۔

ممکن ہے کہ عقل والوں سے مُراد وہ صاحبِ اسرار لوگ ہوں جو اس طرح کے قصوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں، اور کلام کے حقائق ان کے سینۂ بے کینہ کو منوّر ومجلّی کر دیتے ہیں۔

لوگو! ہمیشہ کے لیے یاد رکھو! کہ (یہ) قرآنِ کریم حقائق کا سرچشمہ ہے۔ اس کی کوئی بات (گڑھی) ہوئی (بات نہیں ہے، بلکہ) یہ تو سراپا (تصدیق ہے اگلی کتابوں کی) اور صحت وراستی میں ان کے موافق ہے۔ (اور) دین ودنیا میں جن باتوں کی احتیاج ہوتی ہے ان میں سے (ہر چیز کا مفصل بیان ہے) اور راہ چلنے والوں کے لیے رہنما۔۔نیز۔۔خدا کی توحید اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والوں کے لیے نجات دہندہ ہے۔۔الختصر۔۔قرآنِ کریم سرچشمۂ عبرت ونصیحت (اور ہدایت ورحمت ہے ان کے لیے جو مان جائیں)۔

بفضلہٖ تعالیٰ سورۂ یوسف کی تفسیر آج بتاریخ
۲۰/شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲/اگست ۲۰۱۰ء
بروز دوشنبہ مکمل ہوگئی۔مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن
کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔
آمین بِجَاہِ سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْن
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
یکم رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۱۲/اگست ۲۰۱۰ء
بروز پنجشنبہ سورۂ رعد کی تفسیر کا آغاز ہوگیا ہے۔
مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی اور دیگر
سورتوں کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔
آمین بِجَاہِ سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْن
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

سورۃ الرعد ۱۳ مدنیۃ ۹۶ — ایاتہا ۴۳ رکوعاتہا ۶

سُورَةُ الرَّعۡدِ

سورۂ رعد مکیۃ — آیات ۴۳ رکوع ۶

سورۂ رعد، جس میں چھ[۶] رکوع، تینتالیس[۴۳] آیتیں، آٹھ سو تریسٹھ[۸۶۳] کلمات اور تین ہزار چھ سو چودہ[۳۶۱۴] حروف ہیں۔ چند آیات کے علاوہ اِس سورت کی اکثر آیات مکی ہیں۔ اس پوری سورت کا مضمون اُن ہی سورتوں کے موافق ہے، جو مکی سورتیں ہیں۔ کیونکہ اِس سورت میں زیادہ تر توحید، قیامت اور جزا اور سزا کا بیان ہے، اور یہ مکی سورتوں کا خلاصہ ہے۔ جب کہ مدنی سورتوں میں مومنوں سے خطاب ہوتا ہے اور احکام شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ تمام مکی سورتوں میں یہی ایک ایسی مکی سورت ہے، جس میں 'رعد' کا ذکر آیا ہے۔ اِس مناسبت سے اِس سورہ کا نام 'سورۂ رعد' رکھ دیا گیا ہے، اور نام رکھنے کے لیے اتنی بھی مناسبت کافی ہے۔ چونکہ 'سورۂ یوسف' اور 'سورۂ رعد' دونوں ہی مکہ میں نازل ہوئیں اور 'سورۂ یوسف' کا اختتام قرآنِ مجید کے ذکر پر ہوا ہے اور 'سورۂ رعد' کا افتتاح قرآن کریم کے ذکر سے ہوا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ 'سورۂ رعد' کو 'سورۂ یوسف' کے بعد ذکر فرمانے میں ان مناسبتوں کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہو۔ 'سورۂ رعد' جس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور جس میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے عجائبات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال فرمایا گیا ہے۔ ایسی عظیم الشان اور ہدایت نشان 'سورۂ مبارکہ' کو شروع کیا۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ

الم راء۔۔۔ یہ ہیں کتاب کی آیتیں۔ اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے، بالکل درست ہے۔

وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ①

لیکن بہتیرے عوام نہیں مانتے ●

(ال م راء)۔

ان کلماتِ مقطعات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے، اُس کا حقیقی اور ذاتی طور پر جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔۔یا۔۔خدائے تعالیٰ کے بتانے سے وہ رسول جانے جن پر یہ کلمات نازل فرمائے گئے۔۔یا۔۔خدا کے وہ محبوبین جانیں، جن پر منجانب اللہ اس کے اسرار و امور منکشف کردیے گئے ہیں۔اس سلسلے میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ سارے حروفِ مقطعات ان کلمات کا اختصار ہیں، جو صفاتِ الٰہی پر دلالت کرتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔الٓمّٓرٰ میں الف اس کی 'آلاء' کا ہے، لام اس کے 'لطف' کا ہے، 'میم' اُس کے 'ملک' کی ہے اور 'راء' اس کی 'رافت' کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے بعض حروف اسمائے الٰہی پر دلالت کرتے ہیں اور بعضے افعال پر۔اب اِس کا معنی یہ ہوگیا 'اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَرٰی' میں اللہ ہوں بڑا جاننے والا اور دیکھنے والا۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! (یہ ہیں کتاب کی آیتیں اور) اللہ تعالیٰ کا کلام (جو نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے) جو (بالکل درست) صحیح اور حق (ہے)۔لہٰذا اس کو مضبوطی سے پکڑے رہیے اور اس پر عمل کرتے رہیے (لیکن بہتیرے عوام) یعنی مکے کے عام لوگ (نہیں مانتے)۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى

اللہ ہے جس نے بلند فرمایا آسمانوں کو بے ستون کے، تم خود اُسے دیکھ رہے ہو، پھر متوجہ ہوا

عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

عرش پر، اور مسخر فرمایا سورج اور چاند کو۔ ہر ایک چل رہا ہے نامزد کیے ہوئے وقت تک۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾

وہ تدبیر فرماتا ہے کام کی، تفصیل فرماتا ہے آیتوں کی، کہ تم اپنے پروردگار سے ملنے پر یقین کرلو●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ برحق ہے اور اَب اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے برحق ہونے اور اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل قائم فرمارہا ہے اور اپنی قدرت پر براہین پیش فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ وہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ ہی (ہے جس نے بلند فرمایا آسمانوں کو) یعنی پیدا کیے اور اوپر اٹھادیے (بے

ستون کے) کہ اس پر آسمان قائم ہوں۔ (تم خود اُسے دیکھ رہے ہو) یا یہ کہ اٹھائے ہیں آسمان بے ستون تمہارے دیکھنے میں۔تو اس سے لازم آتا ہے کہ ستون ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے۔اور وہ ستون، اس کی قدرت ہے کہ آسمان اس کے سبب سے بلند ہیں۔

ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ کوئی چھت بغیر ستونوں اور دیواروں کی ٹیک کے قائم نہیں ہوسکتی، تو جس قادرِ مطلق نے آسمانوں کو بغیر کسی ٹیک اور سہارے کے بلند کردیا، تو یقیناً وہ ہستی ممکنات اور مخلوقات سے ماوراء ہے۔۔الخضر۔۔اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بے ستون قائم فرمایا۔

(**پھر متوجہ ہوا عرش پر**) یعنی اسے پیدا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔۔یا۔۔اپنی شان کے لائق عرش پر **اَسۡتَوٰی** فرمایا۔۔یا۔۔عرش پر غالب ومتولی ہوا، اس پر قدرت اور حکم جاری کرنے کے ساتھ۔۔یا۔۔ عرش کی حفاظت وتدبیر کا قصد کیا۔۔۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات کا ذکر ہے جن سے بظاہر جسمیت کا شبہ یا وہم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ جسم اور جسمیت کے عوارض سے پاک ہے اور ممکنات اور مخلوقات میں اس کی کوئی مثال نہیں۔مخلوقات کی صفات کا معنی تو ہمیں معلوم ہے،لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو جسمیت کا وہم پیدا کرتی ہیں۔۔یا۔۔ ممکنات وغیرہ سے بظاہر مماثلت دکھاتی ہیں، ان صفاتِ الٰہیہ کے معانی ہمیں معلوم نہیں، کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات کس معنی میں ہیں اور کس اعتبار سے ہیں۔

ظاہر ہے اس میں یہ صفات اُس کے شایانِ شان ہی ہوں گی، جس کا صحیح علم بھی اُسی کو ہے۔اِن الفاظ کے لفظی معنی معلوم ہیں، مگر کیفیت مجہول ہے۔اس کیفیت کو سمجھنا صرف یہی نہیں کہ ہمارے لیے غیر ضروری ہے، بلکہ ناممکن بھی ہے۔ذاتِ الٰہی اور صفاتِ خداوندی کی حقیقت کا اِدراک مخلوقات وممکنات کے لیے عقلاً محال ہے۔اس کے تعلق سے اسلم راستہ یہ ہے، کہ اس کے تعلق سے علم کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو تفویض کردیا جائے۔۔یا۔۔متاخرین کے اصول پر ایسی تاویل کی جائے جو کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے اور نہ ہی کسی شان والے کی شان پر آنچ آئے۔قدرتِ خداوندی ہی کے ضمن میں آگے ارشاد فرمایا جاتا ہے۔۔۔

(**اور مسخر فرمایا سورج اور چاند کو**) بندوں کی مصلحتوں کے واسطے اس چیز کے ساتھ جو اس نے چاہی۔۔لہٰذا۔۔(**ہر ایک چل رہا ہے نامزد کیے ہوئے وقت تک**) یعنی ایک مدت معین تک کہ اپنی گردش

پوری کرے۔۔یا۔۔حرکت میں ہے اُس زمانے تک کہ حرکت منقطع ہو جائے۔یعنی قیام قیامت تک۔ (وہ تدبیر فرماتا ہے کام کی) یعنی اپنے ملکوت کے کام کی، موجود کرنے، معدوم کرنے، ذلت دینے، عزت دینے، زندگی عطا فرمانے اور مار ڈالنے سے، اور (تفصیل فرماتا ہے آیتوں کی) یعنی 'قرآنی اوامر ونواہی' کو مفصل طور پر بیان فرماتا ہے۔۔یا۔۔اپنی قدرت کی دلیلیں ایک کے بعد ایک پیدا فرماتا ہے، تا (کہ تم اپنے پروردگار سے ملنے پر یقین کرلو) یعنی جو جزا قیامت کے دن حق تعالیٰ دے گا اس جزا کے پانے کا یقین کرلو، اور جان لو کہ جو ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ دوبارہ بھی پیدا اور زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔اس قادر مطلق کی کیا شان ہے؟۔۔۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ

اور وہی ہے جس نے پھیلا دی زمین، اور پیدا فرما دیا اس میں پہاڑوں کو اور نہروں کو۔اور

كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ

ہر طرح کے پھلوں سے پیدا فرما دیا دو دو قسم کے، ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ③

بے شک ان میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو غور وفکر کریں●

(اور) اس کی قدرتِ کاملہ کا کیا عالم ہے، یاد رکھو (وہی ہے جس نے پھیلا دی زمین) پانی پر یعنی زمین لمبی چوڑی پھیلا دی، تا کہ حیوانات کے پھرنے کی جگہ ہو (اور پیدا فرمایا اس میں پہاڑوں کو) تا کہ زمین کی میخ ہو جائیں (اور) پیدا کیا زمین میں پانی کی جاری (نہروں کو اور ہر) ہر (طرح کے پھلوں سے پیدا فرما دیا دو دو قسم کے)۔۔مثلاً: سرخ زرد، سیاہ سفید، چھوٹے بڑے، کھٹے میٹھے، گرم سرد، جنگل کے باغ کے، اور خشک تر، وغیرہ وغیرہ۔

(ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو) یہاں تک کہ ہوا جو روشن تھی تاریک ہو جاتی ہے اور اسی میں سے دن کا رات کو ڈھانپ لینا دریافت ہو سکتا ہے، کہ ہوا تیرگی کے بعد روشن ہو جاتی ہے (بے شک ان) قدرت کی علامتوں اور آثار (میں ضرور نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور وفکر کریں) یعنی جو غور وفکر کرتے ہیں اُن نشانیوں میں اور جانتے ہیں کہ اُن چیزوں کا ہونا اور اُن میں ہر ایک کی تخصیص ایک چیز کے ساتھ صانع حکیم کے ہونے پر دلیل ہے۔دانشورو! دیکھو۔۔۔

وَ فِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ

اور زمین میں کئی قطع ہیں آس پاس، اور باغ ہیں انگور والے، اور کھیتی ہے، اور کھجور کے درخت ایک جڑ سے کئی،

وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ

اور الگ الگ۔ دیا جاتا ہے ایک ہی پانی۔۔ اور بڑھا دیتے ہیں ہم ان میں سے کسی کو دوسرے پر کھانے میں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾

بے شک اِن میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو عقل سے کام لیں●

(اور) غور کرو تا کہ حکمتِ خداوندی کا اِدراک ہو سکے، سو چو کہ کیا یہ قدرتِ کاملہ کی نشانی نہیں ہے کہ (**زمین میں کئی قطع ہیں آس پاس**) یعنی کئی ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ یہ نیرنگی قدرت کی دلیلوں میں سے ہے، کہ زمین کے ٹکڑے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، ان میں سے بعضے قابل زراعت ہیں اور بعضے نا قابل زراعت اور کسی قدر ریگستان ہے، کسی قدر کوہستان (اور) اس زمین میں (**باغ ہیں انگور والے اور کھیتی ہے اور کھجور کے درخت ایک جڑ سے کئی اور الگ الگ**) یعنی ایسے بھی کھجور کے درخت ہیں جن کی کئی شاخیں ایک جڑ سے اُگی ہیں۔ اور ایسے درخت نہیں بھی ہیں۔۔ بلکہ۔۔ متفرق جڑوں کے ہیں، یعنی ہر ایک شاخ ایک جڑ سے اگی ہوئی ہے۔

ان سب کھیتوں اور باغوں کو (**دیا جاتا ہے ایک ہی پانی اور بڑھا دیتے ہیں ہم ان میں کسی کو دوسرے پر کھانے میں**) صورت، رنگ، بوٗ، مزے کے لحاظ سے۔ (**بے شک ان میں**) یعنی اس چیز میں جو ذکر کی گئی (**ضرور نشانیاں**) اور کھلی ہوئی دلالتیں (**ہیں ان کے لیے جو عقل سے کام لیں**) اور غور کریں کہ درختوں پر میووں کا اختلاف، باوصف اس کے کہ سب میوے ایک پانی سے پرورش پاتے ہیں، نہیں ہو سکتا، مگر قادرِ مختار کے ارادے سے۔

یہی مثال بنی آدم کی ہے کہ باوصف اس کے سبھوں کے ماں باپ ایک ہی ہیں، مگر ان کے رنگ، شکلیں، ہیئتیں، آواز، اخلاق اور طبیعتیں مختلف ہیں۔ اِسی طرح دلوں کا حال ہے کہ آثار، انوار، اسرار میں ہر دِل کی ایک صفت ہے اور ہر صفت کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی دل منکر و متکبر ہوتا ہے، تو کوئی دِل ذکرِ الٰہی سے سکون پاتا ہے۔ اَے محبوب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دلائل وحدت کے ساتھ کافروں کا ایمان نہ لانا تعجب خیز۔۔۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ

اور اگر تم تعجب کرنا چاہو، تو عجیب چیز ہے اُن کا یہ کہنا، کہ کیا جب ہم مٹی ہو گئے، تو کیا نئی بناوٹ میں آئیں گے"۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ

یہ ہیں جنہوں نے انکار کر دیا اپنے پروردگار کا۔ اور یہ ہیں کہ طوق ہیں اُن کی گردنوں میں۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾

اور یہی ہیں جہنم والے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے●

(اور) حیرت انگیز ہے۔ اب (اگر تم تعجب کرنا چاہو) اور ان کی طرف سے حیرت ناک بات دیکھنا چاہو، (تو عجیب چیز ہے ان کا یہ کہنا)، یعنی ان کا یہ قول متعجب ہونے کا محل ہے کہ وہ کہتے ہیں (کہ کیا جب ہم مٹی ہو گئے) یعنی مرنے کے بعد جب ہم خاک ہو گئے ہوں گے (تو کیا نئی بناوٹ میں آئیں گے)، یعنی کیا خدا پھر ہمیں زندہ فرمائے گا، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ زمین آسمان کا نام نشان کچھ بھی نہ تھا، حق تعالیٰ نے اُنہیں پیدا کیا۔ اب یہ نادان کچھ فکر نہیں کرتے کہ جو کوئی پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہو، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہو سکتا ہے۔

تو سننے والو! سن لو کہ (یہ ہیں جنھوں نے انکار کر دیا اپنے پروردگار کا) حشر ونشر پر اس کی قدرت نہ مان کر (اور یہ ہیں کہ طوق ہیں ان کی گردنوں میں) گمراہی کے اور وہ گمراہی میں قید ہیں اور یہ امید نہیں کہ اس قید سے چھوٹیں گے۔۔یا۔۔قیامت کے دن آگ کے طوق ان کی گردنوں میں پہنائیں گے اور دوزخ میں کافروں کی یہی علامت ہوگی (اور یہی ہیں جہنم والے، اس میں ہمیشہ رہنے والے)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب کافروں کو عذاب کی وعید کی اور ڈرایا دھمکایا، تو نضر ابن حارث اور اُس جیسے لوگوں نے ہنسی کے طور پر عذاب کی جلدی کی، تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ

اور جلدی مچاتے ہیں تم سے عذاب کی، رحمت سے پہلے، حالانکہ گزر چکی ہیں اِن سے پہلے کافروں پر سزائیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ

اور بے شک تمہارا پروردگار لوگوں پر مغفرت والا ہے، ان کے اندھیر مچانے پر بھی۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور سخت عذاب دینے والا ہے●

(اور جلدی مچاتے ہیں تم سے عذاب کی رحمت سے پہلے) یعنی جو عذاب حق تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، اس کو بعجلت چاہتے ہیں اور بطورِ استہزاء اس کے جلد نازل ہو جانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ نبی کریم نے جو عذاب نازل ہونے کی بات کی ہے، وہ صحیح نہیں۔۔ چنانچہ۔۔ عذاب آنے والا نہیں حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے کہ عذاب نازل فرمانے میں تاخیر اور قیامت کے دن پر اس کو موقوف رکھنا، اُن کے حق میں **حَسَنَة** یعنی ایک احسان ہے اور ان کو ہلاک کر دینا ان کے لیے **سَيِّئَة** اور ہلاکت ہے، تو حق تعالیٰ کی ربوبیتِ کاملہ نے ان پر احسان کرنے کی جو مدت مقرر فرمائی ہے، اس سے پہلے ہی اپنی ہلاکت چاہتے ہیں۔ گو یہ مطالبہ بطورِ استہزاء ہے اور ان کو عذاب کے نازل ہونے کا یقین نہیں ہے، تو ان کو چاہیے تھا کہ اپنے ماقبل والوں کا حال دیکھ لیتے۔

یہ نادان عذاب کے آنے کے منکر کیوں ہیں؟ **(حالانکہ گزر چکی ہیں ان سے پہلے کافروں پر سزائیں)** اور تکذیب کرنے والوں پر عقوبتیں، جیسے زمین میں دھنس جانا، صورتیں بدل جانا، زلزلہ آنا۔ تعجب ہے کہ یہ ان عقوبتوں کا حال جانتے ہیں پھر اس سے عبرت کیوں نہیں لیتے؟ اور اپنے واسطے اس کے مثل عذاب کیوں مانگتے ہیں؟ عقل والو! سنو (اور) یاد رکھو کہ **(بے شک تمہارا پروردگار لوگوں پر مغفرت والا ہے ان کے اندھیر مچانے پر بھی)**۔ تو اگر کافر ایمان لائیں اور تصدیق کریں تو خدا انہیں بخش دے گا اس ظلم و زیادتی کے باوجود جو وہ حالتِ کفر میں انجام دے چکے ہیں۔ (اور) یہ بھی سن لو کہ اگر وہ اپنے کفر و تکذیب پر اَڑے رہے، تو پھر **(بے شک تمہارا پروردگار ضرور سخت عذاب دینے والا ہے)**۔

ایک قول ہے کہ مسلمانوں پر صاحبِ مغفرت ہے توبہ اور استغفار کے سبب سے، اور کافروں پر سخت عذاب کرنے والا ہے، انکار اور استکبار کی وجہ سے۔ اس آیت کریمہ میں خوف و رجاء کی تمہید ارشاد فرمائی گئی ہے۔ پہلے فرمایا خدا بخشنے والا ہے، تاکہ بندے اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں۔۔ پھر۔۔ ارشاد فرمایا عذاب کرنے والا ہے، تاکہ اس کی ہیبت سے بے خوف نہ رہیں۔ سچ ہے کہ اگر خدا کی بخشش نہ ہوتی، تو کسی کا عیش کچھ بھی گوارا نہ ہوتا اور اگر حق تعالیٰ کی وعید نہ ہوتی، تو سب بخشش پر بھروسہ کر کے عمل سے باز رہتے۔

الرعد آیت ۵ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین نے نبی ﷺ کی نبوت پر یہ اعتراض کیا،

کہ یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور الرعد آیت ٦ میں مشرکین کے اس اعتراض کا ذکر کیا گیا ہے، کہ ہمارے انکار کی بناء پر یہ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ عذاب کیوں نہیں آتا؟ اور اب آیت ۷ میں اس اعتراض کا ذکر ہے، کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ مشرکین مکہ اپنی تسلی اور اطمینان کے لیے اور حق وصداقت کو پہچاننے کے لیے اپنے فرمائشی معجزات کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ عناد، سرکشی، کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کے طور پر آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے۔ اگر حق وصداقت کو پہچاننا ان کا مطلوب ہوتا تو صرف قرآنِ مجید کا معجزہ ہونا ہی ان کے اطمینان کے لیے کافی تھا
۔۔الختصر۔۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ؕ

اور کہتے ہیں جنہوں نے انکار کو پیشہ بنالیا ہے، کہ "کیوں نہیں اتاری جاتی اُن پر کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی طرف سے"۔

إِنَّمَآ أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ع

تم صرف ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے رہنما●

عناد وسرکشی (اور) کٹ حجتی وہٹ دھرمی کے طور پر (کہتے ہیں) وہ لوگ (جنہوں نے انکار کو پیشہ بنالیا ہے)۔ جب انکار ہی اُن کا پیشہ ہے، تو پھر اگر اُن کا مطالبہ پورا بھی کر دیا جائے، تو وہ کب ماننے والے ہیں؟ معجزے کے بعد معجزہ دیکھتے رہیں گے اور پھر کسی معجزے کا مطالبہ کرتے رہیں گے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔۔الغرض۔۔وہ کہتے ہیں (کہ کیوں نہیں اُتاری جاتی ان پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے) ہماری فرمائش کے مطابق۔۔مثلاً: حضرت موسیٰ کا عصا اور حضرت عیسیٰ کا مُردوں کو زندہ کرنا، حضرت صالح کا پہاڑ سے اونٹنی نکالنا، وغیرہ وغیرہ۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (تم صرف ڈرانے والے ہو) یعنی صرف ڈرانے کے واسطے تم بھیجے گئے ہو، تو تم پر یہی پہنچا دینا بس ہے (اور) ساتھ ہی ساتھ (ہر قوم کے رہنما) ہو۔ صرف راستہ دکھا دینا ہی تمہاری ذمہ داری ہے۔ رہ گیا ایمان والا بنا دینا اور منزلِ مقصود پر پہنچا دینا، یہ تمہارے فریضۂ نبوت میں داخل نہیں۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اگر۔۔بالفرض۔۔ان کے مطلوبہ اور فرمائشی معجزات پیش

بھی کردیے گئے، تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور سنتِ الٰہیہ کے مطابق ہمہ گیر عذاب کا شکار ہوکر ملیامیٹ ہوجائیں گے۔

تو اے محبوب! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں، کہ آپ کے ہوتے ہوئے انہیں عذاب دے۔

یہ کفار کیا جانیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کیا شان ہے؟ بے شک۔۔۔

اَللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ اُنۡثٰى وَمَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ ؕ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں لیتی ہے ہر مادہ، اور جو گھٹتے بڑھتے ہیں سارے رحم۔

وَكُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿۸﴾

اور ہر چیز اُس کے یہاں ایک مقدار سے ہے●

بے شک (اللہ) تعالیٰ آلات و ذرائع اور اسباب و وسائل کے بغیر (جانتا ہے جو پیٹ میں لیتی ہے ہر مادہ) لڑکا۔۔یا۔۔لڑکی، کالا یا گورا، اچھا یا بُرا، لمبا یا ٹھمکا اور اس کے سوا اور جانتا ہے (جو گھٹتے بڑھتے ہیں سارے رحم)، یعنی ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے اس کو بھی جانتا ہے (اور ہر چیز اس کے یہاں ایک مقدار سے ہے) جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔۔الغرض۔۔وہ۔۔

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِیۡرُ الۡمُتَعَالِ ﴿۹﴾ سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ

جاننے والا ہے غیب و شہادت کا، بڑائی والا بلند و بالا● خواہ تم میں کوئی چپکے بات کرے، خواہ زور سے،

وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّیۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾

اور خواہ کوئی چھپے رات میں، یا راہ چلے دن کو●

(جاننے والا ہے غیب و شہادت کا) یعنی جو چیزیں حواس سے پوشیدہ ہیں۔۔یا۔۔جو چیزیں حواس پر ظاہر ہیں وہ ان سب کا جاننے والا ہے۔ وہ (بڑائی والا) اور (بلند و بالا) ہے یعنی سب سے برتر و بالا ہے۔ اس کے علم کے سامنے برابر ہے (خواہ تم میں کوئی چپکے بات کرے) یعنی وہ شخص جو چھپائے اپنی بات اپنے جی میں (خواہ زور سے) کرے، یعنی دوسروں پر بھی ظاہر کردے (اور خواہ کوئی چھپے رات میں) یعنی جو شخص چھپانا چاہتا ہے اور چھپاتا ہے اپنا کام رات کی تاریکی میں (یا راہ چلے دن کو)، یعنی جو کوئی ظاہر و آشکارا کرتا ہے اپنا کام دن کو۔۔الغرض۔۔کوئی قول و فعل پوشیدہ ظاہر اُس سے چھپا نہیں ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ

اس کے لیے بدلی والی ہستیاں ہیں، اس کے آگے اور پیچھے، جونگرانی کریں اُس کی اللہ کے حکم سے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

بے شک اللہ نہیں پلٹتا کسی قوم کو، یہاں تک کہ وہ پلٹ دیں خود اپنے کو۔ اور جب ارادہ کرلیا اللہ نے

بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

کسی قوم کے لیے عذاب کا، تو پھر اُس کا پھرنا نہیں۔ اور نہیں ہے اُن کا اللہ کو چھوڑ کر کوئی مددگار●

(اس کے لیے) یعنی اس شخص کے واسطے جو چھپاتا اور ظاہر کرتا ہے اپنا قول وفعل (بدلی والی ہستیاں ہیں) یعنی باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں (اس کے آگے اور پیچھے، جونگرانی کریں اس کی اللہ) تعالیٰ (کے حکم) اور اُس کی اعانت (سے) اور جو کچھ اُس سے صادر ہوتا ہے اُسے لکھ لیتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق اگر یہ محافظ فرشتے حفاظت پر مامور نہ ہوتے، تو جنوں کی قوم انسانوں کو زمین پر رہنے نہ دیتی۔ صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ دو فرشتے دن کے ہیں اور دورات کے۔ ان فرشتوں کو **بَرَرَة** اور **كِرَامًا كَاتِبِيْنَ** کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا بیان نے واضح کردیا کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر اور عالم الغیب والشھادۃ ہے، تو کافروں کے دلی ارادوں اور ان کے قلبی خیالات سے وہ کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔ تو وہ خوب جانتا تھا کہ کفار کی معجزہ طلبی ایمان لانے کے لیے نہیں ہے، تو اگر۔۔ بالفرض۔۔ انہیں معجزہ دکھا دیا جائے جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔ اگر ان میں روحِ سعادت ہوتی تو ایمان لانے کے لیے صرف قرآن کریم کا معجزہ ہی کافی تھا۔

اوپر کے بیان سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ تقدیر تو اٹل ہے، لیکن یہ منشاءِ الٰہی نہیں ہے کہ حفاظت کے اسباب کو بالکل اختیار نہ کرنا چاہیے۔۔ ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ ان اسباب پر تکیہ نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں اور وہ جس کو چاہتا ہے اپنی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے، مگر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں پلٹتا کسی قوم کو یہاں تک کہ وہ پلٹ دیں خود اپنے کو) یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو جو نعمت اور عافیت عطا فرماتا ہے اور اس کو جس آسودہ حالی میں رکھتا ہے۔۔ نیز۔۔ اسے آزادی، سلامتی استحکام، خوش حالی اور عافیت کی جو نعمت عطا فرماتا ہے وہ نعمت اُن سے اُس وقت تک

سلب نہیں فرماتا، جب تک وہ قوم اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔ (اور) یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے، کہ (جب ارادہ کر لیا اللہ) تعالیٰ (نے کسی قوم کے لیے عذاب کا، تو پھر اس کا پھرنا نہیں) یعنی اُسے کوئی رد نہیں کر سکتا اپنے سے نہ دوسرے سے۔ (اور نہیں ہے ان کا اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر کوئی مددگار) جو ان کا کام بنانے والا ہو عذاب دفع کرنے میں۔۔یا۔۔ان کی مدد کرنے والا ہو۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾

وہی ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی، ڈرانے اور للچانے کو، اور اٹھاتا ہے بادل بھاری بھاری ●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ڈرایا تھا، کہ وہ انعام بھی عطا فرماتا ہے اور اگر اس انعام کی قدر نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا نہ کیا جائے، تو وہ اس انعام کو واپس لے لیتا ہے اور مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کو عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کا ذکر فرمایا۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے اور اِس میں بعض اعتبار سے نعمت اور احسان کا ذکر ہے اور اِس میں بعض لحاظ سے اُس کے قہر اور عذاب کا بھی بیان ہے۔۔تو۔۔

(وہی ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی، ڈرانے اور للچانے کو)۔

برق اُس روشنی کو کہتے ہیں جو ہواؤں کی رگڑ کی وجہ سے بادلوں میں چمکتی ہے اور برق کے ظہور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے، کیونکہ بادل پانی کے مرطوب اجزاء اور اجزاءِ ہوائیہ سے مرکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے برق پیدا کرتا ہے، جو اجزاءِ ناریہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ پانی سرد اور مرطوب ہے اور آگ گرم اور خشک ہے، اور سرد اور مرطوب گرم اور خشک کی ضد ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب وغریب شاہکار ہے۔ اور اُس کے سوا اور کوئی اِس پر قادر نہیں، کہ ایک ضد سے دوسری ضد کو وجود میں لائے۔

جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں، تو کسانوں کو بارش کی امید ہوتی اور یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ کہیں ان پر بجلی نہ گر جائے اور ان کو جلا کر خاکستر کر دے۔ اِسی طرح کبھی بارش سے لوگوں کو اپنی فصلوں کی نشو ونما اور نفع کی امید ہوتی ہے اور اُسی بارش سے بعض لوگوں کو نقصان اور ضرر پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے، بلکہ ہر حادثہ ہونے والی چیز کا یہی حال ہے۔ بعض لوگوں کو

اس سے کسی نفع کی توقع ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو اس سے کسی ضرر کا خطرہ ہوتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ ہی بجلی دکھاتا ہے (اور) وہی (اٹھاتا ہے) ہواؤں میں (بادل بھاری بھاری) پانی سے بھرے ہوئے۔

وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اور گرج اُس کی پاکی ظاہر کرتی ہے حمد کے ساتھ، اور فرشتے اُس کے ڈر سے۔ اور بھیجتا ہے کڑک کو،

فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

پھر پہنچا دیتا ہے اُس کو جس کو چاہے۔ اور وہ لوگ تو جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ سخت گرفت والا ہے ●

(اور گرج اس کی پاکی ظاہر کرتی ہے حمد کے ساتھ) یعنی بادلوں پر معین فرشتہ رعد اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہتا ہے (اور) دوسرے (فرشتے اس کے ڈر سے) حمد وتسبیح کرتے ہیں (اور بھیجتا ہے کڑک کو) یعنی اَبر سے گرنے والی بجلیوں کو، (پھر پہنچا دیتا ہے اس کو) اربد بن ربیعہ تک۔۔یا۔۔نبی کریم کی بارگاہ میں موشگافی کرنے والے یہودی تک، جس نے حضور سے سوال کیا تھا کہ اے ابوالقاسم تو ہمیں بتا کہ تیرا خدا کس چیز کا ہے؟ موتی کا ہے۔یا۔زمرد کا۔یا۔قوت کا۔یا۔سونے کا۔فوراً غضب الٰہی کے اَبر سے بجلی گری اور اُس یہودی کو جلا دیا۔۔یا۔۔انہی جیسوں میں سے کسی تک (جس کو چاہے) اور جب چاہے۔ (اور) اس حال میں جب کہ (وہ لوگ تو جھگڑتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں) کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔قہرِ خداوندی کی بجلی گرتی ہے اور وہ خاکستر ہو جاتے ہیں۔

خدا کے تعلق سے کافروں کا جھگڑا یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ خدائے تعالیٰ کے جو اوصاف بیان فرماتے ہیں، کہ وہ علم والا ہے، صاحبِ قدرت ہے، اکیلا معبودِ برحق ہے، تو کافر اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ (حالانکہ وہ) معبودِ برحق (سخت گرفت والا ہے) اور سخت عذاب کرنے والا ہے ان جھگڑا کرنے والوں پر۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ

اُسی کے لیے ہے حق کی دُعا پکار۔ اور جو لوگ پکارتے ہیں اُس کو چھوڑ کر فرضیوں کو، تو وہ نہیں جواب دیتے

لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ

انہیں کچھ، مگر جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلی پھیلائے پانی کی طرف، کہ وہ منہ میں پہنچ جائے، اور وہ پہنچنے والا نہیں۔

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اور نہیں ہے کافروں کی دُعا، مگر بھٹکتی بہکتی ●

(اُسی کے لیے ہے حق کی دُعا پکار) یعنی پکارنا حق کی طرف کہ وہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔۔یا۔۔ اُسی کو سزاوار ہے کہ اپنی عبادت کی طرف پکارے۔۔یا۔۔اُسی کے واسطے ہے دُعا قبول کی ہوئی یعنی جب اُسے پکارتے ہیں تو وہ قبول کرتا ہے۔ (اور جو لوگ پکارتے ہیں اس کو چھوڑ کر فرضیوں کو) اپنا معبود اور اپنا حقیقی حاجت روا و فریادرس سمجھ کر۔۔الحاصل۔۔بتوں کو جو مشرک پکارتے ہیں (تو وہ نہیں جواب دیتے انہیں کچھ) اور نہیں قبول کرتے ان کے واسطے کوئی چیز ان کی مرادوں میں سے، یعنی ان کی کسی بھی مراد کو پورا کرنے کی ذاتی اور مستقل بالذات قوت نہیں رکھتے، (مگر جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلی پھیلائے پانی کی طرف کہ وہ منہ میں پہنچ جائے، اور وہ پہنچنے والا نہیں) یعنی بتوں کا بھی اپنے پکارنے والوں کے ساتھ یہی حال ہے، جیسے کوئی پیاسا کنویں پر آئے اور اس کے پاس ڈول اور رسی نہ ہو، اپنے دونوں ہاتھ کنویں کی طرف پھیلا دے اور رو کر پانی کو پکارے تا کہ وہ اس کے منہ میں پہنچ جائے، تو ایسا ہونے والا نہیں۔

اس واسطے کہ پانی بے حس پکارنے والے کو جانتا ہی نہیں، اور یہ قدرت اس میں نہیں کہ اس پکارنے والے کی پکار کا جواب دے اور قبول کرے۔ وہ اپنی طبیعت کے خلاف مرکز سے محیط کی طرف حرکت کر ہی نہیں سکتا۔۔المختصر۔۔بے حس بتوں کو پکارنا اور بے حس کنویں کے پانی کو پکارنا نتیجے کے لحاظ سے دونوں ایک ہی طرح ہیں۔ نہ بت سننے والے نہ پانی منہ تک آنے والا۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ (نہیں ہے کافروں کی دُعا مگر بھٹکتی بہکتی) گمراہی اور بطلان اور ناامیدی اور ضائع ہونے میں۔ تو زمین و آسمان میں موجود مظاہرِ قدرت کو سجدہ کرنے والو سن لو!۔۔۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا

اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، بخوشی و بہ مجبوری،

وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدۃ

اور اُن کے سائے صبح و شام ●

(اور) یاد رکھو! کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، بخوشی و بجبوری)۔ بخوشی سجدہ کرنے والے مسلمان ہیں، جو راحت اور مصیبت میں فرمانبردار ہیں

اور سجدہ کرتے ہیں اور کراہت اور بے دلی کے ساتھ سجدہ کرنے والے کافر ہیں، جو مصیبت کے وقت بہ ضرورت سجدہ کرتے ہیں۔ (اور) سجدہ کرتے ہیں (ان) اہل زمین اور اہل آسمان (کے سائے صبح و شام) یعنی صبح سے شام تک ہمیشہ۔ خاص کر کے صبح و شام کا ذکر صرف اس لیے ہے کہ اس وقت سایوں کا پھیلنا خوب ظاہر ہو جاتا ہے۔

قرآنی سجدوں میں سے یہ دوسرا سجدہ ہے۔ اِس سجدہ کو 'سجود الظلال' اور 'سجود الانعام' بھی کہا گیا ہے۔ بندے کو یہ بات لازم ہے کہ اس خبر میں خدا کو سچا جان کر اُس کو سجدہ کرے۔ اس آیت کے اسرار میں سے ایک یہ ہے کہ ہر حادث کا سایہ ہے اور وہ سایہ خدا کو سجدہ کرنے والا ہے اور ہر حال میں اس کی عبادت پر قائم ہے خواہ وہ حادث مطیع ہو، خواہ عاصی۔ اگر وہ حادث اپنے سایے کے ساتھ اس سجدے میں موافق ہے، تو دونوں ایک ہی ہیں اور اگر مخالف ہیں، تو اُس کا سایہ اُس عبادت میں اس کا قائم مقام ہے۔ گو سایہ کا سجدہ قائم مقام ہونے کے باوجود سایہ والے کے لیے کافی نہیں، لیکن اس قائم مقامی سے اتنا تو ظاہر ہو گیا کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ 'طوع' اور 'رغبت' ان لوگوں کی صفت ہے، جن کے دلوں کی زمین میں عنایت الٰہی نے ایمان کا درخت لگا دیا ہے۔ اور دل میں نفرت اور کراہت ہونا ان لوگوں کی خاصیت ہے، کہ قہر لم یزلی نے بے نصیبی کا بیج ان کے دل کے کھیت میں جما دیا ہے۔

آیت زیر تفسیر میں اگر سجدہ سے مراد اطاعت و تذلل ہو، تو حاصل ارشاد یہ ہوگا، کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لیے مسخر ہے۔ سورج چاند اور ستاروں کا طلوع و غروب، سیاروں کی گردش، پہاڑوں کا جمود، دریاؤں اور سمندروں کی روانی، غرض کائنات کی ہر چیز جو کچھ کر رہی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے نظام کے تابع ہو کر کر رہی ہے۔ انسان کی نبض کی رفتار، دل کی دھڑکن، اعضاء انہضام کی کارکردگی، یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اب رہ گیا **طَوْعًا** اور **كَرْهًا** فرمانا، تو یہ اس لیے ہے کہ ظاہر ہو جائے کہ بعض کام انسان خوشی سے کرتا ہے اور بعض کام ناخوشی سے کرتا ہے۔۔ مثلاً: حکومت انسان خوشی سے کرتا ہے اور معمولی ملازمت ناخوشی سے۔ کوئی خوشی سے حضورِ قلب کے ساتھ عبادت کرتا ہے تو کوئی ناخوشی سے بغیر حضورِ قلب عبادت کرتا ہے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ

سوال کرو" کہ کون پالنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا؟" جواب بھی بتادو، کہ "اللہ"۔ پوچھو، تو کیا تم نے بنالیا اُس کو چھوڑ کر مقابلہ کے مددگار،

اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

جو نہیں مالک ہیں خود اپنے نفع ونقصان کے"۔ پوچھو، کہ "کیا برابر ہیں اندھے اور انکھیارے؟ یا کیا برابر ہیں تاریکیاں

وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا

اور اُجالا؟ یا بنالیا ہے اللہ کے کئی شریک، جنہوں نے پیدا کیا، مثل پیدا کرنے اللہ کے، تو مل جُل گئی

كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

دونوں کی بناوٹ اِن کے طور پر"۔ تم کہہ دو، "کہ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے،

وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾

اور وہی اکیلا سب پر غالب ہے"●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہے یعنی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کے احکام کی اطاعت کررہی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور طریقے سے بُت پرستوں کے مشرکانہ خیالات کا بطلان ظاہر فرمایا، کہ اَے محبوب! آپ ان سے۔۔۔

(سوال کرو، کہ کون پالنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا؟) یعنی ان کا خالق و مالک و مربی کون ہے؟ اور پھر ان کے بولنے سے پہلے ہی اس کا صحیح ودرست اور حقیقت پر مبنی **(جواب بھی بتادو، کہ اللہ)** تعالیٰ۔ اس واسطے کہ ان کے پاس بھی اس کے سوا اور کوئی جواب ہی نہیں۔ اور جب ان کا جواب یہی ہو، تو انہیں الزام دو۔ اور **(پوچھو تو کیا تم نے بنالیا اس کو چھوڑ کر مقابلہ کے مددگار جو نہیں مالک ہیں خود اپنے نفع ونقصان کے)** یعنی جب تم یہ جانتے ہو کہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا خدا ہے، تو اس کے غیر کو کیوں پوجتے ہو اور خدا کے مدِمقابل ان کو اپنا دوست قرار دیتے ہو؟

ان سے **(پوچھو کہ کیا برابر ہیں اندھے اور انکھیارے؟)** بت پرستوں کی مثال اندھوں جیسی ہے اور خدا کی عبادت کرنے والوں کی مثال آنکھ والوں جیسی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک طرح نہیں۔ **(یا) پوچھو کہ (کیا برابر ہیں)** شرک وانکار کی **(تاریکیاں اور)** نورِ توحید اور معرفتِ پروردگار کا

(اُجالا ۔۔یا۔۔بنالیا ہے) کافروں نے (اللہ) تعالیٰ (کے کئی شریک جنہوں نے پیدا کیا مثل پیدا کرنے اللہ) تعالیٰ (کے،تو مل جُل گئی دونوں کی بناوٹ ان کے طور پر) ۔تو انہوں نے نہ جانا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کون ہے اور شریکوں کا پیدا کیا ہوا کون ؟

حاصل کلام یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے واسطے ایسے شریک نہیں پیدا کیے ہیں جو خدا کے مثل پیدا کرنے والے ہوں، اور اُن مشرکین پر کام مشتبہ ہوا اور کہیں کہ جس طرح خدا پیدا کرتا ہے اُسی طرح یہ بھی پیدا کرتے ہیں،تو جس طرح حق تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اُسی طرح یہ بھی مستحق ہیں۔(تم کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (ہر چیز کا بنانے والا ہے) ۔ پیدا کرنے میں وہ کوئی شریک نہیں رکھتا کہ عبادت میں بھی وہ اُس کا شریک ہو۔ (اور وہی اکیلا) اپنی الوہیت والٰہیت میں اور (سب پر غالب ہے) کوئی بھی اس سے برتر وبالا نہیں۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ

برسایا بلندی سے پانی،تو بہنے لگے نالے اپنی وسعت بھر۔پھر اچھالا بہاؤ نے

زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ

بڑھی چڑھی جھاگ۔اور وہ، جسے دہکاتے ہیں آگ میں، خواہش میں گہنا، یا سامان کے جھاگ ہے،

زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ

اُسی کے مثل۔اس طرح ضرب المثل فرماتا ہے اللہ،حق وباطل کی۔۔پس جھاگ

فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ

تو دُور ہو جاتی ہے بیکار ہو کر،اور جو لوگوں کے لیے مفید ہے وہ رہ جاتی ہے زمین میں۔

كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ﴿۱۷﴾

اس طرح ضرب المثل بیان کرتا ہے اللہ●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر اور ایمان اور کفر کو نابینا اور بینا اور اندھیرے اور روشنی سے تشبیہہ دی تھی۔ اِس آیت میں ایمان وکفر کی ایک اور مثال دی ہے۔اس میں پانی اور جھاگ کا ذکر فرمایا کہ وادیوں میں پانی بہتا ہے اور وہ پانی وادیوں کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے کم اور زیادہ ہوتا ہے اور اس میں جو خس وخاشاک ہوتا ہے

وہ جھاگ اور بلبلوں کی صورت پانی کی سطح پر ظاہر ہوتا ہے اور بہت جلد فنا ہو جاتا ہے۔اسی طرح جب سونے، چاندی، پیتل اور دیگر معدنیات کو پگھلایا جاتا ہے، تو اُن کا میل کچیل، ان کی مائع سطح پر جھاگ اور بلبلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور جلد زائل ہو جاتا ہے۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی، جلالت اور آسمان سے رحمت کا پانی نازل فرمایا جو قرآنِ مجید ہے اور یہ پانی بندوں کے دلوں کی وادیوں میں نازل فرمایا۔قرآنِ مجید کو پانی کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ پانی حیاتِ دنیاوی کا سبب ہے اور قرآن مجید اخروی حیات کا سبب ہے۔اور وادیوں کو بندوں کے دلوں کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ جس طرح وادیوں میں پانی مستقر ہوتا ہے اُسی طرح بندوں کے دلوں میں انوارِ قرآن اور مضامین قرآن جگہ پاتے ہیں اور جس طرح بعض وادیاں تنگ ہوتی ہیں اور بعض کشادہ، اور ان کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے ان میں پانی ہوتا ہے، اُسی طرح دلوں کی پاکیزگی اور ان کی نجاست اور ان کی قوتِ فہم کی زیادتی اور کمی کے اعتبار سے ان میں قرآنِ مجید کے مضامین اور انوار کم یا زیادہ ہوتے ہیں۔اور جس طرح پانی اور پگھلے ہوئے معدنیات کی مائع سطح پر خس وخاشاک اور ان کا میل کچیل جھاگ کی صورت میں ان کی سطح پر آجاتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے، اُسی طرح قرآن مجید کے مضامین میں جو شکوک وشبہات ہوتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور علماء ربانیین کے بیانات سے جلد زائل ہو جاتے ہیں، اور عقائد اور احکام شرعیہ کی تصریحات اور ہدایات اور علمی نکات باقی رہ جاتے ہیں۔۔الحاصل۔۔

(**برسایا**) **اللہ تعالیٰ نے** (**بلندی سے پانی، تو بہنے لگے نالے اپنی وسعت بھر**) یعنی ہر نالے نے اپنی مقدار پر چھٹائی، بڑائی، تنگی، کشادگی کے ساتھ پانی لے لیا۔۔یا۔۔اُس اندازے پر جو خدا نے مقرر کر دیا ہے، کہ وہ نفع پہنچائے نقصان نہ کرے۔(**پھر اُچھالا بہاؤ نے بڑھی چڑھی جھاگ**) یعنی پانی اپنے اوپر پھین لایا (**اور**) یوں ہی (**وہ**) معدنیات یعنی سونا، چاندی، پیتل وغیرہ (**جسے دہکاتے ہیں آگ میں، خواہش میں گہنا**) زیور (**یا**) دیگر (**سامان کے**) یعنی لڑائی اور کھیتی کے اسباب وآلات کے واسطے۔تو ان معدنیات کو پگھلانے کے بعد اس میں بھی (**جھاگ**) اوپری سطح پر آجاتی (**ہے اُسی کے مثل**) یعنی پھین ہے ویسا ہی جیسا پانی پر ہے۔

(**اِسی طرح ضرب المثل فرماتا ہے اللہ**) تعالیٰ (**حق و باطل کی**) یعنی حق تعالیٰ حق بات کو فائدے اور ثبات میں پانی سے تشبیہ دیتا ہے، جو خلق کی منفعتوں کے واسطے آسمان سے برستا ہے۔۔اور

۔۔آگ میں پگھل جانے والے معدنیات یعنی سونا، چاندی وغیرہ کے ساتھ بھی تمثیل دیتا ہے، کہ زیور اور مختلف اسباب کے واسطے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔اور کلام باطل کو فائدے میں کمی اور جلد زائل ہو جانے میں اس جھاگ کے ساتھ مثال دیتا ہے، جو پانی اور پگھلے ہوئے معدنیات کے اوپر ہوتا ہے۔

(پس جھاگ تو دُور ہو جاتی ہے بیکار ہو کر اور جو لوگوں کے لیے مفید ہے، وہ رہ جاتی ہے زمین میں) ۔۔مثلاً: بیج وغیرہ۔۔یا۔۔معدنیات کا کارآمد حصہ صاف ستھرا ہو کر باقی رہتا ہے **(اس طرح ضرب المثل بیان کرتا ہے اللہ)** تعالیٰ، تاکہ اربابِ بصیرت اس میں غور و فکر کریں اور اس سے ہدایت حاصل کریں۔۔المختصر۔۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰىؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ

جنہوں نے قبول کرلیا اپنے پروردگار کے پیغام کو ان کی نجات اچھی ہے۔۔۔اور جنہوں نے نہیں قبول کیا اِسے، اگر اُن کا

لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ

ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے سب، اور اُس کے ساتھ اِس کے برابر اور ملا کر صدقہ کر دیتے سب کو، تو بھی وہی ہیں جن کے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

لیے بُرا حساب ہے۔۔۔اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔اور کتنا بُرا بچھونا ہے●

(جنہوں نے قبول کرلیا اپنے پروردگار کے پیغام کو، اُن کی نجات اچھی ہے) اور ان کا بدلہ جنت ہے۔ **(اور جنہوں نے نہیں قبول کیا اُسے)** اور حکمِ الٰہی کو تسلیم نہیں کیا، **(اگر)** بالفرض **(اُن کا ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے سب)** یعنی یہ لوگ زمین کے سارے خزانوں کے مالک ہو جاتے **(اور)** مزید براں **(اُس کے ساتھ اُس کے برابر اور ملا کر صدقہ کر دیتے سب کو)**، تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں **(تو بھی وہی ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے)**۔نہ تو ان کی ظاہری نیکیاں قبول کی جائیں گی اور نہ ہی ان کی بُرائیاں بخشی جائیں گی، **(اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے)** جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔یہ کتنی بڑی سزا ہے **(اور کتنا بُرا بچھونا ہے)**۔

اب اگلی آیت میں بھی پہلی تشبیہ اور مثال کی طرف اشارہ ہے کہ کسی چیز کا عالِم 'بینا' کی منزل میں ہے اور کسی چیز کا جاہل بمنزلہ 'نابینا' ہے۔اور نابینا، بینا کی طرح نہیں، کیونکہ نابینا جب کسی بینا کے بغیر کسی راستے پر جائے گا، تو ہو سکتا ہے کہ وہ گڑھے، کنویں یا کسی کھلے ہوئے گٹر میں گر جائے۔۔یا۔۔کسی اور ہلاکت کا شکار ہو جائے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ط

توکیا جو جانتا ہے کہ جو کچھ نازل فرمایا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے ٹھیک درست ہے، ایسا ہے، جیسے کوئی اندھا؟

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾

نصیحت قبول کرتے ہیں صرف عقل والے●

(توکیا جو) حمزہ بن عبدالمطلب کی طرح (جانتا ہے کہ جو کچھ نازل فرمایا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے) وہ حق وصحیح اور (ٹھیک درست ہے)، وہ (ایسا ہے جیسے) ابوجہل کی طرح (کوئی اندھا؟)۔ سچ ہے کہ قرآنِ کریم کی ہدایات سے (نصیحت قبول کرتے ہیں صرف عقل والے) جن کی عقلیں بے جا وہم وخیال اور باطل انکار واختلاف سے مصفّٰی ومجلّٰی ہیں اور۔۔۔

الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾

جو پورا کریں اللہ کے عہد کو، اور نہ توڑیں معاہدہ کو●

(جو پورا کریں اللہ) تعالیٰ (کے عہد کو) جو انہوں نے روزِ میثاق باندھا ہے (اور نہ توڑیں معاہدہ کو) خواہ وہ یوم میثاق کا پختہ عہد ہو۔۔یا۔۔کلمۂ اسلام پڑھ کر خداوندی اوامر کی بجا آوری اور اس کے نواہی سے اجتناب کا عہد ہو۔۔یا۔۔آنحضرت ﷺ کی رسالت کو مان کر آپ کی اطاعت واتباع کا عہد ہو۔۔۔

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

اور جو ملائیں جس کا حکم دیا اللہ نے کہ ملایا جائے، اور ڈریں اپنے پروردگار کو،

وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾

اور خوف کھائیں حساب کے انجام بد کا●

(اور جو ملائیں جس کا حکم دیا اللہ) تعالیٰ (نے کہ ملایا جائے) یعنی رشتہ رشتہ داروں سے۔۔یا۔۔ایمان سب کتابوں اور رسولوں کے ساتھ، ان میں بغیر فرق کیے ہوئے، (اور ڈریں اپنے پروردگار) کے عذاب (کو اور خوف کھائیں حساب کے انجام بدکا)، یعنی روزِ حساب کی سختی سے ڈریں۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا

اور جنہوں نے صبر کیا اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے، اور پابندی کی نماز کی، اور خرچ کیا

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں، چھپا کر اور سب کے سامنے، اور جو ٹال دیتے ہیں بُرائی کو بھلائی کرنے سے،

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

وہ ہیں، کہ انہیں کے لیے ہے گھر کا انجام خیر ●

(**اور جنہوں نے صبر کیا**) نفس کی مکروہ باتوں اور اس کی خواہشوں کی مخالفت پر۔۔یا۔۔ جہاد پر (**اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے اور پابندی کی نماز کی**)، یعنی فرض نماز ہمیشہ کماحقہٗ ادا کرتے رہے (**اور خرچ کیا جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں**) مال و دولت، (**چھپا کر**) اگر نفلی صدقہ دے رہا ہے، (**اور سب کے سامنے**) اگر زکوٰۃ ادا کر رہا ہو۔۔یا۔۔ جو زکوٰۃ امام اور عاملین کو دی جاتی ہے، وہ علانیہ ادا کرے اور جو وہ خود ادا کرتا ہے، وہ پوشیدہ طور پر دے، تاکہ زکوٰۃ لینے والے کو عار محسوس نہ ہو اور دینے والے کا اخلاص بھی قائم رہے، (**اور جو ٹال دیتے ہیں بُرائی کو بھلائی کرنے سے**) یعنی جو شر کو خیر سے دور کرتے ہیں، بدی کو نیکی سے دور کرتے ہیں، بے حیائی کی باتوں کو سلام کہہ کر دور کرتے ہیں، ظلم کو عفو کے ساتھ دور کرتے ہیں، گناہ کو توبہ سے دور کرتے ہیں، اور شرک کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت سے دور کرتے ہیں، (**وہ ہیں کہ انہیں کے لیے ہے گھر کا انجام خیر**) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آخرت میں وہ جزا کیا ہے؟ تحفہ۔۔۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

سدا بہار باغوں کا، جس میں وہ داخل ہوں گے۔ اور جو لائق ہوئے، اُن کے باپ دادے، اور اُن کی بیویاں،

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

اور اُن کی اولاد، اور فرشتے داخل ہوں گے اُن کی خدمتوں پر، ہر دروازہ سے ●

(**سدا بہار باغوں کا جس میں وہ داخل ہوں گے اور**) ان کی خوشی اور قلبی مسرت کے لیے ان کو بھی رہنے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا جائے گا (**جو لائق ہوئے ان کے باپ دادے اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد**)۔

۔۔الغرض۔۔ان سے نسبی تعلق رکھنے والا وہ شخص جو ایمان اور اطاعت سے آراستہ ہوگا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کے ساتھ جنت میں اکٹھا رہے گا۔اور ظاہر ہے کہ اپنوں کے درمیان رہنے سے سبھی کو خوشی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ بھی بعید نہیں کہ جنت میں کسی نیچے درجے میں رہنے والے جنتی کو اس کے اوپری درجے میں رہنے والے جنتی باپ دادوں کے قریب کردے، تا کہ ان باپ دادوں کا اکرام بھی ہو اور انہیں اپنے بچوں کے ساتھ رہنے میں خوشی بھی ہو۔۔یوں ہی۔۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ بھی بعید نہیں کہ جنت میں مقامات اور مراتب کے تفاوت کے باوجود جنتی شوہروں کو ان کی جنتی بیویوں۔۔یا۔۔جنتی بیویوں کو ان کے جنتی شوہروں کے ساتھ اکٹھا کردے۔

(اور) جنت میں رہنے والوں کی شان یہ ہوگی، کہ (فرشتے داخل ہوں گے ان کی خدمتوں پر) ان کے مکانوں کے دروازوں میں سے (ہر دروازہ سے)۔دنیا کے رات دن کی مقدار میں فرشتے ان کے پاس تین بار آئیں گے اور انہیں خوشخبری سنائیں گے۔۔۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ

یوں کہ سلامتی ہے تم پر، جو تم نے صبر کیا۔تو کتنا اچھا ہے گھر کا انجام خیر ● اور جو توڑ ڈالیں

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ

اللہ کے عہد کو اُس کو مضبوط کرلینے کے بعد، اور کاٹ دیں جس کو حکم دیا اللہ نے ملانے کا،

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

اور فساد مچائیں زمین میں، وہ ہیں کہ انہیں کے لیے لعنت ہے، اور اُن کے لیے ہے گھر کا برا ہونا ●

(یوں کہ سلامتی ہو تم پر) یعنی تم ہمیشہ سلامت رہو گے، بہ سبب اس کے (جو تم نے صبر کیا) دنیا میں فقیری اور دنیاوی آزمائشوں میں۔(تو کتنا اچھا ہے) اس (گھر کا انجام خیر) جو انہوں نے پایا۔

(اور) ان نکوکاروں اور صالحین کے برخلاف وہ لوگ (جو توڑ ڈالیں اللہ) تعالیٰ (کے عہد کو) یعنی عہد و پیمان خدا سے جو انہوں نے کیا ہے اُس عہد کو، (اُس کو مضبوط کر لینے کے بعد) یعنی مکمل طور پر اقرار و قبول کر چکنے کے بعد (اور کاٹ دیں) اس کو (جس کو حکم دیا اللہ) تعالیٰ (نے ملانے کا) یعنی رشتہ داری کا حق نہ بجالائیں۔۔یا۔۔سب کتابوں اور رسولوں پر ایمان نہ لائیں (اور) مزید برآں (فساد

مچائیں زمین میں) کفر وظلم اور گناہ کے سبب یا فتنہ انگیزی کر کے، تو یہ لوگ (وہ ہیں کہ انہیں کے لیے لعنت ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے (اور ان کے لیے ہے) دنیا وآخرت کے (گھر) کے انجام (کا بُرا ہونا)۔ دنیا میں بھی ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ہلاکت ہے۔

دنیا میں کافروں کی بظاہر خوشحالی دراصل ان کی شدید آزمائش ہے۔ اس طرح خدا انہیں ڈھیل دیتا ہے، تاکہ کفر کے علاوہ اس بے تحاشہ مال ودولت کا شکرانہ ادا نہ کرنے اور اس کو ناجائز مصارف میں خرچ کرنے کا بھی انہیں مزید عذاب دیا جائے۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، اس کے ٹھاٹ باٹ، زیب وزینت، اُس کی شان وشوکت اور اس کے عیش وآرام کی خاطر اپنی جانوں کو گھلانا اور کھپانا نہیں چاہیے۔ یہ کافروں کا حصہ ہے اس لیے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور مسلمانوں کو چونکہ آخرت میں دائمی نعمتیں ملیں گی اس لیے ان کو دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ کافروں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہونا ہی، ان کے رحمتِ الٰہی سے دور ہونے کی روشن دلیل ہے۔ رہ گیا دُنیا میں رزق کے تعلق سے خدائی اُصول، تو بے شک۔۔۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

اللہ کشادہ فرماتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے، اور وہی تنگ کرتا ہے۔ اور عوام تو مگن رہے دنیاوی زندگی میں،

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع ۹/۸

حالانکہ نہیں ہے دنیاوی زندگی آخرت، مگر چند دن کا ٹھہرنا●

(اللہ) تعالیٰ (کشادہ فرماتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے اور وہی تنگ کرتا ہے) جس کے لیے چاہتا ہے (اور عوام) بالخصوص اہل مکہ (تو مگن رہے دنیاوی زندگی) کے عیش وآرام (میں، حالانکہ نہیں ہے دنیاوی زندگی آخرت) کے مقابل میں، (مگر چند دن کا ٹھہرنا) جس میں تھوڑی ہی فائدہ مندی حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ بھی ایسی پونجی جس میں دوام اور بقا نہیں۔ کافروں کی دنیا میں بھی اللہ کی رحمت خاص سے دوری کا یہ عالم ہے، کہ ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں اور ان کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں، جبھی تو نبی کریم کے معجزۂ قرآنی پیش کر دینے کے باوجود ازراہِ جہل وعناد کہتے ہیں۔۔۔

وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ‌ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ

اور بکتے ہیں جنھوں نے انکار کو پیشہ بنالیا، کہ "کیوں نہیں اتاری جاتی ان نبی پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی؟" جواب دے دو،

يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ اَنَابَ ۖۚ ﴿۲۷﴾

"کہ حقیقت یہ ہے اللہ بے راہ رکھے جس کو چاہے، اور اپنی راہ پر لاتا ہے جو اس کی طرف لوٹا" ●

(**اور بکتے ہیں جنھوں نے انکار کو پیشہ بنالیا کہ کیوں نہیں اتاری جاتی ان نبی پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی**) یعنی ایسی نشانی جو ہم چاہتے ہیں، جس کا اعجاز بالکل ظاہر اور بدیہی ہو، جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات۔ تو اَے محبوب! ان کو (**جواب دے دو، کہ حقیقت یہ ہے اللہ**) تعالیٰ (**بے راہ رکھے جس کو چاہے**)۔ ایسے لوگ ہزاروں معجزات دیکھنے کے بعد بھی گمراہ ہی رہنے والے ہیں۔ ماننے کے لیے ایک ہی معجزہ کافی ہے، لیکن اگر کوئی نہ ماننے ہی کی ضد کرلے، تو اس کے حق میں ہزار معجزات بھی ناکافی ہیں۔ (**اور اپنی راہ پر لاتا ہے جو اُس کی طرف لوٹا**) یعنی جو اس کی طرف رجوع ہونے کے ارادے کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں؟۔۔۔

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَتَطۡمَٮِٕنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ‌ ؕ

جو لوگ سب مان گئے، اور اُن کے دل چین پاتے ہیں اللہ کے ذکر سے،

اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَٮِٕنُّ الۡقُلُوۡبُ ﴿۲۸﴾

یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے چین پاجاتے ہیں دل ●

(**جو لوگ سب مان گئے**) یعنی نبی کریم اور آپ کے جملہ ارشادات کو دل سے تسلیم کرلیا (**اور**) ان کی شان یہ ہے، کہ (**اُن کے دل چین پاتے ہیں اللہ**) تعالیٰ (**کے ذکر سے**)، یعنی جب ذکرِ الٰہی سنتے ہیں، تو اس سے اُنس کرتے ہیں اور تسکین وآرام پاتے ہیں۔۔یا۔۔ان کے دل خدا کی توحید کے ساتھ مطمئن ہیں۔۔یا۔۔اس کی رحمت کے ذکر سے۔۔یا۔۔اس کے کلام سے جو سب معجزوں سے زیادہ قوی ہے، انہیں سکون ملتا ہے۔

حضرت ابن عیینہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے منقول ہے، کہ ذکر سے جناب رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں، کہ آپ کے سبب سے مسلمانوں کے دل آرام میں ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ یہ حقیقت ہے جسے (یادرکھو، کہ اللہ) تعالیٰ (کے ذکر سے چین پاجاتے ہیں دل) مومنوں کے۔

ایک قول کے مطابق یہاں مومنین سے مراد عہدِ رسالت کے مومنین یعنی صحابہ کرام ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ عوام کے دل کو آرام تسبیح وثناء سے ہے، اور خواص کے دل کو اطمینان صفاتِ اعلیٰ سے، اور علمائے ربانی کے دل کو آرام حقائق اسماءِ حسنیٰ سے، مگر موحدوں کے دل کو چین نہیں ہے بے مشاہدۂ لقا کے، اور یہی مقصدِ اعلیٰ ہے۔۔الختصر۔۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

جولوگ سب مان گئے اور نیک کام کیے، خوشخبری ہے اُن کے لیے اور انجام کی خیریت●

(جولوگ سب مان گئے اور نیک کام کیے) خوبتر زندگی کی (خوشخبری ہے ان کے لیے اور انجام کی خیریت) ہے ان کے واسطے ۔۔الغرض۔۔ خوش خرمی، راحت، فرحت، نعمت اور خوشحالی کی انہیں بشارت ہے۔

ایک مشہور بات یہ بھی ہے کہ طُوْبٰى جنت میں ایک درخت کا نام ہے، اس کی جڑ آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنتی مکان میں ہے اور کوئی کھڑکی ۔۔یا۔۔ محل ایسا نہیں جہاں اس درخت کی شاخ نہ ہو۔ دو چشمے سلسبیل اور کافور اس کے نیچے سے جاری ہیں۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ

اسی طرح رسول بنایا ہم نے تمہیں ایسی امت میں، کہ بے شک ہوگزری ہیں ان سے پہلے

عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ هُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ

کئی امتیں، تاکہ تلاوت کرواُن پر جووحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف، اور وہ لوگ انکار کررہے ہیں رحمان کا۔

قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

تم جتادو، کہ "وہی میرا پروردگار ہے، نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے"●

اَے محبوب! جس طرح تجھ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں، (اُسی طرح رسول بنایا ہم نے تمہیں ایسی امت میں کہ بے شک ہوگزری ہیں ان سے پہلے کئی امتیں تاکہ تلاوت کروان پر جووحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف، اور وہ لوگ) یعنی مکہ کے مشرکین لوگ (انکار کررہے ہیں رحمان کا) اس

واسطے کہ اُن سے جب مسلمانوں نے کہا سجدہ کرو رحمٰن کو، تو وہ بولے رحمٰن کون ہے؟

صلح حدیبیہ میں بھی جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو 'بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'، تو سہیل بن عمرو بولا، کہ ہم نہیں جانتے کہ 'رحمٰن' کیا ہے۔

تو اَے محبوب! (تم جتادو کہ) جس کو ہم 'رحمٰن' کے نام سے یاد کرتے ہیں (وہی میرا پروردگار ہے، نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے) اے محبوب! منکروں کا یہ کہنا، کہ اَے محمد ﷺ 'اگر تم چاہتے ہو کہ قرآن میں ہم تمہاری پیروی کریں، تو مکے کے گرد سے پہاڑ کو اکھاڑ دو کہ زمین ہمارے لیے کشادہ ہو جائے اور زمین کو پھاڑ دو کہ اس میں سے چشمے اور نہریں جاری ہوں اور ہم زراعت کریں اور قُصی بن کلاب کو ہمارے باپوں سمیت زندہ کرو، کہ تمہارے باب میں ہم سے کلام کریں۔۔ الحاصل۔۔ قرآن کریم کے ذریعہ یہ سارے معجزات ظاہر کرو۔

اگرچہ قرآن کریم جو اعجاز کے مرتبہ کمال پر ہے، اُس سے باذن اللہ یہ سارے امور انجام دیے جاسکتے تھے، مگر سچی بات۔۔۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ

اور وہ منکر ہی رہتے، گو بلاشبہ قرآن، ٹال دیے جاتے اس کے ذریعہ سے پہاڑ یا چیتھڑے کردی جاتی زمین اُس سے، یا بات چیت

الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ اَفَلَمْ یَایْــٴَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

کرادی جاتی اُس کے وسیلہ سے مُردوں سے۔ بلکہ اللہ ہی کے لیے ہے سارا اختیار۔ تو کیا نہیں ناامید ہوئے جو ایمان لاچکے،

اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اس بات سے کہ اگر اللہ چاہتا، تو سب لوگوں کو راہ دے دیتا۔ اور ہمیشہ انہیں جو کافر ہیں،

تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى یَاْتِیَ

پہنچتی رہے گی ان کے کیے کرتوت کی وجہ سے دھمکی، یا اُترے گی اُن کے گھروں سے نزدیک، یہاں تک کہ آجائے

وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع

اللہ کا وعدہ۔ بے شک اللہ نہیں خلاف فرماتا وعدہ کا●

(اور) حقیقتِ حال یہ ہے کہ (وہ) تو (منکر ہی رہتے، گو بلاشبہ قرآن، ٹال دیے جاتے اس کے ذریعہ سے پہاڑ یا چیتھڑے کردی جاتی زمین اس سے، یا بات چیت کرادی جاتی اس کے وسیلے

سے مُردوں سے)۔۔الغرض۔۔وہ کسی حال میں بھی اپنے انکار سے باز آنے والے نہیں۔ان پر کیسا بھی معجزہ ظاہر کردیا جائے وہ ماننے والے نہیں۔

اِسی لیے نبی کریم نے دعویٰ نہیں فرمایا کہ قرآن۔۔یا۔۔میرے کلام سے ایسا ایسا ہوسکتا ہے۔بلکہ نبی کریم نے ان کا مطلوبہ اور فرمائشی معجزہ نہ دکھا کر انہیں ہلاکت اور عذابِ الٰہی سے بچالیا، اس لیے کہ وہ معجزہ دیکھ کر بھی انکار ہی کرتے اور پھر سنتِ الٰہیہ کے مطابق ایک تباہ کن عذاب کا شکار ہوجاتے۔

کیا کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مذکورہ بالا اُمور انجام دینے کا ذاتی اختیار خدا کے سوا بھی کسی کو ہے؟ ہرگز ایسا نہیں۔(**بلکہ اللہ**) تعالیٰ (**ہی کے لیے ہے سارا اختیار**) اور ذاتی اقتدار و غلبہ۔(**تو کیا نہیں ناامید ہوئے جو ایمان لا چکے**)، یعنی کیا مومن لوگ ان کافروں کے ایمان سے ناامید نہیں ہوئے، جو ایسے معجزات مانگتے ہیں، ساتھ اس کے کہ وہ جان چکے ہیں اور واقف ہوچکے (**اس بات سے کہ اگر اللہ**) تعالیٰ (**چاہتا تو سب لوگوں کو راہ دے دیتا**)۔معلوم ہوا کہ ہدایت مشیتِ الٰہی سے متعلق ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی۔۔یا۔۔ان کے مکانوں کے قریب مصیبت آتی رہے گی۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(**اور ہمیشہ انہیں جو کافر ہیں پہنچتی رہے گی ان کے کیے کرتوت کی وجہ سے دھمکی**) یعنی ان کی تکذیب اور عناد کے سبب ٹھوکنے والا عذاب اور بنیاد سے اکھاڑ دینے والی بلا (**یا اُترے گی ان کے گھروں سے نزدیک**) مقامِ حدیبیہ میں اسلامی جمعیت۔

یہاں کافروں سے مکے کے کافر مراد ہیں کہ رسولِ مقبول کی تکذیب کرنے کی شامت سے وہ برابر بلا میں مبتلا تھے۔رسولِ مقبول کے لشکر کے لوگ شب کو ان کے مکانوں کے گرد جاکر ان کے مال اور مویشی لُوٹ لاتے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا ان پر ہمیشہ بلا نازل رہے گی۔

(**یہاں تک کہ آجائے اللہ**) تعالیٰ (**کا وعدہ**)۔وہ وعدۂ الٰہی کہ موت ہے۔۔یا۔۔قیامت۔۔یا۔۔مسلمانوں کی فتح۔(**بے شک اللہ**) تعالیٰ (**نہیں خلاف فرماتا وعدہ کا**)۔۔الحاصل۔۔وعدۂ خداوندی پورا ہوکر ہی رہے گا۔

پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے واسطے فرماتا ہے۔کہ اَے محبوب! یہ

کفار اگر تمہارے ساتھ ٹھٹھا بازی کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔۔۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور بلاشبہ ٹھٹھے کیے گئے رسولوں سے تم سے پہلے، تو مہلت دے دی میں نے انہیں جو کافر ہیں،

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

پھر پکڑا میں نے انہیں۔۔۔تو کیسا کچھ تھا میرا عذاب●

(اور بلاشبہ ٹھٹھے کیے گئے) ان **(رسولوں سے)** جو **(تم سے پہلے)** گزرے، جیسے اس قوم کے لوگ تیرے حق میں ٹھٹھا کرتے ہیں **(تو مہلت دے دی میں نے انہیں جو کافر ہیں)** اور ایک مدت تک میں نے انہیں راحت اور تن پروری میں چھوڑ دیا **(پھر پکڑا میں نے انہیں)** عذاب کے ساتھ، **(تو کیسا کچھ تھا میرا عذاب)** یعنی ان پر میرا عذاب بڑا ہی ہولناک اور دردناک تھا۔ لوگو! غور کرو اور سوچو کہ جب خدا ہی سب کے اعمال کا نگراں ہے۔۔۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ

تو کیا ہے کوئی، وہ اللہ تو ہر ہستی پر نگرانی فرمانے والا ہے جو ان کے کرتوت ہوں۔ اور کافروں نے بنا ڈالے اللہ کے کئی شریک۔

قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

سوال کرو، کہ "اُن کے نام تو بتاؤ؟ یا خبر دے رہے ہو اللہ کو اُس کی، جو اُس کے علم میں زمین بھر میں نہیں ہے، یا دکھاوے کی بولی ہے"۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

بلکہ بھلا لگنے لگا کافروں کو اپنا فریب اور روک دیے گئے راہ سے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اور جسے بے راہ رکھے اللہ، تو نہیں ہے اُس کا کوئی رہنما●

(تو کیا ہے کوئی) اُس کے برابر، اُس جیسا؟ **(وہ اللہ)** تعالیٰ ہی **(تو ہر ہستی پر نگرانی فرمانے والا ہے جو ان کے کرتوت ہوں)**۔ نیک و بد سب کو ملاحظہ فرمانے والا ہے۔ یعنی وہ تمام انسانوں کے احوال کا جاننے والا ہے اور ان کے تمام مطالب کی تکمیل پر قادر ہے۔ وہ دُنیا میں ان کو نفع پہنچانے اور ان سے ضرر دُور کرنے پر قادر ہے اور آخرت میں اطاعت گزاروں کو ثواب عطا فرمانے اور نافرمانوں

کوعذاب دینے پر قادر ہے۔۔الختصر۔۔جو ہر شخص کے اعمال کا نگراں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔کیا اس میں مثل اور کوئی ہو سکتا ہے؟ اور کیا یہ بُت جو کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، یہ اُس کے مثل ہو سکتے ہیں؟ جو ہر شخص کے اعمال کا نگراں ہے اور جو ہر شخص کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔

اس کے باوجود منکروں **(اور کافروں نے بناڈالے اللہ)** تعالیٰ **(کے کئی شریک)**۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں مانا اور اُس کی تعظیم و تکریم اور اس کی عبادت نہیں کی اور غیر خدا کو خدا کا شریک قرار دینے کی جرأت کر ڈالی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے خودساختہ شرکاء کے متعلق فرمایا۔۔۔

اَے محبوب! اِن مشرکوں سے **(سوال کرو کہ ان کے نام تو بتاؤ)** یعنی یہ اس قدر حقیر اور بے مایہ ہیں، کہ یہ اس لائق نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔۔یا۔۔ان کا کوئی نام رکھا جائے، اور اگر وہ یہ کہیں کہ ان شرکاء کے نام لات، منات، عزیٰ اور ھبل ہیں، تو سوال کرو کہ کیا ان نام والوں کا کوئی وجود بھی ہے؟ **(یا خبر دے رہے ہو اللہ)** تعالیٰ **(کو اُس کی جو اُس کے علم میں زمین بھر میں نہیں ہے)**۔

زمین کی قید اس لیے لگائی کہ مشرکین لات اور منات وغیر کو صرف زمین میں خدا کا شریک مانتے تھے۔اور ظاہر ہے کہ جس چیز کے زمین میں ہونے کو اللہ تعالیٰ نہ جانتا ہو، وہ زمین میں ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ جو چیز زمین میں ہے اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو ان کے ہونے کا علم نہیں ہے، تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ زمین میں ان شرکاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔

۔۔الختصر۔۔کافرو! جواب دو کہ کوئی ان بتوں کے نام کا ہے بھی؟ **(یا) یہ صرف تمہاری (دکھاوے کی بولی ہے)** یعنی معنی و حقیقت سمجھے بغیر یوں ہی نام رکھ دیتے ہو جیسے حبشی کا نام کافور رکھنا ۔۔یا۔۔کسی محال کو موجود فرض کر کے اس کو کسی نام سے پکارنے لگنا۔دراصل حقیقت یہی ہے کہ اس طرح کے نام والوں کا وجود نہیں ہے **(بلکہ بھلا لگنے لگا کافروں کو اپنا فریب)** یعنی کافروں کے لیے ان کا فریب خوبصورت بنادیا گیا **(اور) وہ (روک دیے گئے راہِ) حق (سے، اور جسے بے راہ رکھے اللہ)** تعالیٰ، **(تو نہیں ہے اس کا کوئی رہنما)**۔

کافروں کے مکر و فریب سے مراد اُن کا کفر ہے۔شیطان نے اُن کے لیے اِس کفر کو

مزین کر دیا تھا۔۔یا۔۔کافر ایک دوسرے کے سامنے کفر کی تعریف اور تحسین کرتے تھے۔۔ یا۔۔وہ خود اپنے کفر کو اچھا اور قابل تعریف جانتے تھے، کیوں کہ ان کا کفران کے باپ دادا کی تقلید پر مبنی تھا۔ان کو راہِ حق سے روکنے والی ان کی یہی باپ دادا کی تقلید تھی۔۔نیز۔۔وہ نبی کریم ﷺ کو اپنا جیسا بشر گردانتے تھے اور اپنے جیسے ایک شخص کو رہنما اور مقتدا مان لینا ان کے لیے باعثِ عار تھا، اور ان کا یہ تکبر ان کو راہِ حق سے روکنے والا تھا، اور چونکہ انہوں نے اپنے لیے گمراہی کا راستہ اختیار کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں گمراہی کو پیدا کر دیا۔اس لیے فرمایا کہ جس کو اللہ گمراہ کر دے، اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

ذہن نشین رہے کہ کسی کام کا عزم کرنا بندے کے اختیار میں ہے، اور عزم کے بعد اُس بندے میں اس کو پیدا کر دینا یہ خدا کا کام ہے۔گمراہ کی دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب اُس کے اُسی گمراہی کے عزم کی وجہ سے ہے۔اس سے پہلی آیتوں میں کفار کے جرائم کو بیان فرمایا تھا، اور اگلی آیت میں جرائم کی سزا کو بیان فرمایا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ

اُن کے لیے عذاب ہے دنیاوی زندگی میں، اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے۔

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٣٤﴾

اور نہیں ہے اُن کا اللہ سے کوئی بچانے والا●

(ان کے لیے عذاب ہے دنیاوی زندگی میں) قتل، قید، قحط اور مصیبتوں کے ساتھ۔البتہ (اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے) دنیاوی عذاب سے۔(اور نہیں ہے اُن کا اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے کوئی بچانے والا)، یعنی کوئی نگاہ رکھنے والا کہ ان پر عذاب ہونے سے انہیں بچا لے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا

جنت کا بیان ہے، جس کا وعدہ کیا گیا ڈر والوں کو، بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں۔ان کے میوے اور سائے سدا بہار۔

دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿٣٥﴾

یہ انجام ہے ان کا جو ڈرا کیے۔اور کافروں کا انجام آگ ہے●

قرآنِ مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کافروں کا انجام ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کے انجام کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ

نے کافروں کے انجام کا ذکر فرمایا تھا، سو اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اُخروی انجام کا ذکر فرمایا ہے۔ اب یہ۔۔۔

(جنت کا بیان ہے جس کا وعدہ کیا گیا ڈر والوں کو)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی تین[۳] صفات بیان فرمائی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔**(بہتی ہیں اس)** کے درختوں یا مکانوں **(کے نیچے نہریں)**، ﴿۲﴾۔۔**(ان کے میوے)** یعنی ان کی نوعیں، ﴿۳﴾۔۔**(اور سائے سدا بہار)** ہیں۔

دنیا کے باغات کے پھل پتے اور منافع عارضی ہوتے ہیں اور فنا ہوجاتے ہیں، اور آخرت کے باغات کے پھلوں کی نوع اور منافع فنا نہیں ہوتے۔۔الغرض۔۔ان پھلوں کی نوع دائمی رہے گی اور مشخص پھل فنا ہوتے رہیں گے۔ جنت کا سایہ بھی دائمی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں نہ گرمی ہوگی نہ سردی ہوگی۔ نہ وہاں سورج اور چاند ہوں گے اور نہ وہاں اندھیرا ہوگا۔ وہ جنت جس کی صفت بیان کی گئی ہے۔۔۔

(یہ انجام ہے ان کا جو ڈرا کیے) یعنی یہ ان لوگوں کے حال کا مآل اور ان کے کام کا انجام ہے جنہوں نے پرہیزگاری کی **(اور)** اُس کے برخلاف **(کافروں)** کے احوال وافعال **(کا انجام)** جہنم کی **(آگ ہے)**۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

اور جنہیں دی ہے پہلے ہم نے کتاب، وہ خوش ہوتے اُس سے جو اتارا گیا تمہاری طرف، اور کافروں کی پارٹیوں میں سے وہ ہے،

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ

جو انکار کردیتا ہے اس میں سے کچھ کا۔ تم سب سے کہہ دو، 'کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کو معبود جانوں اور اُس کا کوئی شریک نہ بناؤں۔

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝۳۶

اُسی کی طرف میں "بلا رہا ہوں اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے"●

(اور جنہیں دی ہے پہلے ہم نے کتاب وہ) مومنین اہل کتاب۔۔مثلاً: حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ایمان والے ساتھی اور اسی[۸۰] آدمی نصاریٰ میں سے، جن میں چالیس[۴۰] نجرانی تھے اور آٹھ[۸] یمنی اور بتیس[۳۲] حبشی، یہ لوگ **(خوش ہوتے)** ہیں **(اس سے جو اتارا گیا تمہاری طرف)** یعنی قرآن کریم۔ کیونکہ یہ لوگ قرآنِ مجید پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے قرآنِ مجید کی تصدیق کی تھی۔ **(اور)** ان

کے برخلاف (کافروں کی پارٹیوں میں سے وہ ہے جو انکار کر دیتا ہے اس میں سے کچھ کا) یعنی جو ان کی شریعت کے خلاف ہے، اس کے منکر ہو جاتے ہیں، جیسے حیی ابن اخطب، کنانہ بن ربیع اور اس کے تابع یہود اور اسید اور عاقب اور اس کے تابع نصاریٰ۔ اَے محبوب! (تم) ان (سب سے کہہ دو کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ) تعالیٰ (کو معبود جانوں اور اس کا کوئی شریک نہ بناؤں) اور وہ نہ کروں جو تمہارے بعض کر بیٹھے، کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو خدا کا شریک بنا دیا۔ میرا تو سیدھا پیغام ہے کہ (اُسی) معبودِ برحق (کی طرف میں بُلا رہا ہوں) اُس کی دعوت دے رہا ہوں (اور) ایسا کیوں نہ ہو، کہ بالآخر (اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے)۔

بعض مشرکین کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ قرآنِ کریم عربی میں کیوں نازل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو زائل فرمایا، کہ اس سے پہلے انبیاءِ کرام پر جو کتابیں اور صحائف نازل کیے گئے وہ اُن کی زبانوں میں تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ۔۔۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

اور اِسی طرح اتارا ہم نے حکم عام عربی زبان میں۔ اور اگر تم بالفرض، پیچھے چل پڑتے اِن کافروں کی خواہشوں کے، بعد اِس کے کہ

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

آچکا تھا تمہیں علم، تو نہ رہ جاتا تمہارا اللہ کی طرف سے کوئی مددگار، نہ کوئی بچانے والا ●

(اور اِسی طرح) یعنی جس طرح اگلے انبیاء پر ان کی امتوں کی زبانوں میں ہم نے کتابیں بھیجیں (اتارا ہم نے حکم عام عربی زبان میں)، ایسی محکم کتاب جس میں منسوخ اور متغیر ہونے کی گنجائش نہیں۔۔ یا یہ۔۔ کتاب حکم کرنے والی ہے حق و باطل کے درمیان۔ ہم نے اُسے عربی زبان میں اس لیے بھیجا تاکہ اہلِ عرب کو اسے یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو۔

اَے محبوب! ہم جان رہے ہیں کہ مشرکین کی دلی خواہش یہی ہے، کہ آپ اُن کے باپ دادا کے دین کی طرف آجائیں۔۔ یا۔۔ یہودیوں کی خواہش یہ ہے کہ آپ اُن کے قبلے کو پھر اپنا قبلہ بنالیں، لیکن آپ نے ان کی خواہشوں کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔ (اور اگر تم بالفرض پیچھے چل پڑتے اِن کافروں کی خواہشوں کے، بعد اِس کے کہ آچکا تھا تمہیں علم) کہ بت پرستوں کا طریقہ باطل ہے اور یہود کے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہے، (تو نہ رہ جاتا تمہارا اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے کوئی مددگار اور نہ کوئی بچانے والا)۔

اس میں اہل ایمان کے لیے سخت تنبیہ ہے کے وہ اپنے کو باطل خواہشات کی پیروی کرنے سے بچاتے رہیں۔ یہودیوں کی عجب روش تھی کہ خواہ مخواہ کے لیے حضور علیہ السلام پر عیب لگانے کی کوشش کرتے رہے، کہ بعض یہود عیب لگانے کے طور پر کہتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو بار بار عورتوں سے نکاح کرتے ہیں؟ اور متعدد عورتیں ان کے نکاح میں ہیں۔ یہ انہیں عورتوں کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، تو اگر یہ پیغمبر ہوتے تو فریضۂ نبوت کی ادائیگی کا خیال انہیں عورتوں کے ساتھ مشغول رہنے سے باز رکھتا۔ تو ارشاد الٰہی نازل ہوا کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّیَّةً ؕ وَمَا كَانَ

اور بے شک بھیجا ہم نے کئی رسول تم سے پہلے اور کیے ہم نے اُن کی بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں ہے

لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

کسی رسول کو، کہ لے ہی آئے نشانی، مگر اللہ کے حکم سے۔ ہر مُدّت لکھی ہوئی ہے●

(اور بے شک بھیجا ہم نے کئی رسول تم سے پہلے اور کیے ہم نے ان کی بیویاں اور اولاد)۔

تو جب سابق رسولوں کے اہل وعیال اور تعدد ازواج ان کی رسالت کے منافی نہیں، تو پھر آپ کے حق میں اُسے کیسے رسالت کے منافی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مشرکین بھی کسی رسول کے لیے اہل وعیال والا ہونا درست نہیں قرار دیتے تھے، بلکہ وہ حیرت میں یہ بھی بول جاتے تھے کہ یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ ان کے خیال میں نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے، جبھی تو نبی کے کھانے پینے پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیت نے ان کے خیال کو باطل قرار دے دیا۔

اب آگے آیت میں مشرکین کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے، کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ واقعی اللہ کی طرف سے رسول ہوتے، تو ہم ان سے جس معجزہ کو بھی طلب کرتے وہ پیش کر دیتے اور اس میں بالکل توقف نہ کرتے، کہ جب یہ ہمارا مطلوبہ معجزہ نہ پیش کر سکے، تو واضح ہو گیا کہ یہ اللہ کے رسول نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا۔

(اور) واضح فرما دیا کہ **(نہیں ہے کسی رسول کو کہ لے ہی آئے نشانی مگر اللہ)** تعالیٰ **(کے حکم سے۔ ہر مدت لکھی ہوئی ہے)**۔ یعنی ہر ایک وقت کے واسطے حکم لکھا ہوا ہے، جب وہ وقت آتا ہے تو حکم ظہور پاتا ہے۔۔ یا۔۔ خلق کی 'اجلوں' میں سے ہر ایک 'اجل' کے واسطے خدا کے پاس ایک کتاب

ہے، کہ خدا کے سوا خلق کی 'اجلوں' سے کسی کو اطلاع نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہر وقت کے لیے ایک حُکم لکھا ہوا ہے اور مقرر ہے، ہر حُکم بندے کی اہلیت وصلاحیت کے مطابق مبنی بر حکمتِ الٰہی صادر ہوتا ہے، امتوں اور زمانوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بہ مقتضائے حکمتِ الٰہی احکام بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝۳۹

اللہ مٹائے جسے چاہے، اور وہی ثابت بھی رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس ہے لکھے ہوئے کی بنیاد ●

(اللہ) تعالیٰ **(مٹائے جسے چاہے اور وہی ثابت بھی رکھتا ہے)** جسے چاہتا ہے۔ **(اور اس کے پاس ہے)** ہر **(لکھے ہوئے کی بنیاد)**۔ یعنی اصل کتاب اُسی کے پاس ہے اور وہ لوحِ محفوظ ہے۔ جتنی چیزیں ہونے والی ہیں، سب اس میں لکھی ہوئی ہیں اور جو کچھ ہو چکا اور جو ہوتا ہے اور جو ہوگا سب اس میں مفصل اور مشرح لکھا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ نامہءاعمال میں جو اعمال ایسے ہیں کہ ان سے کچھ جزا متعلق نہیں، انہیں مٹا دیتا ہے اور باقی ثابت چھوڑتا ہے۔ یعنی بندے سے جو اقوال وافعال صادر ہوتے ہیں نامہءاعمال لکھنے والے فرشتے جب وہ لکھ کر جنابِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں، تو حق تعالیٰ اس قول اور فعل کو اس میں سے مٹا دیتا ہے۔ جس پر کچھ ثواب اور عذاب نہیں اور باقی سب اعمال کو ثابت رکھتا ہے۔۔یا یہ۔۔ معنی ہیں کہ توبہ کرنے والے کا گناہ مٹا دیتا ہے اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

۔۔یا۔۔ بعضے احکامِ شرع زمانے کی مصلحت کے موافق منسوخ کر دیتا ہے اور دوسرے احکام لکھ دیتا ہے۔۔یا۔۔ جوانی کی قوت اور تازگی مٹاتا ہے اور بڑھاپے کی پژمردگی اور ضعف بڑھاتا ہے۔ بعض کا یہ کہنا ہے، کہ حق تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، مگر چھ[۶] چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو مٹنا نہیں پہنچتا۔

۱۔۔سعادت ۲۔۔شقاوت ۳۔۔موت ۴۔۔حیات ۵۔۔رزق ۶۔۔اَجل

۔۔۔یہ بھی ایک قول ہے کہ اللہ جل شانہ کے پاس دو کتابیں ہیں: ایک ہے 'اُمُّ الْكِتٰب کے سوا'، محو واثبات کا تعلق اِسی کتاب سے ہے۔ اور دوسری ہے **اُمُّ الْكِتٰب** جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ اس کے تعلق سے اور بہت سارے اقوال ہیں، یہ مختصر جس کا متحمل نہیں۔ جب ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے تو وہ اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی، اس لیے کافروں کے

لیے جو عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کو تو اپنے وقت پر بہرحال آنا ہی ہے، اور اُس کے وقت کا علم خدائے قادرِ مطلق کو ہے۔۔۔

وَاِنۡ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا

اور اگر ہم دکھادیں تمھیں کو بعض وعدہ جو ہم دیتے ہیں انہیں یا تمھاری مدت پوری کردیں، تو تم پر

عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ﴿۴۰﴾

صرف پہنچادینا ہے، اور ہمیں پر حساب لینا ہے●

(اور) اَے محبوب! (اگر ہم دکھادیں تمھیں کو بعض وعدہ) کی تکمیل (جو ہم دیتے ہیں انہیں یا) اس سے پہلے دنیا میں (تمھاری مدتِ) حیات (پوری کردیں) اور اپنے پاس بُلالیں اور آپ اس وعدے کی تکمیل کا منظر نہ دیکھ سکیں، اس سے آپ کے فریضۂ نبوت کی ادائیگی پر کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کا جو پیغام تھا آپ نے اُسے پہنچادیا۔ آپ کا فریضہ تو قرآن مجید کا پہنچانا تھا اور احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنا ہے۔ (تو) اے محبوب! (تم پر صرف پہنچادینا ہے اور) رہ گیا کافروں کا معاملہ، تو (ہمیں پر) ان سے (حساب لینا ہے)۔

ویسے بھی وعدۂ الٰہی کے بہ عجلت نازل ہونے کی خواہش کرنے والوں کے تعلق سے ارشادِ الٰہی ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِى الۡاَرۡضَ نَـنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا‌ؕ وَاللّٰهُ يَحۡكُمُ

کیا انہیں سجھائی نہیں دیتا، کہ ہم گھٹاتے جارہے ہیں اُن کی اراضی، آبادی کو ہر طرف سے۔ اور اللہ حکم فرماتا ہے،

لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ‌ؕ وَهُوَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾

کوئی ہٹانے والا نہیں اُس کے حکم کا۔ اور وہ جلد حساب کرنے والا ہے●

(کیا انہیں سجھائی نہیں دیتا کہ ہم گھٹاتے جارہے ہیں ان کی اراضی، آبادی کو ہر طرف سے) جس سے کافروں پر عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں۔

جن علاقوں پر کفار کا قبضہ اور اقتدار تھا، وہ کم ہو کر سمٹتے جارہے ہیں اور مسلمان ان علاقوں کو فتح کرکے ان پر قبضہ کرتے جارہے ہیں۔۔۔یا یہ۔۔۔ کہ کفار یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں تخریب اور تعمیر کا عمل مسلسل جاری ہے۔ موت کے بعد حیات ہے اور ذلت کے بعد

عزت ہے، اور نقص کے بعد کمال ہے اور بیماری کے بعد صحت ہے۔ غرض دنیا میں تغیرات اور حوادث مسلسل رُو بہ عمل رہتے ہیں۔ تو کفار کو یہ خوف وخطرہ کیوں نہیں ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے احوال پلٹ دے گا اور ان کو عزت کے بعد ذلت میں مبتلا کردے گا۔

زمین کی اطراف میں کمی کی ایک تقریر یہ بھی کی گئی ہے کہ زمین پر جو مقتدر، معزز اور متکبر لوگ تھے، وہ مرتے رہے اور زمین ان سے خالی ہوتی رہی، تو اِس وقت جو کافر متکبر اور مغرور ہیں وہ کس وجہ سے مطمئن اور بے خوف ہیں۔ جیسے پچھلی امتوں کے جابر لوگ۔۔ مثلاً: فرعون، ہامان، نمرود وغیرہ زمین خالی کر کے دنیا سے گزر چکے ہیں، سو یہ بھی اُسی طرح دنیا سے گزر کر زمین کو خالی کر جائیں گے۔

(اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (حکم فرماتا ہے، کوئی ہٹانے والا نہیں اس کے حکم کا) یعنی اس کے احکام سے معارضہ کرنے والا کوئی نہیں **(اور وہ جلد حساب کرنے والا ہے)**۔۔ چنانچہ۔۔ کافروں کو ان کے جرائم کی قرار واقعی سزا دے گا۔

وَقَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلِلّٰهِ الۡمَكۡرُ جَمِيۡعًا ؕ يَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُ

اور بے شک خوب داؤں چلے ہیں جو ان سے پہلے کے ہیں، تو اللہ ہی کے لیے ساری تدبیر۔ وہ جانتا ہے جو کمائی کرے

كُلُّ نَفۡسٍ ؕ وَسَيَعۡلَمُ الۡكُفّٰرُ لِمَنۡ عُقۡبَى الدَّارِ ۝۴۲

کوئی شخص۔ اور جلد جان لیں گے کفار، کہ کس کے لیے ہے گھر کا انجام خیر●

(اور بے شک خوب داؤں چلے ہیں جو ان سے پہلے کے ہیں) یعنی پہلی امتوں کے کافروں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے خلاف خوب سازشیں کی تھیں **(تو اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے) ہے (ساری تدبیر)**۔ بے شک **(وہ جانتا ہے جو کمائی کرے کوئی شخص)** یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی سازش کا علم ہوتا ہے، کیونکہ جب کوئی سازش کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں ہونے والی کارروائی کو بھی وہی پیدا کرتا ہے، کیونکہ ہر چیز کا خالق وہی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سازشوں کی سزا دے گا۔ **(اور جلد جان لیں گے کفار، کہ کس کے لیے ہے گھر کا انجام خیر)** یعنی اچھا گھر اور ثواب کس کو ملے گا؟ ان کفار کی سرکشی۔۔۔

وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًۢا

اور بک دیتے ہیں کافر، "کہ تم رسول ہی نہیں ہو"۔ جواب دے دو "کہ اللہ کافی گواہ ہے

بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَکُمۡ ۙ وَمَنۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡکِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۱۲

میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے"●

(اور) منہ زوری کا عالم یہ ہے، کہ (بک دیتے ہیں کافر) لوگ (کہ تم رسول ہی نہیں ہو) یعنی خدا نے اپنا رسول بنا کر ہماری ہدایت کے لیے بھیجا ہی نہیں۔ اَے محبوب! ان عقل کے اندھوں کو (جواب دے دو، کہ اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے) وہ بھی گواہ ہے۔

اب اگر کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام گواہ ہوئے، جو لوحِ محفوظ سے وحی لیتے ہیں۔ اور اگر کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے، تو گواہ سارے مومنین ہوئے۔ اور اگر کتاب سے مراد توریت ہے، تو اس کے عالم حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ایماندار رفقاء گواہ ہوں گے۔ یہ آخری توجیہہ اُس وقت صحیح ہوگی جب 'سورۂ رعد' جو مکی ہے، اس کی اس آیت کو مدنی قرار دیا جائے۔ ایک بہتر صورت یہ بھی ہے، کہ اس سلسلے میں کسی خاص نام کی تصریح کیے بغیر عمومی طور پر یہ کہہ دیا جائے، کہ کتاب کے علم والے سے مراد قرآن کریم -- یا -- توریت کا علم رکھنے والے علمائے ربانیین کا ہر فرد ہے۔ اور چونکہ رب تعالیٰ نے علم کتاب رکھنے والے ہر فرد کو اپنے رسول کی رسالت کا گواہ قرار دے دیا ہے، تو اگر کوئی ایک عالم بھی گواہی پیش کرے، تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی گواہی اس سے معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے ثبوت میں معجزات نازل فرمائے۔ یہ معجزات قطعی طور پر یہ دلالت کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہے، کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

بعونہٖ تعالیٰ سورۂ رعد کی تفسیر آج بتاریخ

۶؍ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ -- مطابق -- ۱۷؍ اگست ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ مکمل ہوگئی۔ دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآن کریم کی سورتوں کی تفسیر کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بِجَاہِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

بفضلہ تعالیٰ سورۂ ابراہیم کی تفسیر کا آغاز آج بتاریخ

۷/رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۸/اگست ۲۰۱۰ء

بروز چہارشنبہ کو کردیا ہے۔مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی اور باقی

قرآن کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔

آمین بِجَاهِ سَيِّدَالْمُرْسَلِيْن صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ ۱۴ مَكِّيَّةٌ ۲۰ | سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ | اٰيَاتُهَا ۵۲ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ ابراہیم مکیہ — آیات ۵۲ رکوع ۷

اِس سورہ کا نام 'ابراہیم' ہے، کیونکہ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ نام رکھنے کے لیے صرف اِسی قدر مناسبت کافی ہے۔اور یہ بھی ضروری نہیں جہاں بھی وہ مناسبت ہو وہاں وہ نام بھی ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک آیت نمبر ۲۸ اور ۲۹ کے سوا پوری سورۂ مبارکہ مکی ہے۔ یہ دوؔ آیتیں مشرکینِ بدر کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ یہ سورہ 'سورۂ شوریٰ' کے بعد اور انبیاء سے پہلے نازل ہوئی۔'سورۂ رعد' اور 'سورۂ ابراہیم' دونوں ہی مکی سورتیں ہیں، اور دونوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔اور پچھلی امتوں میں جن کافروں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی، ان پر نازل ہونے والے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔'سورۂ رعد' قرآنِ مجید کے ذکر پر ختم ہوئی اور 'سورۂ ابراہیم' کی ابتداء قرآنِ مجید کے ذکر سے ہوئی۔ایسی مبارک ومسعود سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو سارے بندوں پر (بڑا مہربان) ہے اور خاص کر کے مومنین کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ

ال راء۔۔۔

(ال راء)

اللہ تعالیٰ ہی حقیقی طور پر جانتا ہے کہ اِن کلمات سے اُس کی اپنی مراد کیا ہے؟۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کے بتانے سے وہ جانے جن پر اِن کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کے وہ محبوبین جانیں جن کو رب کریم نے ان کا علم عطا فرما دیا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حروفِ مقطعات مومن کی تصدیق اور کافر کی تکذیب کی آزمائش ہیں۔ مومن تو برَملا ان کے حق اور منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کردے گا، یہ کام کافروں سے نہ ہوسکے گا۔ بعض مفسر اس بات پر ہیں، کہ یہ حروف قرآنِ کریم کے نام ہیں۔ اِس توجیہہ پر کہہ سکتے ہیں کہ الٓرٰ یعنی قرآن کریم وہ عظیم۔۔۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬

کتاب ہے، نازل فرمایا ہم نے اُس کو تمہاری طرف، تاکہ نکال دو تم لوگوں کو تاریکیوں سے اُجالے کی طرف۔۔۔

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اُن کے پروردگار کے حکم سے، عزت والے سراہے ہوئے ● اللہ کی راہ کی طرف، وہ کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے،

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِۨ ﴿۲﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے، اور ہلاکی ہے کافروں کی سخت عذاب سے ●

(کتاب ہے) کہ **(نازل فرمایا ہم نے اس کو تمہاری طرف تاکہ)** اُس کے مضمون کے ساتھ دعوت کرنے کے سبب سے **(نکال دو تم لوگوں کو)** کفر۔۔یا۔۔نفاق۔۔یا۔۔شک۔۔یا۔۔بدعت کی **(تاریکیوں سے)** ایمان۔۔یا۔۔اخلاص۔۔یا۔۔سنت کے **(اُجالے کی طرف، اُن کے پروردگار کے حکم سے)** یعنی اس کی توفیق اور آسان کردینے کے ساتھ۔

ذہن نشین رہے کہ گمراہی کی ہر قسم ظلمات میں داخل ہے، اور نور، ہدایت کی ہر قسم کو شامل ہے۔ اب حاصل یہ ہوگا، کہ۔۔۔

اَے محبوب! قرآن کی دعوت کے سبب سے لوگوں کو گمراہی سے چھڑا اور سیدھی راہ پر لگا، یعنی **(عزت والے سراہے ہوئے اللہ)** تعالیٰ **(کی راہ کی طرف)** لا۔۔الغرض۔۔انہیں خدا تک پہنچانے

والے راہِ مستقیم کی ہدایت فرما اور وہ راہ دین اسلام ہے۔

پھر **عزیز** اور **حمید** کی صفت میں فرماتا ہے۔۔۔

کہ خدائے عزیز وحمید (وہ) ہے (کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے) یعنی آسمانی موجودات (اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی زمینی مخلوقات۔ اَے محبوب! واضح کردو (اور) فرمادو کہ (ہلاکی ہے کافروں کی) جو قرآن پر ایمان نہیں لاتے (سخت عذاب سے) جو انہیں پہنچے گا۔ کافر وہ لوگ ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ

جو دل سے بڑھائیں دنیاوی زندگی کو آخرت پر۔ اور روکیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۳

اللہ کی راہ سے، اور چاہیں اُسے کج۔ وہ لوگ دراز گمراہی میں ہیں ●

(جو) جہالت کی وجہ سے (دل سے بڑھائیں دنیاوی زندگی کو آخرت پر) یعنی دوست رکھتے ہیں اور بہتر جانتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں (اور) ان کا حال یہ ہے، کہ (روکیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی لوگوں کو رسولِ مقبول ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لانے سے منع کرتے ہیں (اور چاہیں اُسے کج) یعنی اس میں کجی چاہتے ہیں اور کسی ٹیڑھے پن کے متلاشی ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ راہ ٹیڑھی ہے۔ اس راہ پر چلنے والے منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک (وہ لوگ) جو اِن صفتوں سے موصوف ہیں (دراز گمراہی میں ہیں) یعنی گمراہی میں ہیں حق سے بہت دور۔

قریش کہتے تھے کہ جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب عجمی زبانوں میں نازل ہوئیں، یہ کیا بات ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتاب نازل ہورہی ہے، وہ عربی زبان میں اترتی ہے۔

اس پر ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول، مگر اپنی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ بیان کردیں اُن سے، پھر بے راہ رکھے اللہ

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۴

جسے چاہے، اور راہ دکھائے جسے چاہے۔ اور وہ عزت والا حکمت والا ہے ●

(اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اپنی قوم کی زبان میں) یعنی اس کی زبان وہی رہی جو اس کی قوم کی زبان تھی، جس قوم میں وہ رسول تھا اور جس میں پیدا ہوا اور جن کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا۔ اس واسطے کہ ہر پیغمبر کو پہلے اپنے قرابت والوں کو دعوت اور ہدایت کرنی چاہیے۔ تو حق تعالیٰ نے سارے انبیاءِ کرام کو ان کی قوم کی زبان کے ساتھ ان کی قوم میں بھیجا (تاکہ وہ بیان کردیں ان سے) اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور وہ لوگ سمجھ لیں اور یہ عذر نہ کریں کہ ہم اِس نبی کی بات نہیں سمجھتے۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر جس قوم میں مبعوث فرمایا گیا اس کا ہم زبان رہا اور نبی کریم تو ساری قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے، لیکن ان کی کتاب صرف انہیں کے خاندان قریش اور قومِ عرب کی زبان میں نازل فرمائی گئی، جس کی وجہ سے دوسری قوموں میں قرآنی ہدایات کو پیش کرنے کے لیے ان کی زبانوں میں اس کے ترجمے اور اس کی ترجمانی کی ضرورت پیش آگئی، تو اس میں کیا حکمت ہے؟

اس سلسلے میں علماء کا کہنا یہ ہے کہ زبانوں کے اختلاف سے الفاظ مختلف ہوتے ہیں اور جس لغت کے الفاظ اور معانی ان امتوں کی زبان کے موافق نہیں ہیں وہ انہیں سکھانے اور سمجھانے میں بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے اور اس کوشش کی بڑی فضیلت ہے اگر ہر امت کی زبان میں ایک ایک کتاب نازل ہوتی، تو اس کوشش کا فضل ضائع ہوجاتا۔۔ نیز۔۔ اس کتابِ الٰہی سے جو علوم شاخ در شاخ نکلتے ہیں، لوگ ان علوم سے محروم رہ جاتے۔ تو اس کتاب کا ایک ہی لغت میں نازل ہونا محض فضل اور عینِ حکمت ہے۔

۔۔الختصر۔۔ انبیاءِ کرام کا فریضہ ہے خدائی اوامر و نواہی کا صاف صاف واضح لفظوں میں اپنی اپنی قوم سے بیان فرمادینا اور اتمامِ حجت فرمادینا۔ (پھر بے راہ رکھے اللہ) تعالیٰ (جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے)۔ یعنی جسے چاہتا چھوڑ دیتا ہے پھر وہ گمراہ ہوجاتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اُسے ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے، تو وہ راہ پر آجاتا ہے (اور وہ عزت والا) اور غالب ہے اپنے حکم میں اور (حکمت والا ہے) یعنی درست کام والا ہے، کہ اس کا گمراہ رہنے دینا اور ہدایت فرمانا حکمت کے رُو سے ہے۔

اب آگے اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالنے والے انبیاءِ کرام کے قصوں میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔ ان قصوں میں نبی کریم ﷺ کے لیے صبر کی ترغیب ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوا۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

اور بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ، کہ نکال لے جاؤ اپنی قوم کو اندھیریوں سے اُجالے کی طرف۔۔۔

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤

اور یاد دلاؤ انہیں اللہ کے دن۔ بے شک اِن میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے ●

(اور) فرمایا گیا کہ (بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ) یعنی کھلے ہوئے معجزوں کے ساتھ۔۔مثلاً: عصا اور ید بیضا وغیرہ اور کہا (کہ نکال لے جاؤ اپنی قوم) بنی اسرائیل (کو) جہالت وشبہات کی (اندھیریوں سے) علم ویقین کے (اُجالے کی طرف)۔۔یا۔۔قبطی قوم کو جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے، اُن کو کفر کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکال لاؤ۔۔(اور یاد دلاؤ انہیں اللہ) تعالیٰ (کے دن) یعنی اُن دنوں سے انہیں ڈراؤ جن دنوں میں حق تعالیٰ نے اگلے کافروں پر عذاب نازل کیا۔۔یا۔۔بنی اسرائیل کو اُس دِن کی یاد دلاؤ جن دنوں میں وہ اہلِ فرعون کے ہاتھ میں گرفتار تھے۔(بے شک ان میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے) جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شاکر رہتے ہیں۔اے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، کہ یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر، جب کہ بچالیا

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

تم کو فرعونیوں سے، کہ جو بُری طرح تم کو ستاتے رہے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کردیتے،

ع ۱ ۴ ۱۳

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥

اور تمہاری بیٹیاں زندہ چھوڑ رکھتے۔اور ان حالات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش رہی ●

(اور) اپنے علم وادراک میں حاضر کرلو اُس وقت کو (جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم) بنی اسرائیل (کو، کہ) اے میری قوم! (یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت اپنے اوپر جب کہ بچالیا تم کو فرعونیوں سے، کہ جو بُری طرح تم کو ستاتے رہے) اور غلام بنا کر سخت کاموں کا تمہیں حکم دیتے تھے۔(اور) جب نجومیوں نے ان سے یہ کہہ دیا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے سبب سے فرعون کی ہلاکت ہے، تو اس وقت سے (تمہارے بیٹوں کو ذبح کردیتے اور تمہاری بیٹیاں زندہ چھوڑ رکھتے)

تا کہ تمہاری لڑکیاں ان کی عورتوں کی خدمت کریں۔ اس محنت اور شدت (اور ان حالات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش رہی)۔۔یا۔۔اس نجات میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نعمت تھی عظیم، بڑی اور بے نہایت۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ

اور جب کہ اعلان فرمادیا تمہارے پروردگار نے، کہ اگر تم شکرادا کرتے رہے، تو ہم ضرور زیادہ دیں گے تم کو، اور اگر ناشکری کی،

اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝

تو میری سزابڑی سخت ہے●

(اور) یاد کرواے بنی اسرائیل اُس وقت کو! (جب کہ اعلان فرمادیا) تھا (تمہارے پروردگار نے) اور تمہیں اطلاع اور آگاہی دی تھی (کہ اگر تم شکرادا کرتے رہے) میری نعمتوں کا اور اپنے کو اپنے نبی کی نافرمانی سے باز رکھتے رہے، اس لیے کہ نبی کی نافرمانی سے باز رہنا ہی سب سے بڑا شکر الٰہی ہے۔۔الغرض۔۔اگر تم شکر گزار بندے بنے رہے (تو ہم ضرور زیادہ) نعمتیں (دیں گے تم کو، اور اگر ناشکری کی تو) اس پر (میری سزا بڑی سخت ہے) ناشکروں پر۔ عذاب کی سختی نعمت کا سلب ہوجانا ہے دنیا میں اور عقوبت واقع ہونا ہے عقبیٰ میں۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے، کہ اگر نعمتِ اسلام پر شکر کروگے، تو ہم تمہیں ایمان کے رتبے پر پہنچادیں گے، اور اگر نعمت ایمان پر شکر کروگے، تو ہم تمہیں 'درجہءِ احسان' پر پہنچادیں گے۔ اور اگر نعمتِ احسان پر شکر کروگے، تو ہم تمہیں 'مقامِ معرفت' تک پہنچادیں گے۔ اور اگر 'نعمتِ معرفت' پر شکر گزار ہوگے، تو ہم تمہیں 'مقامِ وصلت' پر پہنچادیں گے۔ اور اگر اُس کا شکر کروگے، تو 'مرتبہءِ قربت'، اور اس پر شکر کرنے میں ہم تمہیں 'خلوت گاہِ اُنس و مشاہدہ' میں داخل کردیں گے۔۔۔اس کلامِ حقائق اعلام سے معلوم ہوتا ہے کہ 'شکر' درجاتِ اعلیٰ پر ترقی کرنے کا زینہ ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور کہا موسیٰ نے اگر ناشکرے ہوجاؤ تم اور سب جو زمین میں ہیں،

فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۸﴾

تو بھی بلاشبہ اللہ، ضرور بے پرواہ سراہا ہوا ہے●

(اور کہا موسیٰ نے اگر ناشکرے ہو جاؤ تم اور سب جوزمین میں ہیں، تو بھی بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ضرور بے پرواہ سراہا ہوا ہے) وہ تمہارے شکر کا محتاج نہیں، اس لیے کہ ساری مخلوق ذرّہ ذرّہ اور قطرہ قطرہ اُس کی نعمت کا شکر کررہی ہے اور سب چیزوں کی زبانیں اس کی تسبیح میں جاری ہیں۔ آخر میں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا، کہ۔۔۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﱠ وَ

کیا نہیں آئیں تمہارے پاس خبریں اُن کی، جو تم سے پہلے کے ہیں، قوم نوح و عاد وثمود۔۔۔اور

الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

جواُن کے بعد ہیں۔۔انہیں کون جانے سوا اللہ کے۔ لائے اُن کے پاس اُن کے رسول

بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ

روشن دلیلیں، تو لوٹا لیے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں، اور بکنے لگے کہ ہمارا انکار ہے

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ﴿۹﴾

جسے لے کر تم بھیجے گئے ہو، اور واقعی ہم تردّد میں پڑے جس طرف تم ہم کو بلاتے ہو، شک رکھنے والے ہیں●

(کیا نہیں آئیں تمہارے پاس خبریں ان کی جو تم سے پہلے کے ہیں) یعنی (قوم نوح و عاد و ثمود اور جواُن کے بعد) کے (ہیں) یعنی عدنان اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان گزرنے والے تیس ۳۰ قرن کے لوگ، (انہیں کون جانے سوا اللہ) تعالیٰ (کے)، یعنی ان کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ۔۔الختصر۔۔عرب وعجم میں سے حق تعالیٰ نے بہت ساری امتیں ہلاک فرمادیں اور ان کے آثار ونشان مٹادیے، ایسا کہ خدا کے سوا اور کسی کو ان پر اطلاع نہیں۔ (لائے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں) اللہ جل شانہ کی کتابیں۔۔یا۔۔رسولوں کے معجزے (تو لوٹا لیے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں) یعنی امتوں نے غصے کے مارے اپنے ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹے۔۔یا۔۔تعجب کے سبب اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھے۔۔یا۔۔اپنی انگلیاں اپنے منہ پر رکھ کر اشارہ کیا کہ چُپ رہو۔

اور ایک قول یہ ہے، کہ۔۔۔

اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھے، کہ بات نہ کرو (اور بکنے لگے کہ ہمارا انکار ہے جسے لے کر تم بھیجے گئے ہو اور واقعی ہم تردد میں پڑے) ہوئے ہیں اس کے تعلق سے (جس طرف تم ہم کو بلاتے ہو)، یعنی ایمان اور توحید کی جو ہمیں دعوت پیش کرتے ہو، تو ان کے تعلق سے ہم (شک رکھنے والے ہیں)۔ ایسا شک جو بدگمان کرنے والا ہے یعنی شک کے ساتھ ساتھ رسولوں پر فاسد غرضوں کی تہمت بھی رکھتے تھے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ

بولے اُن کے رسول، کہ "کیا اللہ میں شک ہے؟" پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا۔ تمہیں بلاتا ہے،

لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوا

کہ بخش دے تمہارے کچھ گناہ، اور مہلت دے تم کو ایک وقت معین تک۔ سب کافر بولے،

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

کہ "نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح، تم لوگ چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو اُن سے جن کو معبود جانتے تھے

آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾

ہمارے باپ دادے، تو پھر لاؤ کھلی سند"●

(بولے ان کے رسول، کہ کیا اللہ) تعالیٰ کے ہونے (میں شک ہے) جو (پیدا کرنے والا ہے (آسمانوں اور زمین کا) جس کے وجود اور توحید پر اتنے دلائل ہیں جن کا شمار نہیں، تو اب اس کے ہونے میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ وہ اتنا مہربان، کریم اور صاحبِ فضل عظیم ہے کہ (تمہیں بلاتا ہے) ایمان کی طرف تا (کہ بخش دے تمہارے کچھ گناہ) یعنی وہ گناہ جو ایمان لانے سے قبل تم سے سرزد ہوئے (اور) تا کہ (مہلت دے تم کو) یعنی عذاب دینے میں تاخیر کرے (ایک وقت معین تک) جو کہ تمہاری عمروں کا اخیر وقت ہے۔

رسولوں کے جواب میں (سب کافر بولے، کہ نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح) صورت اور ہیئت میں، اور ظاہر کے رُو سے تمہیں ہم پر کچھ فضیلت نہیں، تو ہم سے تم نبوت کے لیے کیوں خاص کیے گئے۔ (تم لوگ چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو ان سے جن کو معبود جانتے تھے ہمارے باپ دادے) اپنی پیغمبری کا دعویٰ کر کے، (تو پھر لاؤ) اپنے دعوے کی صحت پر۔۔۔یا۔۔۔ فضیلتِ نبوت اور مرتبۂ رسالت کے

ساتھ اپنے مستحق ہونے پر (کھلی سند)۔ گویا کہ وہ کافر معجزہ دیکھتے تھے، مگر اعتبار نہ کرتے تھے، اور ضد اور عداوت کے مارے اور معجزات کی فرمائش کرتے تھے، جیسے رسول مقبول کے زمانے کے معاندوں کا حال تھا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى

جواب دیا انہیں اُن کے رسولوں نے، "کہ اچھا ہم نہیں مگر تمہاری طرح چہرہ والے، پھر بھی اللہ احسان فرمائے، جس پر

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

چاہے اپنے بندوں سے۔ اور ہمارا یہ کام نہیں کہ کوئی سند لائیں، مگر اللہ کے حکم سے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں اُس کے ماننے والے ●

(جواب دیا انہیں ان کے رسولوں نے، کہ اچھا! ہم نہیں مگر تمہاری طرح چہرہ والے) یعنی جیسے تم چہرہ مہرہ رکھتے ہو ویسے ہی ہم بھی چہرہ مہرہ رکھتے ہیں۔ اور یہ بات بھی ہمیں تسلیم ہے کہ ہم تمہاری جنس سے ہیں، (پھر بھی اللہ) تعالیٰ (احسان فرمائے) نبوت کی نعمت اور رسالت کی کرامت کے سبب سے (جس پر چاہے اپنے بندوں سے)، تو اس کا اُسے پورا اختیار ہے۔ (اور) اب رہ گئی تمہاری معجزہ طلبی، تو (ہمارا یہ کام نہیں کہ کوئی سند لائیں) اور تمہارا فرمائشی معجزہ تم کو پیش کر دیں (مگر اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے) اور اس کی مشیت سے، یعنی ہم اپنی طرف سے بے خدا کے چاہے کوئی کام نہیں کر سکتے، (اور اللہ) تعالیٰ (ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں اس کے ماننے والے)۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى

اور بھلا ہم کیسے نہ بھروسہ رکھیں اللہ پر، حالانکہ دکھا دیں اُس نے ہمیں ہماری راہیں۔ اور ہم ضرور صبر کریں گے

مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع

اِس مصیبت پر جو تم لوگوں نے ستا رکھا ہے ہمیں"۔ اور اللہ ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں، بھروسہ والے ●

(اور بھلا ہم کیسے نہ بھروسہ رکھیں اللہ) تعالیٰ (پر، حالانکہ دکھا دیں اس نے ہمیں ہماری راہیں) یعنی وہ راہ جس سے ہم اُسے پہچانتے ہیں اور یہ بات جانتے ہیں کہ سب کام اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (اور ہم ضرور صبر کریں گے اِس مصیبت پر جو تم لوگوں نے ستا رکھا ہے ہمیں)۔۔

ع ۱۴

الختصر۔۔ہم صبر کریں گے اِس پر جو کہ ایذادیتے ہو تم ہمیں تکذیب اور مخالفت کر کے، (اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ والے)۔تو چاہیے کہ ثابت رکھیں توکل، متوکل لوگ۔اس کے جواب میں کافروں نے دھمکی دیناشروع کردی۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اور بولے کافرلوگ اپنے رسولوں سے، "کہ ہم ضرور نکال دیں گے تم کو اپنی اراضی سے، یا تم برگشتہ ہوکر ہوجاؤ ہمارے

فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۱۳

دھرم میں"۔تو وحی بھیجی اُن کی طرف اُن کے پروردگار نے، کہ ہم ضرور ہی ہلاک کردیں گے اِن اندھیر مچانے والوں کو●

(اور بولے کافرلوگ اپنے رسولوں سے کہ ہم ضرور نکال دیں گے تم کو اپنی اراضی) یعنی اپنے دیار کی زمین (سے۔یا تم برگشتہ ہوکر ہوجاؤ ہمارے دھرم میں) ہماری ملت میں۔یعنی اپنے دین سے برگشتہ ہوجاؤ اور ہماری ملت سے موافقت کرلو۔

۔۔یا۔۔اس قوم میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے اُن کا اُن کے سابق طریقے پر پھر جانا مراد ہو۔

(تو وحی بھیجی اُن کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ ہم ضرور ہی ہلاک کردیں گے ان اندھیر مچانے والوں کو)۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ

اور ضرور تم کو بسائیں گے اِس سرزمین پر اِن کے بعد۔یہ ہراُس کے لیے ہے، جو ڈر گیا میرے سامنے کھڑے ہونے کو،

وَخَافَ وَعِيْدِ ۱۴

اور خوف کھا گیا میرے حکم عذاب سے●

(اور ضرور تم کو بسائیں گے اُس سرزمین پر اُن کے بعد) یعنی انہیں ہلاک کردینے کے بعد۔(یہ) امر اور یہ وعدہ (ہراُس کے لیے) مقرر اور سچ (ہے جو ڈر گیا میرے سامنے کھڑے ہونے کو) یعنی اس بات سے ڈرے کہ اُسے وہاں ٹھہرا رکھیں گے جہاں قیامت کے دن میں بندوں پر حکم کروں گا، (اور خوف کھا گیا میرے حکم عذاب سے) یعنی میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا رہا۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

اور اُن سب نے آخری فیصلہ کی دُعا کی، اور سارے سرکش ضدی نامراد ہوئے ●

(اور اُن سب نے آخری فیصلے کی دُعا کی) یعنی رسولوں نے فتح چاہی اور دشمنوں کے ہلاک ہونے پر خدا سے مدد مانگی۔۔یا۔۔اپنے اور دشمنوں کے درمیان میں حکمِ اخیر کے طالب ہوئے۔۔یا۔۔ انبیاء اور امتیں مل کر حکم چاہتے تھے، کہ ہم میں جو کوئی باطل ہو اُس پر عذاب نازل ہو۔ حق تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا، انبیاء اور مومنوں نے نجات پائی (اور سارے سرکش ضِدّی نامراد ہوئے) یعنی سارے حق کے ساتھ جھگڑا کرنے والے اور اطاعت سے منہ پھیرنے والے، نجات پانے سے ناامید اور بے نصیب ہو گئے۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

اُن کے پیچھے جہنم لگی ہے، پلایا جائے گا پانی، جیسے پیپ ●

(ان کے پیچھے جہنم لگی ہے) یعنی حشر کے دن اُن کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ دوزخ میں تشنگی کے غلبے کی حالت میں انہیں (پلایا جائے گا پانی جیسے پیپ) یعنی پانی پیپ کی طرح ہوگا۔۔یایہ۔۔کہ پینے کے لیے انہیں وہ پیپ پیش کی جائے گی، جو دوزخیوں کے بدن سے ٹپکے گی۔ تکلیف اور مصیبت کے ساتھ۔۔۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

گھونٹ گھونٹ لیں گے اُسے، اور حلق کے نیچے اترنے کی امید نہ ہوگی۔ اور اُس کو آئے گی موت ہر جگہ سے،

وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

حالانکہ وہ مرا نہیں۔ اور اُس کے بعد بڑا گاڑھا عذاب ہے ●

(گھونٹ گھونٹ لیں گے اُسے اور) کڑواہٹ اور سڑاندھ کی وجہ سے (حلق کے نیچے اترنے کی امید نہ ہوگی اور اس کو آئے گی موت) کی شدت (ہر جگہ سے)۔۔یا۔۔ ہر جانب سے اس کے اعضاء میں سے، یہاں تک کہ ہر ہر روئیں اور انگلیوں کی جڑ سے، (حالانکہ وہ مرا نہیں) اور مرنے والا نہیں کہ مر کے آرام پا جائے، اُس کی روح حلقوم میں اٹکی ہوگی نکلے گی نہیں، کہ وہ کم بخت مر جائے اور نہ تمام بدن میں پھیل جائے گی کہ زندہ رہے، بلکہ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى، 'نہ مرے گا اس میں نہ

جیے گا' کے حکم کے موافق موت اور زندگی کے درمیان میں تڑپ تڑپ کے گزارتا ہوگا (اوراس کے بعد) اُس مصیبت کے علاوہ (بڑا گاڑھا عذاب ہے) اور وہ ہے اس کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ

اُن کی کہاوت جنہوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کا، اُن کے اعمال ہیں جیسے راکھ، جس پر تیز ہوا چلی ہو

فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

آندھی کے دن میں۔نہ پاسکیں گے جو کمار کھا ہے کچھ بھی۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

یہی ہے دراز گمراہی ●

(اُن کی کہاوت جنہوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کا) تو (اُن کے اعمال) ایسے ہیں (جیسے راکھ، جس پر تیز ہوا چلی ہو آندھی کے دن میں) خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کے عمل جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں، جیسے رشتہ داری کا نباہ، عزیزوں سے میل رکھنا، لونڈی غلام آزاد کرنا، مہمانوں کا اعزاز و اکرام، اور ایسے سارے کام خاک کے ڈھیر کے مانند ہیں، کہ اس پر آندھی چلے اور ہوا اس کو اُڑا کر دور دور پراگندہ کردے، تو کوئی اس خاک کو پھر جمع نہیں کرسکتا اور اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔

اُسی طرح قیامت کے دن (نہ پاسکیں گے جو کمار کھا ہے کچھ بھی)۔۔الحاصل۔۔کافر قادِر نہ ہوں گے اس میں سے جو انہوں نے کمائی کی ہے دنیا میں کسی چیز پر، اس واسطے کہ وہ ضائع ہوگئی ہوگی جیسے پراگندہ خاکستر۔پس اُس کے ثواب کا اثر مطلق ظاہر نہ ہوگا۔اَب رہ گئی اِس تعلق سے کافروں کی یہ سمجھ کہ ہم نے نیکی کی ہے: (یہی ہے) ان کی (دراز گمراہی) جو صحیح فکر اور راہِ حق سے نہایت دوُر ہے۔

مذکورہ بالا مثال کے بعد حق تعالیٰ اپنی شانِ قدرت دکھا رہا ہے اور فرما رہا ہے، کہ۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْ

کیا تجھے نہیں سوجھتا؟ کہ اللہ نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک مضبوطی سے۔اگر چاہے

هِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

توتم سب کو ہٹادے، اور نئی مخلوق لے آئے ● اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں ●

(کیا تجھے نہیں سوجھتا)؟ یعنی سجھائی نہیں دیتا اَے دیکھنے والے۔۔یا۔نہیں جانا تو نے اَے جاننے والے (کہ اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک مضبوطی سے) تو یہ قادِر مطلق (اگر چاہے تو) اَے اہلِ مکہ (تم سب کو ہٹادے) اور معدوم کر دے۔ظاہر ہے کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ بدرجہء اولیٰ معدوم کر دینے پر بھی قادر ہے۔۔الغرض۔۔وہ تمہیں مٹادے (اور) تمہاری جگہ (نئی مخلوق لے آئے) جو کفر و تکذیب میں تمہارے مثل نہ ہو۔(اور یہ) یعنی معدوم کرنا اور نئی مخلوق پیدا کرنا (اللہ) تعالیٰ (پر کچھ دشوار نہیں)۔اس واسطے کہ وہ قادِر بالذات ہے اور اُس کی قدرت ایسی نہیں ہے کہ ایک مقدور کے ساتھ ہو اور دوسرے کے ساتھ نہیں، بلکہ سب کے ساتھ اس کی قدرت یکساں ہے۔

وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا

اور حشر میں، کہ سبھی کھلم کھلا حاضر آئے دربارِ الٰہی میں، تو بولے کمزور، ان سے جو بڑے بنتے تھے، ”کہ ہم

كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ

تو درحقیقت تمہارے پیروکار تھے، تو کیا تم ٹال سکتے ہو ہم سے عذاب سے اللہ

مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ

کے کچھ“۔انہوں نے جواب دیا، ”کہ اگر راہ پر لے آتا ہم کو اللہ، تو ہم نے تمہاری رہنمائی کی ہوتی۔یکساں ہے ہمیں

اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ ع

کہ چیخیں چلائیں یا دَم سادھ لیں، ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں“●

ع ۱۵ / ۹ / ۳

(اور حشر میں کہ سبھی) اپنی قبروں سے نکل کر (کھلم کھلا حاضر آئے دربارِ الٰہی میں، تو بولے کمزور) عاجز کافر یعنی تابع سفلے (اُن سے جو بڑے بنتے تھے) قوم کے اشراف رؤسا میں سے، یعنی ان کافروں نے جن کافر پیشواؤں کی پیروی کی ہوگی ان سے کہیں گے، (کہ ہم تو درحقیقت تمہارے پیروکار تھے، تو کیا تم ٹال سکتے ہو ہم سے عذاب سے اللہ) تعالیٰ (کے کچھ)، یعنی دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی، اب یہاں ہم پر جو عذاب الٰہی ہے اس میں سے تم کچھ تو دفع کرو۔

(انہوں نے جواب دیا کہ اگر راہ پر لے آتا ہم کو اللہ) تعالیٰ (تو ہم نے) بھی (تمہاری رہنمائی کی ہوتی)، یعنی اگر ہدایت کرتا اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب سے نجات پانے کی راہ کی، تو ہم ضرور

تمہیں بھی وہ راہ بتادیتے۔مگر یہاں سے نجات کی راہ مسدود اور اس کی درگاہ میں ہماری شفاعت مردود ہے۔وہ مایوس ہوکر کہیں گے آؤ ہم تم مل کر روئیں،پیٹیں،چیخیں چلائیں،شاید حق تعالیٰ ہم پر کوئی دروازہ کھولے اور نجات کی راہ ہمیں بتادے۔پھر پانچ سو ۵۰۰ برس تک چلاّیا کریں گے اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔پھر کہیں گے آؤ صبر ہی کریں،شاید صبر کی کنجی سے فرحت کے دروازے کھلیں۔تو بھی نجات کی خوشخبری انہیں نہ پہنچے گی،پھر کہیں گے (یکساں ہے ہمیں کہ چیخیں چلائیں۔۔یا۔۔دَم سادھ لیں،ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں) یعنی کسی بات سے فائدہ نہیں ہوتا،نہ بے صبری سے نہ صبر سے۔نہیں ہے ہمیں کوئی بھاگنے کی جگہ اور نہ ہی عذابِ دوزخ سے پناہ کی کوئی صورت۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ

اور شیطان بولا،جب سب کا فیصلہ ختم ہوگیا" کہ بے شک اللہ نے وعدہ فرمایا تھا تم سے ٹھیک وعدہ،اور

وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ

میں نے وعدہ کیا تم سے،پھر اس کے خلاف خود کیا،اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا،مگر یہ کہ میں نے

فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ

تم کو پکارا،تو تم نے میری مان لی۔تو مجھے بُرا بھلا نہ کہو،خود اپنے کو بُرا بھلا کہو۔نہ میں تمہارا فریادرس،

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ

اور نہ تم میرے فریادرس۔درحقیقت مجھے انکار ہے اُن سے،جو تم نے شریک ٹھہرایا تھا مجھے پہلے"

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

بے شک اندھیر مچانے والوں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(اور شیطان) یعنی ابلیس (بولا) اُس وقت (جب سب کا فیصلہ ختم ہوگیا) یعنی جب خلق کا حساب کر کے حکمِ الٰہی نافذ ہوگا،کہ جنت والے جنت میں آئیں اور دوزخ والے دوزخ میں جائیں،تو سب دوزخی مجتمع ہوکر ابلیس کو ملامت کریں گے اور ابلیس آگ کے منبر پر چڑھ کر کہے گا،کہ اے شقی آدمیو! اور اے مجھے ملامت کرنے والو! (کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (نے وعدہ فرمایا تھا تم سے ٹھیک وعدہ) کہ حشر ہوگا،جزادی جائے گی،(اور میں نے وعدہ کیا تم سے) جھوٹا وعدہ،کہ نہ قیامت ہے،نہ حساب،اور اگر۔۔بالفرض۔۔ہو بھی تو بُت تمہاری سفارش کریں گے۔

۔۔الغرض۔۔میں نے وعدہ کیا (پھراس کے خلاف خود کیا) یعنی میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سومیں نے اس کے خلاف کیا اور وعدہ خلافی کی۔کلام کا حاصل یہ ہے کہ آج میرا جھوٹ کھل کر سامنے آ گیا۔(اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا) کہ تم پر کفر و گناہ کرنے کے واسطے زبردستی کرتا۔تم نے جو کیا اپنے ارادہ واختیار سے کیا ہے۔سوچو جب میرے پاس اپنے قول کے سچا ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی، تو تم نے اس کو کیوں قبول کیا۔میں نے زبردستی تم سے کفر نہیں کرایا ہاں (مگر یہ کہ میں نے تم کو پکارا) وسوسہ اور فریب دے کر دلیل وحجت کے بغیر، (تو تم نے میری) بات (مان لی) جھٹ پٹ بے تامل اپنا انجام کچھ نہ سوچا۔(تو مجھے بُرا بھلا نہ کہو) صرف وسوسہ دلانے کی وجہ سے۔

میں تو تمہارا کھلا دشمن تھا، اور ایک دشمن دوسرے دشمن کے حق میں وہ بُرائی کرتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی بُرائی نہیں۔اس لیے میں نے تمہارے ساتھ جو کام کیا وہ بہت معمولی ہے۔صرف وسوسہ ہی تو دیا اور کیا کیا؟ اتنی سی بات پر میں ملامت کا مستحق نہیں ہوں۔اگر تمہیں ملامت کرنی ہی ہے، تو (خود اپنے کو بُرا بھلا کہو) کہ تم نے میری فرمانبرداری کی اور حق تعالیٰ نے جو فرمایا تھا کہ۔۔'اے اولادِ آدم نہ بہکا دے تمہیں شیطان'۔۔اُسے نہیں سنا۔۔یا۔۔سن کر اَن سنے بنے رہے۔اور آج حال یہ ہے کہ (نہ میں تمہارا فریادرس اور نہ) ہی (تم میرے فریادرس)۔۔الغرض۔۔ہم دونوں میں کوئی کسی کے کام آنے والا اور اُس کی مصیبت کو دور کرنے والا نہیں۔

(درحقیقت مجھے انکار ہے اُن سے جو تم نے شریک ٹھہرایا تھا مجھے پہلے) دنیا میں۔یعنی تم نے جو شرک کیا تھا اُس سے اب میں بیزار ہو گیا۔(بے شک اندھیر مچانے والوں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے) جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور بدکاروں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے ہیں اور اب اِس اگلی آیت میں مومنوں اور نیکوکاروں کے احوال بیان فرما رہا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور داخل کیے گئے، جو مان چکے تھے اور لیاقت کے کام کیے تھے، باغوں میں، کہ بہتی ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾

نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں اپنے پروردگار کے حکم سے، اُس میں اُن کی دُعائے ملاقات ہے 'سلام'●

اللہ تعالیٰ کے فضل (اور) کرم سے (داخل کیے گئے) قیامت میں حساب وکتاب اور فیصلہء خداوندی کے بعد (جو مان چکے تھے) اُسے جو کچھ خدا کے پاس سے آیا (اور لیاقت کے کام کیے تھے) یعنی اچھے اور مقبول کام انجام دیے تھے (باغوں میں، کہ بہتی ہیں جن کے) درختوں اور مکانوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں اپنے پروردگار کے حکم) اور اِذن (سے)۔ فرشتے انہیں بڑے اعزاز واکرام سے جنتوں میں لائیں گے۔ (اُس میں ان) ملائکہ (کی) یا خود اُن جنتیوں کی ایک دوسرے کو (دُعائے ملاقات ہے سلام) جو دُنیا کی آفات، دُنیا کی حسرتوں۔۔یا۔۔دُنیا کی بیماریوں اور دردوں اور دُنیا کے غموں اور پریشانیوں سے سلامت رہنے پر دلالت کرنے والا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیا تم نے نہیں دیکھا؟ کیسی ضرب المثل بیان فرمائی اللہ نے پاکیزہ کلامی کی، جیسے پاکیزہ درخت،

اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍ

جس کی جڑ مضبوط، اور اُس کی شاخ آسمان میں ● لاتا ہے اپنے میوے ہر وقت

بِاِذۡنِ رَبِّهَا‌ ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۵﴾

اپنے پروردگار کے حکم سے۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ کہاوتیں عام لوگوں کے لیے، کہ وہ سوچیں ●

(کیا تم نے نہیں دیکھا) اور نہیں جانا اَے دیکھنے جاننے والے بندے! کہ تمہارے مومنوں کو سمجھانے کو (کیسی ضرب المثل بیان فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے پاکیزہ کلامی کی) کلمہء طیبہ کی، کہ کلمہء توحید ہے۔۔یا۔۔دعوتِ اسلام کی، کہ اُس کی مثال ایسی ہے (جیسے پاکیزہ درخت)۔ وہ درخت خرما ہو۔۔یا۔۔کوئی اور جنتی درخت۔ (جس کی جڑ) زمین میں (مضبوط) ہے (اور اس کی شاخ آسمان) کے رُخ پر بلندی (میں۔ لاتا ہے اپنے میوے ہر وقت) جب جب خدا نے میوہ دینے کا حکم دیا۔۔۔

علماء نے فرمایا کہ ایک **حین** چھ ۶ مہینے کا ہوتا ہے۔ یہ مدت کھجور کے درخت کی کلی آنے سے پک جانے اور کاٹ لینے تک کی ہے، یعنی اتنی مدت میں گدر پختہ تر خرمے سے نفع دیتا ہے۔۔۔

(اپنے پروردگار کے حکم سے) اور اس کے اِرادے اور پیدا کرنے سے (اور بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (کہاوتیں) اور مثالیں (عام لوگوں کے لیے کہ وہ سوچیں) اور نصیحت پائیں اِس واسطے کہ **مثل** معنی کی صورت بنانا ہے فہم کے آئینے پر، اور معقول کو محسوس کے قریب کردینا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ

اور گندی بات کی مثال جیسے گندہ درخت، جو کاٹ دیا گیا

مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾

زمین کے اوپر سے، نہیں رہ گیا اُس کا ٹھہراؤ●

(اور) اس کے برخلاف **(گندی بات)** یعنی کلمۂ کفر۔۔یا۔۔بُت پرستی کی طرف بُلانے **(کی مثال جیسے گندہ درخت)**۔۔مثلاً: 'اندرائن' جو کہ تلخ اور بدبودار اور اچھی طبیعتوں کو مکروہ معلوم ہوتا ہے، اور خباثت اور کراہت کے ساتھ، **(جو کاٹ دیا گیا زمین کے اوپر سے)** اور اکھاڑ دیا، گیا تو **(نہیں رہ گیا اس کا ٹھہراؤ)** یعنی ثبات واستحکام۔ نہ تو اس کی جڑ زمین کے اندر ہے اور نہ ہی اس کی شاخ ہوا میں۔

ایمان کا درخت کہ اس کی جڑ مومن کے دل میں جمی ہوتی ہے اور اس کے اعمال اعلیٰ علیین کی طرف بلند ہیں اور اس کا ثواب ہر وقت مومن کو پہنچتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس درختِ ایمان کو خرمے کے درخت سے مثال دی، کہ اس کی جڑ بھی اپنی جگہ پر جمی ہوتی ہے اور شاخ اوپر کو چلی جاتی ہے اور اس کا فائدہ ہر وقت خلق کو پہنچتا ہے۔ اور کلمۂ کفر اور بُت پرستی کہ محض بے دلیل ہے۔ کافر مقلد کا دِل اس پر ثابت نہیں رہتا اور ایسا کام بھی اس سے صادر نہیں ہوتا جو مقبول ہے۔ اس کلمۂ کفر کو حق تعالیٰ نے 'اندرائن' کے درخت سے مثال دی ہے، کہ نہ تو اس کی جڑ کو قرار ہے، نہ شاخ کو اعتبار۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ثابت قدم رکھتا ہے اللہ انہیں جو مان گئے ہیں، کلمۃ الحق پر، دنیاوی زندگی میں،

وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ﴿٢٧﴾ ع

اور آخرت میں، اور بے راہ رکھتا ہے اللہ اندھیر مچانے والوں کو۔۔۔ اور اللہ جو چاہے کرے●

(ثابت قدم رکھتا ہے اللہ) تعالیٰ **(انہیں جو مان گئے ہیں)** اور ایمان لا چکے ہیں **(کلمۃ الحق پر)** یعنی سچی اور پکی بات کے ساتھ کہ دلیل یقینی سے ان کے نزدیک ثابت ہوئی اور ان کے دلوں میں جم گئی، اور بعضوں نے کہا کہ قول ثابت کلمۂ طیب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے، کہ حق تعالیٰ اِس پر مسلمانوں کو ثابت رکھتا ہے **(دنیاوی زندگی میں)** یہاں تک کہ بَلا اور فتنے کے زمانے میں صبر

کرتے ہیں اور توحید کے سیدھے ڈھرّے سے لغزش نہیں کرتے، جیسے حضرات زکریا، یحیٰ، شمعون اور ان کے مثل دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام۔

اور بعضوں نے یہ معنی کہے ہیں کہ حق تعالیٰ مومنین کو دنیا میں ثبات دیتا ہے یعنی موت کے وقت ثابت رکھتا ہے، یہاں تک کہ ان کا خاتمہ کلمے ہی پر ہوتا ہے۔

(اور آخرت میں) یعنی ثابت رکھے گا انہیں اُس گھر میں جو آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، تاکہ 'منکر نکیر' کے سوال کا جواب باصواب دیں۔

اور بعضوں نے 'دنیا' سے 'قبر' مراد لی ہے اور آخرت سے وہ مقام اور موقف جہاں اعمال کا سوال ہوگا۔

(اور بے راہ رکھتا ہے اللہ) تعالیٰ **(اندھیر مچانے والوں کو)** یعنی خدا ظالموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، تاکہ کلمہءِ توحید کی طرف وہ راہ نہ پائیں، نہ دنیا میں، نہ قبر میں سوال کے وقت۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(جو چاہے کرے)**۔ چاہے تو کسی قوم کو ثابت رکھے اور چاہے تو اُس کو اُسی کے حال پر چھوڑ دے، تاکہ راہِ توحید اُسے نظر نہ آسکے۔۔تو۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

کیا نہیں دیکھا انہیں جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے میں ناشکری کی؟ اور اتار دیا اپنی قوم کو

دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾

ہلاکت خانہ● جہنم میں۔ اُسی میں جائیں گے۔ اور کتنا بُرا ٹھہراؤ ہے●

(کیا نہیں دیکھا انہیں جنہوں نے اللہ) تعالیٰ **(کی نعمت کے بدلے میں ناشکری کی)** یعنی شکر کی جگہ کفر کیا۔۔یا۔۔نفس نعمت کو کفر سے بدلا، یعنی جب کفرانِ نعمت کیا، تو وہ نعمت ان سے سلب کر لی گئی اور کفر کے سوا انہیں کچھ نہ ہاتھ لگا۔

اِن لوگوں سے اہل مکہ مراد ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حرم کا ساکن کیا اور رزق کے دروازے ان پر کھول دیے۔ جناب **رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم کی نعمت سے انہیں سرفراز کیا اور انہوں نے ناشکری کی اور اس نعمت کی قدر نہ جانی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی تکلیف دی کہ آپ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی۔ آخر

وہ ناشکرے کافر سات برس تک قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوکر عاجز و ناچار اور ذلیل وخوار ہوئے۔ان میں سے بعضے جنگ بدر میں قتل اور مغلوب ہوئے۔یہ بھی مروی ہے کہ اس قوم سے دو قبیلے مراد ہیں کہ قریش کے سب قبیلوں سے زیادہ وہ بدکار اور فاجر تھے، یعنی 'بنو مغیرہ' اور 'بنوامیہ' کہ انہوں نے خدا کی نعمت کو بدل دیا۔

(اور اُتار دیا اپنی قوم کو ہلاکت خانہ۔جہنم میں۔اُسی میں جائیں گے اور کتنا بُرا ٹھہراؤ ہے)، یعنی دوزخ کتنی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا

اور گڑھ لیا، اللہ کے کئی برابر۔تاکہ بھٹکادیں اللہ کی راہ سے۔کہہ دو، کہ رہ لو کچھ،

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

کیونکہ بلاشبہ تمہیں پھرنا ہے جہنم کی طرف ●

(اور) اِن بدبختوں اور ناشکروں نے **(گڑھ لیا اللہ)** تعالیٰ **(کے کئی برابر)** عبادت میں، کہ ان کی پرستش کی۔۔یا۔۔نام رکھنے میں ان کا نام 'اِلٰہ' رکھا **(تاکہ بھٹکادیں)** لوگوں کو **(اللہ)** تعالیٰ **(کی راہ سے)** یعنی راہِ توحید سے۔اَے محبوب! **(کہہ دو کہ رہ لو کچھ)** یعنی فائدہ اٹھالو اپنی آرزوؤں سے۔۔یا۔۔بتوں کی پرستش میں عمر گزار لو۔یہ تہدید ہے یعنی دو چار روز ایسا کرلو۔**(کیونکہ بلاشبہ تمہیں پھرنا ہے جہنم کی طرف)**۔بالآخر تمہیں جہنم رسید ہونا ہے، تو تمہارے لیے یہ 'صرف چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے'۔

اب رہ گئے ہمارے اِطاعت شعار بندے: تو اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

سمجھادو میرے ماننے والے بندوں کو، "کہ نماز کی پابندی رکھیں، اور خیرات کرتے رہیں، جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے،

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

چھپا کر اور جتا کر، قبل اس کے، کہ آئے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید فروخت ہے، اور نہ کسی کافر کا باہمی یارانہ ہے" ●

(سمجھادو میرے ماننے والے بندوں کو کہ نماز کی پابندی رکھیں) اور روزانہ اُسے 'کما حقہٗ' ادا کرتے رہیں **(اور خیرات کرتے رہیں)** اس میں سے **(جو ہم نے ان کو روزی دی ہے)**۔صدقہ نفل

ہوتو (چھپاکر، اور) اگر زکوٰۃ ہوتو (جتاکر)، اس لیے کہ یہی ایک مناسب ترین طریقہ ہے کہ نفل چھپایا جائے اور فرض ظاہر کیا جائے۔۔الحاصل۔۔میرے بندوں سے کہہ دوتا کہ وہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں (قبل اس کے کہ آئے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہے اور نہ کسی کافر کا باہمی یارانہ ہے) اور جب وہاں کوئی خرید وفروخت نہیں ہے، تو یہ بھی ممکن نہ رہا، کہ کوئی اپنی کمی کو کوئی چیز خرید کر پوری کر سکے۔ اور جب وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ رہا، بلکہ بعضے اُس دن بعضوں کے دشمن ہوں گے، تو پھر دوستوں سے نفع طلب کرنے کی شکل بھی نہ رہ گئی۔۔المختصر۔۔وہاں بھی چارہ ساز و کارساز اور حقیقی مددگار وہی۔۔۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اللہ ہے، جس نے پیدا فرمادیا آسمانوں کو اور زمین کو، اور اتارا اوپر سے پانی،

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ

پھر نکالا اُس کے سبب طرح طرح کے پھل تمہاری روزی کے لیے، اور قابو میں کردیا

فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۳۲

تمہارے کشتیاں، کہ چلیں دریا میں اُس کے حکم سے۔ اور قابو میں کردیا تمہارے نہروں کو●

(اللہ) تعالیٰ (ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور اُتارا اوپر سے پانی) یعنی بارش۔ (پھر نکالا اس کے سبب طرح طرح کے پھل تمہاری روزی کے لیے) کہ تم اس سے گزارا کرو (اور قابو میں کردیا تمہارے کشتیاں، کہ چلیں دریا میں اس کے حکم سے) جہاں تم چاہو، (اور قابو میں کردیا تمہارے نہروں کو) تمہارے فائدہ اٹھانے اور صَرف میں لانے کے لیے نہریں جاری فرمادیں۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۳۳

اور پابند کردیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو ہمیشہ کے چلتے پھرتے۔ اور مسخر کردیا تمہارے لیے رات اور دن کو●

(اور پابند کردیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو) جو کہ (ہمیشہ کے) لیے (چلتے پھرتے) ہیں اور ہمیشہ سیر کرنے والے ہیں۔۔یا۔۔اپنے پھرنے اور روشنی دینے میں کوشش کرتے ہیں، اور اس میں کچھ فتور اور قصور نہیں رکھتے۔ (اور مسخر کردیا تمہارے لیے رات اور دن کو) جو ایک دوسرے کے پیچھے پہنچتے ہیں۔ ایک تو سونے اور راحت کے واسطے اور ایک کمائی اور معیشت کے لیے۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

اور بہت کچھ دیا تمہیں جو تم نے مانگا۔ اور اگر گنو اللہ کی نعمت کو، تو اُس کی گنتی نہ کر سکو گے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۳۴ ع

بے شک انسان ہی ہے اندھیر مچانے والا ناشکرا●

(اور) اس کے سوا بھی، (بہت کچھ دیا تمہیں جو تم نے مانگا) اس میں سے جو کچھ نہیں چاہا تم نے اور جو کچھ چاہا تم نے، یعنی جس چیز کی تمہیں حاجت تھی مانگے اور بے مانگے، سب تمہیں عطا فرمائی (اور) اتنا دیا، اتنا دیا، کہ (اگر گنو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو، تو اس کی گنتی نہ کر سکو گے) اللہ کی نعمتوں کی۔ اس فراوانی کے باوجود (بے شک انسان ہی ہے اندھیر مچانے والا ناشکرا)، جو کہ اُس کے شکر سے غافل ہے اور کفر کرتا ہے کہ 'منعم' کی حقیقت سے جاہل ہے۔۔ یا۔۔ **ظَلُوْم** ہے تکلیف میں بے صبری اور شکایت کرتا ہے۔ **كَفَّار** ہے کہ نعمت میں بخل اور خست کرتا ہے اور خیرات کا دروازہ نہیں کھولتا۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اِس نعمت سے مراد حضرت **رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن** ﷺ ہیں کہ بہت بڑے شفیع اور بہت قریب واسطہ ہیں خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان میں اور فی الحقیقہ حضرت ﷺ کے صفاتِ کمال کا حصہ اور آپ کے انوارِ جلال و جمال کی تشریح تصور اور خیال میں آنے سے باہر اور فکر و دانش اُس کے اِدراک میں قاصر ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ

اور جب دُعا کی ابراہیم نے "کہ پروردگارا کر دے اِس شہر کو امن والا، اور بچا لے مجھے

وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ ۳۵

اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے"●

آیاتِ سابقہ میں دلائل سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِس تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، اس لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ تو اِس آیت میں اِس کے مناسب یہ ذکر فرمایا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پرستش سے انکار فرمایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کی دُعا کی، ایک یہ کہ اس شہرِ مکہ کو امن والا بنا دے اور دوسری یہ کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بُت پرستی سے محفوظ رکھ۔۔ چنانچہ۔۔

ارشاد ہے۔۔۔

(اور جب دُعا کی ابراہیم نے کہ پروردگارا! کردے اِس شہر کوامن والا)۔اس سے مقصود یہ ہے کہ مکہ میں امن قائم کرنے کا حکم دے دے اور مکہ کو حرم بنادے، اور حدودِ مکہ میں قتل اور خوں ریزی کو خصوصیت کے ساتھ منع فرمادے۔

لہٰذا مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنادیا، حتی کہ زمانہء جاہلیت میں کفار بھی مکہ مکرمہ میں باہم قتل اور خوں ریزی سے باز رہتے تھے۔ یہ ایک 'تشریعی حُکم' ہے اور اگر کسی نے اس حکم کی مخالفت کی، تو وہ بہر حال آخرت میں عذاب کا مستحق ہوگا، اور یہ 'تکوینی حکم' نہیں ہے کہ ضرور مکہ میں ہمیشہ امن رہے گا۔۔یا۔۔دُعا کا مقصد یہ ہے اس شہر کو ویران ہونے سے محفوظ رکھ۔۔یا۔۔ اس شہر والوں کو محفوظ رکھ۔۔یا۔۔ یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ مکہ امن والا شہر ہے۔ کیونکہ جو خوف زدہ شخص مکہ میں داخل ہوتا ہے، وہ مامون ہو جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے سے شدید مخالفت اور دشمنی کے باوجود جب مکہ میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، تو وہ ایک دوسرے کے شر سے مامون ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح جنگلی جانور جب مکہ میں داخل ہوتے ہیں، تو انسانوں سے نہیں بھاگتے اور مکہ کے حدود کے باہر وہ انسانوں سے بھاگتے ہیں۔

(اور) حضرت ابراہیم کی دوسری دُعا یہ تھی کہ پروردگارا **(بچالے مجھے)** یعنی مجھے بُت پرستی سے اجتناب پر قائم رکھ اور اس پر دوام عطا فرما۔

۔۔یا یہ۔۔کہ آپ نے تواضع وانکسار کے طور پر یہ دُعا کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی احتیاج کو ظاہر کیا اور یہ کہ انہیں ہر حال میں اور ہر وقت اس کے فضل اور کرم کی ضرورت ہے۔

(اور) محفوظ رکھ **(میرے بیٹوں کو)** جو میری صُلب سے پیدا ہوئے ہیں **(بُت پرستی سے)** ۔۔یا۔۔میرے بیٹوں میں جو مومنین ہیں انہیں بچائے رکھ۔

یا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا عام تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی، جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے امامت کے حصول کی دُعا کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی، اور یہ ان کی شان میں کمی کا موجب نہ تھی، اور نہ اُن کی دُعا کی قبولیت کے منافی تھی۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ

"پروردگارا اِن بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہی میں کر دیا۔ تو جو میرے پیچھے چلا، تو بے شک وہ مجھ سے ہے۔

وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

اور جس نے میری نافرمانی کی، تو بلاشبہ تو مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے"●

(**پروردگارا اِن بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہی میں کر دیا**) یعنی یہ بُت بے شمار لوگوں کی گمراہی کا سبب بن گئے (**تو جو میرے پیچھے چلا**) اور میرے دین کی پیروی کی (**تو بے شک وہ مجھ سے ہے**) یعنی میری ملت والوں میں سے ہے (**اور جس نے میری نافرمانی کی**) اُن 'امروں' میں، کہ جو 'نہی شرک' کے علاوہ ہیں۔۔الحاصل۔۔شرک و کفر کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ کبیرہ کر بیٹھا، (**تو بلاشبہ**) ایسے گنہگاروں کا (**تو مغفرت فرمانے والا**) اور (**بخشنے والا ہے**) یعنی تو مہربان اور قادر ہے کہ انہیں بخش دے اور ان پر رحم فرماتے ہوئے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اب خواہ اپنی بے پایاں مہربانی سے بخش دے۔۔یا۔۔ان کی توبہ کی وجہ سے انہیں بخش دے، تجھے ہر بات کا اختیار ہے۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔۔۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ

"پروردگارا بے شک بسا دیا میں نے اپنی اولاد کو جنگل میں، نا قابل کاشت، تیرے محترم گھر کے پاس،

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ

تا کہ پابندی کریں نماز کی، تو کر دے لوگوں کے دلوں کو، کہ جھک پڑیں ان کی طرف،

وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور روزی دے انہیں، طرح طرح کے پھل، کہ وہ شکر گزار رہیں"●

(**پروردگارا! بے شک بسا دیا میں نے اپنی اولاد**) میں سے بعض (**کو جنگل میں**) یعنی ایسے میدان میں جس میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے کھیتی نہیں کی جا سکتی۔۔الغرض۔۔جو (**نا قابل کاشت**) ہے۔

اس تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے زمین شام میں پیدا ہوئے، تو حضرت سارہ علیہا السلام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری

بیوی تھیں انہیں رشک آیا، تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ بات کہی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو ایسی جگہ لے جاؤ جہاں پانی اور آبادی نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تامل کیا، وحی آئی کہ جو سارہ کہتی ہے ایسا ہی کرو، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر شام سے چل کر زمینِ حرم پر آئے اور مکہ معظمہ میں انہیں 'بے انیس' اور 'بے رفیق' چھوڑ دیا اور دُعا کی اَے اللہ میں نے ساکن کیا انہیں ایک غیر آباد اور ناقابلِ کاشت وادی میں۔۔۔

(تیرے محترم گھر کے پاس) یعنی اس زمین کے قریب طوفانِ نوح سے پہلے جہاں تیرا بیت المعمور تھا۔

آج وہ مسجد جو یاقوت۔۔یا۔۔زمرد سے بنی ہوئی ہے چوتھے آسمان پر ٹھیک، کعبہ مکرمہ کے مقابل موجود ہے، ایسا کہ اگر وہاں سے کوئی چیز نیچے ڈال دیں تو کعبے کی چھت پر گرے۔ وہ مسجد طوفانِ نوح سے پہلے اِسی جگہ پر تھی جہاں آج کعبہ ہے۔ اور اُس کو معمور اس واسطے کہتے ہیں، کہ وہ ملائکہ کی زیارت سے ہر وقت آباد ہے۔

پروردگارا! ہم نے اپنی اولاد کو یہاں اس لیے آباد کیا ہے **(تاکہ پابندی کریں نماز کی)** اور تیری عبادت کریں **(تو کردے لوگوں کے دلوں کو کہ جھک پڑیں ان کی طرف)** بعض لوگوں کو کہ کشش محبت کے سبب سے دوڑیں ان کی طرف۔

حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول کر لی اور ان کے واپس آجانے کے تھوڑے عرصے کے بعد چشمہء زمزم جبرائیل علیہ السلام۔۔یا۔۔اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کے اثر سے پیدا ہوا اور قبیلہ جرہم نے وہاں اقامت کی اور روز بروز لوگوں کو اس گھر کا شوق زیادہ ہی ہوا۔

۔۔الختصر۔۔اَے رب! لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے، **(اور روزی دے انہیں طرح طرح کے پھل کہ وہ شکر گزار رہیں)** اور تیری نعمتوں کا شکر کرتے رہیں۔

یہ دُعا بھی قبول ہوگئی۔ باوجود اس کے کہ مکہ ناقابل کاشت زمین تھی، مگر انواع واقسام کے میوے وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ہر موسم میں وہاں ہر موسم کے پھل دستیاب ہوجاتے ہیں اور چونکہ مکرّر دُعا کرنا تضرع و نیاز کی دلیل ہے، اس لیے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ دُعا کی، کہ۔۔۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

"پروردگارا تو بلاشبہ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں، اور جو کچھ ظاہر کریں۔ اور نہیں چھپ سکتا اللہ سے

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں●

(پروردگارا! تو بلاشبہ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں) یعنی تو ظاہر و باطن سب جانتا ہے (اور نہیں چھپ سکتا اللہ) تعالیٰ (سے کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں) اس لیے کہ وہ علم ذاتی کے ساتھ عالم ہے اور اس علم کی نسبت ہر معلوم کے ساتھ یکساں ہے۔۔تو۔۔۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ

ساری حمد اللہ کے لیے، جس نے بخشا مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل واسحٰق۔

اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

بے شک میرا پروردگار پکار کا ضرور سننے والا ہے"●

(ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کے لیے) ہے (جس نے) اپنے فضل سے (بخشا مجھ کو بڑھاپے میں) دو۲ فرزند (اسماعیل واسحاق۔ بے شک میرا پروردگار پکار کا ضرور سننے والا ہے)۔ اِن کلمات میں اس بات کا اظہار ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کر کے خدا سے بیٹے مانگے تھے۔ حضرت اسماعیل چونسٹھ۶۴ برس۔۔یا۔۔ننانوے۹۹ برس کی عمر میں اور حضرت اسحاق نوے۹۰۔۔یا۔۔ایک سو بارہ۱۱۲ سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

"پروردگارا بنائے رکھ مجھ کو نماز کا پابند، اور میری اولاد کو۔ پروردگارا اور قبول فرمالے میری دُعا"●

(پروردگارا! بنائے رکھ مجھ کو نماز کا پابند اور میری اولاد کو) بھی ہمیشہ نماز پڑھنے والا رکھ۔ (پروردگارا!) فضل فرما (اور قبول فرمالے میری دُعا)۔

اُسی دُعا کی برکت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایک جماعت فطرتِ اسلام پر ہوتی رہی اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ۱۸

”اے ہمارے پالنہار مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو، اور میرے ماننے والوں کو، جس دن قائم ہو حساب“●

(اَے ہمارے پالنہار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو)۔

یہ ارشاد واضح دلیل ہے، اس بات کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے۔ اس لیے کہ کافر و مشرک کے لیے مغفرت کی دُعا نہیں کی جاسکتی۔ کافر و مشرک حالتِ کفر میں مغفرت کا محل ہوتا ہی نہیں۔ یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا، جسے اس وقت کے عرف کے لحاظ سے باپ کہہ دیا گیا۔ جس طرح آج کل ہمارے علاقے میں بھی بڑے چچا کو بڑے باپ، بابا، بابا جان وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔ چچا پر **اب** کا اطلاق قرآن کریم میں بھی ہے۔ اِسی لیے سورۂ یوسف میں حضرت اسحاق کو حضور ﷺ کا باپ قرار دیا گیا ہے، حالانکہ نسبی سلسلے کے لحاظ سے وہ آپ کے چچا ہوتے ہیں۔۔ الخضر۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں عرض کیا، اَے رب ہمارے والدین کی مغفرت فرما۔

(اور میرے ماننے والوں کو) بخش دے (جس دن قائم ہو حساب)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں قیامت تک کے ایمان والوں کے لیے دُعائے مغفرت ہو، بالخصوص آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لیے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان کیے، پھر یہ بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی تھی، کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو شرک سے محفوظ رکھے اور ان کو دُنیا میں نیک اعمال کی توفیق دے اور آخرت میں ان کی، ان کے والدین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے، اور چونکہ طلبِ مغفرت کے ضمن میں یہ مطلوب آ گیا تھا کہ قیامت قائم ہوگی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت پر دلیل قائم فرمائی اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا۔

اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ مظلوم کا ظالم سے انتقام نہ لے، تو لازم آئے گا۔۔ یا۔۔ تو اللہ تعالیٰ ظالم کے ظلم سے لاعلم اور غافل ہے۔۔ اور یا۔۔ اس سے انتقام لینے سے عاجز ہے۔۔ اور یا۔۔ اس کے ظلم پر راضی ہے۔ اور جب یہ تمام امور اللہ تعالیٰ پر محال ہیں، تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن تمام انسان، یہ جہان اور اس کی تمام چیزیں فنا

کردی جائیں گی، اور تمام چیزوں کا فنا ہوجانا ہی قیامت ہے۔ اس کے بعد حشر اور روزِ حساب ہوگا اور ظالم کو اس کے ظلم پر سزا دی جائے گی اور مظلوم کو اُس کی مظلومیت پر جزا دی جائے گی۔۔ الحنتصر۔۔ دامن رسالت مآب سے وابستہ رہنے والو! اللہ تعالیٰ کی شانِ علم وخبر سے واقف رہو۔۔۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور نہ سمجھو اللہ کو غافل، اندھیر مچانے والوں کے کرتوت سے۔۔۔ وہ صرف مہلت دیتا ہے انہیں،

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾

اس دن کے لیے کہ پھٹی رہ جائیں گی جس میں اُن کی آنکھیں●

(اور نہ سمجھو اللہ) تعالیٰ (کو غافل اندھیر مچانے والوں کے کرتوت سے)۔

یادرہے کہ اس طرح کی 'نہیوں' میں خطاب تو نبی کریم کی طرف ہوتا ہے، لیکن مراد آپ کے غیر ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ اسلوب عام طور سے استعمال فرمایا گیا ہے۔

(وہ صرف مہلت دیتا ہے انہیں، اُس دن کے لیے کہ پھٹی رہ جائیں گی جس میں ان کی آنکھیں) یعنی نظروں پر دیکھنے سے ہول طاری ہوگا۔۔۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ

بے تحاشہ دوڑتے، اپنا سر اٹھائے، اُن کی پلک جھپکتی نہیں۔

وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

اور دل قابو سے باہر●

(بے تحاشہ دوڑتے اپنا سر اُٹھائے) ہوئے **(اُن کی پلک جھپکتی نہیں)** اُن کی طرف یعنی ان کی آنکھیں چڑھ کر ویسی ہی رہ گئی ہوں گی کہ وہ لوگ اپنے تئیں نہ دیکھ سکیں گے۔ **(اور دل قابو سے باہر)** ہوجائیں گے، یعنی وحشت اور حیرت کے غلبہ کے سبب اُن کے دِل عقل وفہم سے عاری ہوجائیں گے۔۔ الحنتصر۔۔ اے محبوب! بتادو۔۔۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ

اور ڈر سنادو لوگوں کو اُس دن کا، کہ آئے گا ان پر عذاب، تو کہیں گے اندھیر مچانے والے، "کہ پروردگارا

اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ

ہمیں مہلت دے دے تھوڑی مدت کی۔ کہ ہم پیغام قبول کرلیں تیرا، اور رسولوں کے پیچھے پیچھے حاضر رہیں"۔

اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍۙ ﴿۴۴﴾

تو "کیا تم قسم نہیں کھایا کرتے تھے پہلے؟ کہ تمہیں کبھی زوال نہیں"●

(اور ڈرسنادو) مکہ کے (لوگوں کو اُس دن کا کہ آئے گا ان پر عذاب)۔ وہ مرنے کا دن ہو --یا-- قیامت کا روز، (تو کہیں گے اندھیر مچانے والے کہ پروردگارا! ہمیں مہلت دے دے تھوڑی مدت کی، کہ ہم پیغام قبول کرلیں تیرا اور رسولوں کے پیچھے پیچھے حاضر رہیں) اور ان کی پیروی کریں۔ ان کے جواب میں فرشتے کہیں گے (تو کیا تم قسم نہیں کھایا کرتے تھے پہلے؟ کہ تمہیں کبھی زوال نہیں) یعنی ہمیشہ دُنیا ہی میں رہیں گے آخرت میں نہ جائیں گے۔

وَّسَكَنْتُمْ فِىْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ

اور بسے تم اُن کے گھروں میں، جنہوں نے ظلم کر رکھا تھا اپنے اوپر، اور تمہیں خوب کھل گیا،

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے اُن سے، اور بتائی تھیں تمہیں مثالیں●

(اور بسے) تھے (تم اُن کے گھروں میں) یعنی عاد و ثمود کے رہنے کی جگہوں میں (جنہوں نے ظلم کر رکھا تھا اپنے اوپر اور تمہیں خوب کھل گیا) یعنی تم پر اچھی طرح ظاہر ہوگیا تھا (کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان سے) یعنی ان کے گھروں میں ہمارا عذاب نازل ہونے کے آثار تم نے دیکھ لیے تھے (اور بتائی تھیں تمہیں مثالیں) یعنی بیان کردی تھیں تمہارے واسطے مثالیں ان کے حال کی۔۔۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ

اور بے شک انہوں نے چلائے اپنے جیسے داؤں، اور اللہ کے پاس ہے اُن کے داؤں کا انجام۔ اور اُن کا

مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

ایسا داؤں بھی نہ تھا، کہ ٹل جائیں جس سے یہ اسلامیات کے پہاڑ●

(اور بے شک انہوں نے چلائے اپنے جیسے داؤں) اور کوشش کی انہوں نے مکر کرنے میں

جونہایت مرتبے پران کا مکر تھا۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے ان کے داؤں کا انجام) اور ان کے مکر کی جزا۔ (اور) خیال رہے کہ (ان کا ایسا داؤں بھی نہ تھا، کہ ٹل جائیں جس سے یہ اسلامیات کے پہاڑ) اور شریعت کے احکام جو پہاڑوں کی طرح اٹل ہیں۔ یعنی کافروں نے حیلے اور مکر بنائے تا کہ جو چیز ثبات اور استحکام میں پہاڑ کے مثل ہے وہ زائل ہو جائے، اور یہ بات محال ہے۔

زیادہ ظاہر یہی ہے کہ مذکورہ بالا ارشاد میں کافروں کے جس مَکر کا ذِکر ہے، وہ کفارِ مکہ کا مکر ہے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے قتل کی سازش کی تھی اور شب ہجرت کو کاشانہ ٔاقدس کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اور پھر وہ خدائی تدبیر کے آگے خائب وخاسر ہو کر ہاتھ ملتے رہ گئے تھے۔

رسولوں نے اپنی امتوں سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی اور سب لوگ مر جائیں گے اور سب چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور سب انسانوں سے حساب لے گا۔ مومنوں اور پرہیزگاروں کو جزا دے گا اور کافروں اور ظالموں کو سزا دے گا۔ اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر قیامت قائم نہ ہو اور ظالموں کو سزا اور مظلوموں کو جزا نہ دی جائے، تو ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزا کے رہ جائیں گے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو خیال بھی نہ کرنا اللہ کو، اپنے رسولوں سے کئے وعدہ کے خلاف کرنے والا۔ بے شک اللہ

عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ﴿۴۷﴾

غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے ●

(تو خیال بھی نہ کرنا اللہ) تعالیٰ (کو اپنے رسولوں سے کیے) ہوئے (وعدہ کے خلاف کرنے والا۔ بے شک اللہ) تعالیٰ (غالب ہے) اور (بدلہ لینے والا ہے)، دوستوں کا بدلہ دشمنوں سے نکالے گا۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرما لیا ہے کہ 'ہم نصرت دیں گے رسولوں کو' اور لکھ لیا ہے اللہ نے کہ 'غالب ہوں گا میں اور میرے رسول'، تو ان وعدوں کے خلاف نہ اس نے کیا ہے اور نہ کرے گا، اور اپنے محبوب کو دشمنوں پر ضرور مظفر ومنصور فرمائے گا۔

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ

جس دن بدل دی جائے گی زمین اِس زمین کے علاوہ، اور سارے آسمان،

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

اور سب نکل پڑے اللہ کے لیے، اکیلا غالب ●

(جس دن بدل دی جائے گی زمین، اِس زمین کے علاوہ اور سارے آسمان) بدلے جائیں گے دوسرے آسمان سے۔

پہلی دفعہ ان کی صرف صفت تبدیل ہوگی اور یہ پہلے 'نفخ صور' سے پہلے کی بات ہے، اُس وقت آسمان کے ستارے جھڑ جائیں گے، اور سورج بے نور ہو جائے گا، اور چاند کی چاندنی ختم ہو جائے گی۔ یعنی چاند سورج دونوں بے نور ہو جائیں گے اور سارے کا سارا عالم دھوئیں کی صورت میں نظر آئے گا، اور کبھی کالے تیل کی طرح ہوگا اور زمین کی تمام عمارتیں مٹ جائیں گی، اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔ اور پہاڑ ہوا میں بادل کی طرح اُڑتے نظر آئیں گے۔ دریا، ندی نالے سب خاک میں مل جائیں گے۔ اور درخت بھی کٹ کر مٹی ہو جائیں گے۔ اِس طرح زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ دوسری بار زمین و آسمان کی حقیقت یعنی ذات تبدیل ہوگی اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب محشر میں اہل محشر ٹھہریں گے، زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔

(اور) ایسے عالم میں (سب نکل پڑے) اپنی قبروں سے (اللہ) تعالیٰ (کے لیے) یعنی اس کے محاسبے کے واسطے جو (اکیلا) ہے اور (غالب) ہے۔ یعنی وحدہٗ لاشریک اور قہار و جبار ہے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾

اور دیکھو گے مجرموں کو اُس دن، جکڑے ہوئے زنجیروں میں ●

(اور دیکھو گے مجرموں کو اُس دن جکڑے ہوئے زنجیروں میں) یا طوقوں میں باہم باندھے اور اکٹھا کیے ہوئے، عقائد و اعمال میں مشارکت کے موافق۔۔یا۔۔ ہر ایک کو اُس شیطان کے ساتھ باندھے ہوئے جو اُسے وسوسہ دیتا تھا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

اُن کے کرُتے رال کے، اور چھائی ہے اُن کے چہروں پر آگ ●

(اُن کے کرُتے رال کے)، جو ایک سیاہ اور غلیظ چیز ہوتی ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ وہ پہاڑی سرو کا گوند ہے جسے پکا کر خارش زدہ اونٹوں پر طلا کرتے ہیں کہ اپنی حدت سے خارش کو جلا دے۔ قیامت کے دن دوزخیوں کی کھالوں پر لگائیں گے، تاکہ اس کی حدت اور شدت سے اس کے رنگ کی وحشت اور اُس کی بدبو اور اس میں جھٹ پٹ آگ لگ جانے سے ان پر عذاب ہو۔ اور بعضوں نے کہا کہ دُنیا کے قطران اور دوزخ کے قطران میں اتنا تفاوت ہے، کہ جتنا دنیا کی آگ اور دوزخ کی آگ میں تفاوت ہے، تو دوزخ کا قطران ان کے اعضاء پر لگا دیں گے۔

(اور) پھر یہ صورت حال ہوگی کہ جیسے **(چھائی ہے اُن کے چہروں پر آگ)** آگ ان کے چہروں پر ایسا چھا جائے گی کہ چہرہ آگ میں چھپ جائے گا۔ یہ قبروں سے کس کے لیے نکلیں گے؟۔۔۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾

تاکہ بدلہ دے اللہ ہر ایک کو جو اُس نے کمایا۔ بے شک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے ●

(تاکہ بدلہ دے اللہ) تعالیٰ **(ہر ایک کو جو)** کچھ **(اس نے کمایا)** ہے۔ **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(جلد حساب کرنے والا ہے)** بندوں کا، اس لیے کہ ایک کا حساب دوسرے کے حساب سے اُسے باز نہیں رکھتا۔۔۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یہ پیغام ہے سب انسان کے لیے، اور تاکہ وہ اس سے ڈرائے جائیں، اور جان لیں کہ صرف وہ اکیلا معبود

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع

ع ۷/۱۱ ۱۹

اور تاکہ سبق لیں عقل والے ●

۔۔الحاصل۔۔ **(یہ)** یعنی قرآنِ کریم۔۔ یا یہ۔۔ جو اِس سورت میں نصیحت ہے **(پیغام ہے سب انسان کے لیے)** اور کفایت ہے لوگوں کو، تاکہ نصیحت کیے جائیں اس کے ساتھ **(اور تاکہ وہ اس سے ڈرائے جائیں اور جان لیں کہ صرف وہ اکیلا معبود)**۔ اُن قدرت کی دلیلوں میں فکر اور تامل کریں جو اس میں مذکور ہیں۔ **(اور تاکہ سبق لیں عقل والے)** یعنی البتہ چاہیے کہ نصیحت پکڑیں عقل والے اور جس چیز سے 'نہی' ہے اس سے باز رہیں، اور جن کاموں کا حکم ہے، ان پر قیام کریں، اور ہمیشہ ان پر عملدرآمد کرتے رہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲۱ر اگست ۲۰۱۰ء

بروز شنبہ۔۔سورۂ ابراہیم کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

رب کریم پورے قرآن کریم کی تفسیر کو مکمل

کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بِجَاہِ سَیِّدَالمُرسَلِین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲۲ر اگست ۲۰۱۰ء

بروز یکشنبہ۔۔سورۂ حجر کی تفسیر کا آغاز کردیا اور اس کی

پہلی آیت کی تفسیر کر کے تیرھویں پارہ کی تفسیر کی تکمیل

کردی اور پھر آج ہی چودھویں پارہ کی تفسیر کا آغاز بھی کردیا۔

دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن کریم کی تفسیر کرنے

کی سعادت مرحمت فرمائے اور توفیق خیر عطا فرماتا رہے۔

آمین بِجَاہِ سَیِّدَالمُرسَلِین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ الْحِجْر ۱۵ مَكِّيَّة ۵۴	سُوْرَةُ الْحِجْرِ	اٰيَاتُهَا ۹۹ رُكُوْعَاتُهَا ۶
سورۂ حجر مکیہ		آیات ۹۹ رکوع ۶

اِس سورہ کا نام 'الحجر' ہے، اس لیے کہ اس سورت کی ایک آیت میں یعنی آیت ۸۰ میں 'الحجر' کا ذکر ہے۔ 'حجر' کا معنیٰ 'منع کرنا' ہے۔ عقل کو بھی 'حجر' کہتے ہیں، کیونکہ وہ انسانوں کو غلط اور برُے کاموں سے روکتی ہے۔ جو مکان پتھروں سے بنایا جائے، اس کو بھی 'حجر' کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں، اس لیے ان کو 'الحجر' کہا گیا۔ قرآن کریم میں 'سورۂ الفجر' آیت ۵ میں 'حجر' کا لفظ عقل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ

مجید میں 'سورۂ انعام' کی آیت ۱۳۸ اور 'سورۂ الفرقان' کی آیت ۵۳ میں 'ممنوع' کے معنی میں 'حجر' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔قوم ثمود کی بستی ۔۔یا۔۔ان کے وطن کا نام 'الحجر' ہے۔ یہ جگہ مدینہ اور شام کے درمیان 'وادی القریٰ' میں تھی۔

یہ لوگ پہاڑوں میں کھدائی کر کے پہاڑوں کے اندر اپنے مکان بناتے تھے۔انہی پہاڑیوں میں وہ کنواں تھا، جس سے ایک دن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک دن ان کی قوم پانی پیتی تھی۔ یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چوّن ۵۴ ہے اور یہ 'سورۂ انعام' سے پہلے اور 'سورۂ یوسف' کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں ننیانوے ۹۹ آیتیں اور چھ ۶ رکوع ہیں۔ 'سورۂ ابراہیم' قرآنِ مجید کے ذکر پر ختم ہوئی تھی، اور 'سورۂ الحجر' قرآنِ کریم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔تو اس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے تمام بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور ایمان والے بندوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

ال راء۔۔۔ یہ ہیں کتاب کی اور قرآن روشن کی آیتیں ●

(ال راء)

ان حروف مقطعات سے اپنی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانے ۔۔یا۔۔اس کے بتانے سے وہ جانے جن پر ان کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔خدائے تعالیٰ ہی کے علم دینے سے اس کے محبوبین جانیں ۔۔الختصر۔۔اسلم راستہ یہی ہے، کہ اس کا کوئی معنی نہ بیان کی جائے۔ لیکن علماء نے اس سالم طریقے کی بھی گنجائش دی ہے کہ اس کی ایسی تاویل کی جائے جو کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے اور نہ ہی کسی شان والے کی شان گھٹائے ۔۔چنانچہ۔۔اُسی سالم راستے کو اپناتے ہوئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر ایک حرف، ایک اسم کی طرف اشارہ ہے۔۔چنانچہ۔۔الٓرٰ میں 'الف' اشارہ ہے اسم 'اللہ' کی طرف، اور 'لام' اسم 'جبرائیل' کی طرف اور 'راء' اسم 'رسول' کی طرف۔ یعنی یہ کلام اللہ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے رسول علیہ السلام کو پہنچا۔ حاصل ارشاد یہ ہوا کہ یہ آیتیں جو نازل ہوئی ہیں ۔۔۔

(یہ ہیں کتاب کی اور قرآنِ روشن کی آیتیں)۔

الکتاب اصل کے اعتبار سے عام ہے اور غلبہء استعمال کے اعتبار سے اس خاص کتاب کا عَـلَم یعنی نام ہوگیا، اور قرآن اصل وضع کے اعتبار سے اس کتاب کے لیے عَـلَم ہے۔ چونکہ اہلِ عرب میں الکتاب کا لفظ مانوس اور معروف تھا۔ وہ تورات، زبور اور انجیل کو آسمانی کتابوں کے عنوان سے پہچانتے تھے، اور یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کہتے تھے ۔۔نیز۔۔ جب وہ ضد اور بحث کرتے تھے، تو وحی الٰہی کو کتاب کہتے تھے، جیسا کہ 'سورۂ انعام' کی آیت ۱۵۷ سے ظاہر ہے۔ اِسی لیے کتاب کا ذکر قرآن کے ذکر پر مقدم کردیا ۔۔الختصر۔۔ کتاب اور قرآن، کلام مجید ہی کے دو نام ہیں، جسے لکھی ہوئی چیز اور متعدد مسائل اور مضامین کی جامع ہونے کی وجہ سے کتاب کہہ دیا، اور مسلسل پڑھی جانے ۔۔یا۔۔ اس کی عبارتوں کے باہم متصل ہونے کی وجہ سے، اِس کو قرآن کہہ دیا گیا اور قرآن کا عرفی معنی یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو سیدنا محمد ﷺ پر لفظاً نازل کیا گیا، اور ہم تک ایسی نقل متواتر سے پہنچا کہ کوئی شبہ نہیں ہے۔

۱۴

رُبَمَا

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝۲ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا

بار ہا تمنا کریں گے جنہوں نے کفر کیا، کہ کاش مسلمان ہوتے ● انہیں ہٹاؤ، کہ کھالیں اور رہ سہہ لیں،

وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳

اور مشغول کرلے انہیں لمبی امید، تو جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا ●

(**بار ہا تمنا کریں گے جنہوں نے کفر کیا کہ کاش مسلمان ہوتے**)، اور یہ آرزو دنیا میں ہوگی مسلمانوں کی فتح کے وقت۔۔یا۔۔جب کافروں کو موت کا سامنا ہوگا۔۔یا۔۔قبر میں۔۔یا۔۔قیامت کے دن۔۔یا۔۔حساب کے وقت۔۔یا۔۔جس وقت موحد گنہگار دوزخ سے نکلیں گے اور دوزخ کے دروازے پھر بند کر دیے جائیں گے اور کافر سمجھیں گے کہ دوزخ سے نکلنا ہمیں نصیب نہیں، تو تمنا کریں گے کہ کاش کہ ہم اہلِ اسلام ہوتے۔

اِن کافروں کی اِہانت اور حقارت کرنے کے لیے حکم دیا جا رہا ہے، کہ اَے محبوب! یہ کافر کس گنتی میں ہیں اور یہ کب لائق اعتناء ہیں، تو۔۔۔

(**انہیں ہٹاؤ**) اور اپنے سے دور کر دو، اور ان کو جانے بھی دو، تا (**کہ کھالیں اور رہ سہہ لیں اور مشغول کرلے انہیں لمبی امید**)، یعنی بڑی عمر ہونے اور برقرار رہنے کی توقع، جو معاد کی تیاری اور مآل کے فکر سے ان کے حال کو باز رکھے۔ (**تو جلدی انہیں معلوم ہو جائے گا**) اپنے قول وفعل کا خاتمہ اور اپنا انجام۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

اور نہیں تباہ کیا ہم نے کوئی آبادی، مگر اُس کا جانا بوجھا تقدیر کا لکھا تھا ● کوئی امت نہ آگے بڑھے

اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ

اپنے وقت سے اور نہ پیچھے ہٹے ● اور کفار بکنے لگے کہ "اَے وہ جس پر نازل کیا گیا ہے قرآن، تم بلاشبہ ضرور

لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷

مجنون ہو ● کیوں نہیں لے آتے ہمارے پاس فرشتے، اگر سچے ہو" ●

(**اور نہیں تباہ کیا ہم نے کوئی آبادی مگر اُس کا جانا بوجھا تقدیر کا لکھا تھا**) یعنی اُن کی ہلاکت کے لیے ایک زمانہ طے کر دیا گیا تھا، اور لوحِ محفوظ میں لکھا تھا کہ اتنی مہلت ہوگی اور اِس وقت ہلاکت

ہوگی۔ پھر اس نوشتہ ءتقدیر کے مطابق **(کوئی امت نہ آگے بڑھے اپنے وقت سے، اور نہ پیچھے ہٹے)** یعنی ان کے ہلاک ہونے کا جو وقت مقرر تھا اُسی وقت ہلاک ہوئے، نہ اُس سے قبل ان کی ہلاکت ہوئی اور نہ ہی اس کے بعد۔ اُن کے حالات سے عرب کے کافروں کو سبق لینا چاہیے اور اپنی تمام خام خیالیوں سے باز آجانا چاہیے، اور نبی کریم کے سامنے استہزاء وتمسخر کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیے، مگر اُن کو ہوش نہ آیا **(اور)** وہ عرب کے **(کفار)** بطور استہزاء **(بکنے لگے کہ اَے وہ جس پر نازل کیا گیا ہے قرآن! تم بلاشبہ ضرور مجنون ہو)** یعنی بے شک تو دیوانہ ہے، کہ ہمیں نقد سے اُدھار کی طرف بلاتا ہے۔

یہ کلام ہنسی کی راہ سے تھا، اس واسطے کہ نزول قرآن کا اعتقاد اور دیوانہ پن کی نسبت باہم دُرست نہیں ہوتی۔ پھر ان کافروں نے یہ بات کہی، کہ **(کیوں نہیں لے آتے ہمارے پاس فرشتے)** اپنی رسالت کی گواہی کے لیے **(اگر سچے ہو)**، یعنی تو اگر سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں، تو فرشتے لاکہ ہمارے سامنے تیری رسالت کی گواہی دیں۔

حق تعالیٰ اِس کے جواب میں اِرشاد فرماتا ہے۔۔۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

ہم نہیں نازل فرماتے فرشتوں کو، مگر فیصلہ درست کے ساتھ۔ اور پھر نہ رہ جاتے اُس وقت یہ مہلت پائے ہوئے●

(ہم نہیں نازل فرماتے فرشتوں کو، مگر فیصلہ دُرست کے ساتھ)۔ یعنی وحی کے ساتھ۔۔یا۔۔ عذاب کے ساتھ۔ یعنی کسی فرشتے کو اُس کی اصلی صورت پر اُسی وقت دیکھ سکتے ہو، جب وہ عذاب کے واسطے نازل ہو۔ جیسا کہ قوم ثمود نے جبرائیل علیہ السلام کو سخت آواز کے وقت دیکھا۔۔یا۔۔ جیسے سب لوگ مرتے وقت دیکھتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ اگر عذاب کے فرشتے نازل کیے جاتے **(اور)** یہ لوگ اُنہیں دیکھتے، تو **(پھر نہ رہ جاتے اُس وقت یہ مہلت پائے ہوئے)**۔ یعنی نہ ہوں گے اُس وقت مہلت دیے ہوؤں میں سے جب ملائکہ کو ہم اُن کی صورت میں بھیجتے۔ یعنی فوراً عذاب کیے جائیں گے۔۔ المختصر۔۔ جب فرشتے نازل ہو جائیں گے، تو اُن کو مہلت نہیں دی جائے گی۔

اِس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ جب فرشتے اُن کی روح قبض کرنے آئیں گے، تو اُن کو مہلت نہیں دی جائے گی، اور دوسرا یہ کہ جب فرشتے ان پر عذاب لے کر آئیں گے، تو اُن کو مہلت نہ دی جائے گی۔

لیکن نوشتہء تقدیر میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ آپ 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' کی امت پر ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ پوری قوم نیست و نابود کردی جائے۔۔ بلکہ۔۔ اِس امت کو اُس ذکر کا امین بنادیا جائے گا، جس ذکر کا کفار بطورِ استہزاء نام لیتے ہیں، اور ان کا گمان یہ ہے کہ یہ ذکر خدا کی طرف سے نازل نہیں فرمایا گیا ہے۔ ہوش وحواس کے ساتھ سن لو! کہ۔۔۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ﴿٩﴾

بے شک ہمیں نے اتارا ہے قرآن، اور بلاشبہ ہم ہیں اِس کے نگہبان ●

(بے شک ہمیں نے اُتارا ہے قرآن، اور بلاشبہ ہم ہیں اُس کے نگہبان)۔

قرآن کو ذِکر اِس لیے فرمایا کہ یہ ایمان والوں کا ذِکر ہے۔۔یا۔۔ ذِکر کے معنی شرف کے بھی آئے، تو قرآن اپنے پڑھنے والوں کی عزت وشرف کا سبب ہے۔

یقیناً ہم اُس کے نگہبان ہیں تحریف سے، یعنی شیطان اس میں کچھ باطل نہیں بڑھا سکتا۔۔یا ۔۔حق میں سے کچھ گھٹا نہیں سکتا۔۔یا۔۔ اِس میں خلل پڑنے سے ہم نگہبان ہیں۔۔یا۔۔جس کے دل میں ہم چاہتے ہیں قرآن کی حفاظت کرتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ لَهُ کی ضمیر جنابِ رسول کریم ﷺ کی طرف پھرتی ہے، یعنی دشمنوں کے ضرر پہنچانے سے ہم ان کے نگہبان ہیں۔

اَے محبوب! یہ کفار آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو یہ کافروں کی کچھ نئی عادت نہیں، تو سنو! کہ اپنی مشیت۔۔۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن

اور ہم نے رسول بھیجا تم سے پہلے اگلے شیعوں میں ● اور نہ آتا اُن تک

رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١١﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ

کوئی رسول، مگر وہ اُس کی ہنسی اڑاتے رہتے ● اِسی طرح کی چال ہم چلا رہے ہیں

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾

اِن مجرموں کے دلوں میں ●

(اور) اپنے ارادے سے (ہم نے رسول بھیجا تم سے پہلے، اگلے شیعوں میں) یعنی اگلے

گروہوں میں، (اور) اُن گروہ والوں کا حال یہ رہتا کہ (نہ آتا اُن تک کوئی رسول مگر وہ اس کی ہنسی اڑاتے رہتے) اس رسول سے تکبر وعناد کی وجہ سے، جیسے یہ معاند تیرے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہیں۔

اِس سے رسولِ مقبول ﷺ کو تسلی دنیا مقصود ہے۔

یعنی اَے محبوب! قوم کی ایذاء رسانیوں کے ساتھ کچھ تم ہی خاص نہیں کیے گئے۔۔بلکہ۔۔سب رسول اس بلا میں مبتلا تھے۔ جس طرح انبیاء کی ہنسی کرنا اگلے تکذیب کرنے والوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا (اُسی طرح کی چال ہم چلا رہے ہیں ان مجرموں کے دلوں میں)۔۔چنانچہ۔۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾

وہ نہ مانیں گے یہ، اور گزر چکی ہے یہی راہ اگلوں کی ●

(وہ نہ مانیں گے یہ) یعنی اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے۔ (اور گزر چکی ہے یہی راہ اگلوں کی) ،یعنی ان میں سے جو کوئی ہلاک ہوا، تو حق نہ قبول کرنے اور رسولوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہوا۔

اور یہ اہلِ مکہ کے واسطے وعید ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ کی تکذیب کر کے معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزوں کی فرمائش کرتے اور اصرار کرتے کہ رسالت پر گواہی دینے کے لیے فرشتے نازل ہوں۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾

اور اگر ہم کھول دیتے ان پر آسمانی دروازہ، کہ دن دوپہر چڑھ جاتے اس میں ●

لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٥﴾ ع ۱ ۱۵

تو بھی بکتے کہ "ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے، بلکہ ہم جادو کے مارے ہیں" ●

(اور) یہ ضدی لوگ ایسے تھے کہ (اگر ہم کھول دیتے اُن پر آسمانی دروازہ، کہ دن دوپہر چڑھ جاتے اس میں) اور وہاں کے مناظر دیکھتے۔۔نیز۔۔آسمانی دروازوں سے فرشتوں کے اترنے چڑھنے پر نظر کرتے، (تو بھی) عناد کی راہ سے اور حق میں شک کرنے کی وجہ سے وہ (بکتے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے، بلکہ ہم جادو کے مارے ہیں)، یعنی محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ جس طرح اور معجزے ظاہر ہونے کے وقت کہتے تھے کہ یہ جادو استمراری ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾

اور بے شک بنایا ہم نے آسمان میں کئی بُرج، اور سنوار دیا ہم نے اُسے دیکھنے والوں کے لیے ●

آیاتِ سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ نبوت کے شبہات کا جواب دے کر اُن کا ازالہ فرمایا تھا، اور یہ واضح اور جلی ہے کہ نبوت کا ثبوت اُلوہیت کے ثبوت پر مبنی ہے، تو اب اللہ تعالیٰ اُلوہیت کے دلائل بیان فرمارہا ہے، کہ۔۔۔

(اور بے شک بنایا ہم نے آسمان میں کئی بُرج) یعنی بارہ[۱۲] بُرج مختلف ہیئتوں اور خاصیتوں کے ساتھ۔ **(اور سنوار دیا ہم نے اُسے)**، یعنی آراستہ کردیا ہم نے انہیں صورتوں سے۔۔یا۔۔آسمانوں کو آفتاب، مہتاب اور ستاروں سے سجادیا **(دیکھنے والوں کے لیے)** تاکہ وہ نظرِ عبرت سے اُسے دیکھیں اور انہیں دیکھ کر پیدا کرنے والے کی قدرت پر دلیل پکڑیں۔

وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ

اور بچایا ہم نے اُسے ہر شیطان مردود سے ● مگر جو چوری چھپے گیا سننے کو،

فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ﴿١٨﴾

تو پیچھا پکڑا اُس کا دہکتے شعلے نے ●

(اور بچایا ہم نے اُسے ہر شیطان مردود سے) کہ آسمانوں پر وہ نہیں چڑھ سکتا اور وہاں کے حالات اور خبروں سے وہ نہیں مطلع ہوتا۔ **(مگر جو چوری چھپے گیا سننے کو)**، کہ فرشتوں سے سنی ہوئی بات اُڑالائے **(تو پیچھا پکڑا اُس کا دہکتے شعلے نے)**، یعنی روشن اور چمکتے ہوئے ستارے، شہاب ثاقب نے اور اُسے جلادیا۔

منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک، شیطان آسمان پر جاتے تھے اور ملائکہ جو لوحِ محفوظ کی خبریں پڑھتے تھے اس پر آگاہ ہوکر باتیں اُڑالاتے تھے، اور زمین پر آکر اپنے کاہن دوستوں سے کہتے تھے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، تو شیطانوں کو تین آسمانوں پر جانے کی ممانعت ہوگئی، تو پھر وہ چوتھے آسمان تک جاتے۔ پس جب حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی، تو سب آسمانوں پر شیطانوں کو جانے کی ممانعت ہوگئی، اور انہیں مارنے کو شہاب ثاقب مقرر ہوئے اور کاہنی کے دروازے بالکل بند ہوگئے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

اور زمین کو ہم نے لمبی چوڑی کی، اور گاڑ دیے ہم نے اس میں پہاڑ، اور اُگایا

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

اُس میں ہر چیز نپی تلی●

(اور) یہ بھی ہماری قدرتِ کاملہ کی نشانی ہے کہ (زمین کو ہم نے لمبی چوڑی کی) پانی پر کعبہ کے نیچے سے، (اور گاڑ دیے ہم نے اس میں پہاڑ) جو سر اٹھائے اور قدم جمائے ہوئے ہیں۔ (اور اُگایا اس میں ہر چیز نپی تلی) حکمت کے ترازو میں، یعنی ایک مقدار معین پر اندازہ کی ہوئی۔ ایسی صورت پر جو حکمتِ بے علت نے چاہی۔

--یا یہ-- معنی کہ ہم نے وہ چیز اُگائی جسے تولتے ناپتے ہیں۔--یا-- مَّوْزُوْنٍ 'مستحسن' کے معنی میں ہو۔ یعنی زمین سے ہم نے اچھی اچھی چیزیں اگائیں جن میں کلی منفعتیں ہیں اور وہ چیزیں اشجار اور مزروعات ہیں۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور بنایا ہم نے تمہارے لیے اس میں سامانِ زندگی، اور وہ جس کے لیے تم لوگ روزی دینے والے نہیں●

(اور بنایا ہم نے تمہارے لیے اس میں سامانِ زندگی) جن کے سبب سے تمہارے عیش کا قیام ہے۔ (اور) تمہارے واسطے (وہ) بھی بنایا (جس کے لیے تم لوگ روزی دینے والے نہیں) ہو۔ یعنی تمہارے لیے انہیں بھی بنایا جن کے تم رازق نہیں اور جنہیں ہم رزق پہنچاتے ہیں، یعنی تمہارے خدام، لونڈی اور غلام--یا--سواریاں اور چار پائے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اور کوئی چیز نہیں مگر ہمارے پاس اُس کے خزانے ہیں، اور نہیں اتارتے ہم اُسے مگر جانے بوجھے اندازے سے●

(اور کوئی چیز نہیں) ہے جس کی حاجت آدمی کو ہو (مگر ہمارے پاس)، یعنی ہمارے حکم کے ماتحت (اُس کے خزانے ہیں)، یعنی اُسے پیدا اور ایجاد کرنے پر ہم قادر ہیں۔

یہ اقتدار اور اختیار کے واسطے ضرب المثل ہے۔ اس واسطے کہ اپنی قدرت کی چیزوں کو خزانہ

رکھی ہوئی چیزوں سے تشبیہ دی، کہ اُن کے نکالنے میں کلفت اور زحمت کی احتیاج نہیں۔

(اور نہیں اتارتے ہم اُسے مگر جانے بوجھے اندازے سے) کہ اس سے کم ہوتی ہے نہ زیادہ

۔۔الغرض۔۔ہم اس کوصرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ

اور چلائی ہم نے ہواؤں کو بادل کو بوجھل کرنے والی، پھر برسایا ہم نے بلندی سے پانی، پھر سیراب کیا ہم نے تمہیں اُس سے۔

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾

اور نہیں ہوتم لوگ اُس کے خزانچی ●

(اور چلائی ہم نے ہواؤں کو بادل کو بوجھل کرنے والی) یعنی بوجھ اُٹھانے والی ہوائیں بھیجیں جو ابر کو اٹھانے والی ہیں۔۔یا۔۔جو درختوں کو میووں سے بھاری کردینے والی ہیں۔ **(پھر برسایا ہم نے بلندی سے پانی)** یعنی بارش نازل کی، **(پھر سیراب کیا ہم نے تمہیں اس سے)** یعنی پلایا ہم نے تمہیں وہ پانی اور اس میں تمہیں تصرف عطا کیا، **(اور نہیں ہوتم لوگ اُس کے خزانچی)** یعنی حفاظت کرنے والے، کنویں، تالاب اور چشمے میں، بلکہ ہم اس کے محافظ ہیں۔

۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق۔۔۔

نہیں ہوتم خدا کے خزانہ دار، یعنی اس کے خزانے تمہارے ہاتھ میں نہیں ہیں اور تم جو کچھ خزانہ رکھتے ہو وہ سب اُسی کا خزانہ ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾

اور بے شک ہم ضرور زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں، اور ہم ہی وارث ہیں ●

(اور بے شک ہم ضرور زندہ کرتے ہیں) فنا ہوجانے والے جسموں کو ان میں زندگی ایجاد کرکے، **(اور مارتے ہیں)** زندہ جسموں کو اُن میں سے حیات زائل کرکے۔

۔۔یا یہ۔۔کہ مشاہدے کے انوار سے دِلوں کو ہم زندگی دیتے ہیں، اور مجاہدے کی آگ میں نفسوں کو ہم مار ڈالتے ہیں۔۔یا۔۔طاعتوں کی موافقت کے سبب سے دلوں کو ہم زندہ کرتے ہیں، اور خواہشوں کی متابعت کی وجہ سے ہم مار ڈالتے ہیں۔۔یا یہ۔۔کہ ہم اپنے اولیاء کے دل زندہ کرتے ہیں جمال کی چمک کے نوروں سے، اور ہم ان کے نفس کو مار ڈالتے

ہیں جلال کی نظر کے حملوں سے۔

(اور ہم ہی وارث ہیں)، یعنی خلائق کے فنا ہو جانے کے بعد ہم باقی ہیں۔

اس لیے میراث اُس چیز کو کہتے ہیں جو ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کو پہنچے، تو سب معرضِ فنا میں ہیں اور حق تعالیٰ ہی صفتِ بقا کے ساتھ موصوف ہے۔

وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

اور بے شک جان لیا ہم نے تمہاری صفِ اوّل والوں کو، اور بلاشبہ جان لیا ہم نے صفِ آخر والوں کو●

(اور بے شک جان لیا ہم نے تمہاری صفِ اوّل والوں کو) جنھوں نے اِسلام قبول کرنے میں پہل کی ہے۔ **(اور)** یوں ہی **(بلاشبہ جان لیا ہم نے صفِ آخر والوں کو)** یعنی تم میں سے پیچھے رہنے والوں کو۔

۔۔یا۔۔ تم آدمیوں میں سے تم سے اگلے اور پچھلے سب کو ہم جانتے ہیں۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اب تک جو مر گیا اُسے بھی اور قیامت تک جو مرے گا اُسے بھی۔ گزرے ہوؤں میں سے جو پیدا ہوا تھا اُسے بھی ہم جانتے ہیں اور آنے والوں میں سے قیامت تک جو پیدا ہوگا اُسے بھی۔۔یا۔۔ اگلی اُمتوں کو بھی ہم جان چکے ہیں اور اُمت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جانتے ہیں۔۔یا۔۔ اُسے بھی ہم جانتے ہیں جو صفِ جہاد میں مقدم ہے۔۔یا۔۔ عبادت میں سبقت رکھتا ہے اور اُسے بھی ہم جانتے ہیں جو اُن سے پیچھے رہ گیا۔۔ اِسی طرح۔۔ جو نمازی عورتوں کی صف سے آگے نکل جاتے تھے تاکہ عورتوں پر نظر نہ پڑے، اور جو منافق، عورتوں کی صف سے پیچھے چلے آتے تھے تاکہ گوشۂ چشم سے عورتوں کو دیکھ سکیں، تو اُن اگلے پچھلے دونوں کو میں جانتا ہوں اور اُن کا حال مجھ پر پوشیدہ نہیں ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحۡشُرُهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع۲

اور بے شک تمہارا پروردگار ہی حشر فرمائے گا اُن کا۔ بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے●

(اور بے شک تمہارا پروردگار ہی حشر فرمائے گا اُن کا)، یعنی وہ سب اگلے پچھلے کو اکٹھا کرے گا اور ہر ایک کو جزا دے گا۔ **(بے شک وہ حکمت والا)** ہے اور یقیناً وہ دُرست کام کرنے والا ہے، اور **(علم والا ہے)**۔ یعنی ہر پوشیدہ و آشکارا کا جاننے والا ہے۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿٢٦﴾

اور بلا شبہ پیدا فرمایا ہم نے انسان کو بھنکتی مٹی سے، بُودار سیاہ گارے کی ●

(**اور بلا شبہ پیدا فرمایا ہم نے انسان کو**) یعنی آدم علیہ السلام کو (**بھنکتی مٹی سے**)، کہ جب اس پر ہاتھ ماریں تو پکّے برتن کی طرح آواز دے۔ وہ مٹی (**بُودار سیاہ گارے کی**) تھی۔

وہ مٹی کالی کیچڑ سے بنی تھی جو پانی میں بہت رہنے کے سبب سے بُودار ہوگئی، جیسے وہ کیچڑ جو حوض اور نہر کی تہہ میں ہوتی ہے۔ اِس کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا، اس طرح کہ اپنے لطف وکرم کا پانی اُس خاک پر برسایا یہاں تک کہ وہ کیچڑ ہوگئی، پھر مدت تک اُسے چھوڑ دیا کہ وہ سیاہ مٹی ہوگئی۔ تو اُسے بہت اچھی ترکیب پر صورت بنائی۔ وہ خشک ہوکر صلصال کے مرتبے کو پہنچ گئی۔ حق تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی قومِ جن کو پیدا فرمادیا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ اِرشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿٢٧﴾

اور قومِ جن کو پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلے ہی، بے دھوئیں کی آگ سے ●

(**اور قومِ جن کو پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلے ہی بے دھوئیں کی آگ سے**)۔ جو مسام میں گھس جاتی ہے اور اُس سے صاعقے پیدا ہوتے ہیں جسے لُو کہتے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ بقول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ دنیا کی سموم اُس **سموم** کے ستّر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، جس سے **جان** یعنی جنوں کا باپ پیدا کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ انسان وجان کی تخلیق کے ذِکر کے بعد اِن دونوں کے تعلق سے ایک اہم واقعہ کی تفصیل ارشاد فرمارہا ہے۔ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ خَالِـقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ

اور جب کہ جتادیا تھا تمہارے پروردگار نے سارے فرشتوں کو، کہ بے شک میں پیدا فرمانے والا ہوں، چہرے مہرے والے

حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿٢٨﴾ فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ

انسان کو بھنکتی مٹی سے، بُودار سیاہ گارکی ● تو جب میں نے اُس کو سڈول کردیا، اور اُس میں اپنی طرف سے جان ڈال دی،

فَقَعُوا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾

تو اُس کے لیے گر پڑو سجدہ کرتے ہوئے ●

(اور) اپنے علم و اِدراک میں حاضر کرلو اس صورتِ واقعہ کو، (جب کہ جتادیا تھا تمہارے پروردگار نے سارے فرشتوں کو) زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کو، (کہ بے شک میں پیدا فرمانے والا ہوں چھرے مہرے والے انسان کو بھنکتی مٹی سے، بودار سیاہ گارے کی ● تو) اَے فرشتو! (جب) تمہیں یہ نظر آئے، کہ (میں نے اُس کو سڈول کردیا) اور اس کی صورت اور ہیئت دُرست کردی، (اور) پھر (اس میں اپنی طرف سے) اپنی ہی پیدا کردہ (جان ڈال دی، تو اس کے لیے گر پڑو سجدہ کرتے ہوئے) یعنی ان کی تعظیم وتحیت کے لیے اُن کے روبرو زمین پر پیشانی ٹیک دو۔

گر پڑنے کے لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سجدۂ ملائکہ کے تعلق سے جو مختلف اقوال ہیں، اس میں یہی قول زیادہ صحیح اور راجح اور کلمۂ قرآنی کے قریب ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ملائکہ کا سجدہ بھی زمین پر پیشانی ٹیک دینے والا ہی تھا۔ اور چونکہ اس طریقے سے تعظیم کرنے کی ممانعت نہیں فرمائی گئی تھی، اس لیے اِس کو قبول کرلینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ

چنانچہ سجدہ کیا سارے فرشتوں نے سب مل کر ● سوا ابلیس کے۔ انکار کردیا کہ

السّٰجِدِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٣٢﴾

سجدہ کرنے والوں سے ہو ● فرمان ہوا کہ "اے ابلیس، تجھے کیا ہوا؟ کہ سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا" ●

(چنانچہ) خدائی حکم کو پاکر (سجدہ کیا سارے فرشتوں نے سب مل کر) ایک ہی بار (سوا ابلیس کے)، اُس نے اِس بات سے (اِنکار کردیا کہ سجدہ کرنے والوں سے ہو)۔ اُس کا یہ اِنکار تکبر کی وجہ سے تھا، تو (فرمانِ) الٰہی (ہوا کہ اَے ابلیس تجھے کیا ہوا؟) اور تیری غرض کیا تھی؟ (کہ) تو (سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا)۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿٣٣﴾

بولا، کہ "میں ایسا نہیں، کہ سجدہ کروں ایک بشر کے لیے، جس کو پیدا فرمایا تو نے بھنکتی مٹی سے، بدبودار سیاہ گارے کی" ●

(بولا، کہ میں ایسا نہیں) ہوں اور اپنے کو اتنا پست نہیں سمجھتا (کہ سجدہ کروں ایک بشر کے

لیے)، اور وہ بھی ایسے بشر کے لیے (جس کو پیدا فرمایا تو نے بھنکتی مٹی سے بد بودار سیاہ گارے کی) یعنی خاک جو بدتر عناصر ہے، اُس سے تو نے اُسے پیدا کیا اور مجھے اُس سے بہتر آگ سے پیدا کیا۔ تو رُوحانی لطیف جسمانی کثیف کا کیوں فرمانبردار ہو۔

ابلیس نے یہاں اپنی بڑی ہی بے بصری اور بے بصیرتی کا مظاہرہ کیا، اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے ظاہر کو تو دیکھا لیکن باطن سے غافل رہا۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ جس صورت کو تو ویرانہ سمجھ رہا ہے، اِسرار کا خزانہ اِسی ویرانے میں مدفون ہے۔۔ الغرض۔۔ اس نے حضرت آدم کو دیکھا، مگر حضرت آدم میں نہ دیکھ سکا۔۔۔ حضرت آدم کو دیکھا، عناصر اربعہ کا مجسمہ دیکھا، خاک کا پیکر دیکھا۔ اگر حضرت آدم میں دیکھتا، تو خلافتِ اِلٰہی کے جلوے دیکھتا، نبوت و رسالت کی تجلیاں نظر آتیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نورِ محمدی ﷺ کو ان کے پیکرِ خاکی میں موجود پاتا اور اس پر واضح ہو جاتا، کہ گو جہتِ سجدہ سیدنا آدم علیہ السلام ہے، لیکن یہ سجدہ درحقیقت نورِ محمدی ﷺ کے لیے تھا، جو پشتِ سیدنا آدم علیہ السلام میں موجود آپ کی پیشانی کو جگمگا رہا تھا۔ جب ابلیس نے اپنی سرکشی کا مظاہرہ کیا، تو۔۔۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ

حکم ہوا، "کہ پھر تو نکل جا اس جنت سے، کیونکہ تو بلاشبہ مردود ہے ● اور بے شک تجھ پر لعنت ہے

إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾

قیامت تک" ● بولا، کہ "میرے رب، تو پھر مہلت دے مجھ کو اُس دن تک کہ سب لوگ اٹھائے جائیں" ●

(حکم) خداوندی (ہوا کہ پھر تو، نکل جا اس جنت سے)۔۔یا۔۔ ملائکہ کے زُمرے سے۔۔یا۔۔ اُس مرتبے سے جو تجھے حاصل تھا، (کیونکہ تو بلاشبہ مردود ہے) راندۂ درگاہ ہے، کہ کسی خیر و کرامت کا مستحق نہیں۔ (اور بے شک تجھ پر لعنت ہے قیامت تک) یعنی قیامت کے روز تک تو تجھ پر لعنت کریں گے، اور پھر تجھ پر ایسا دائمی عذاب ہوگا کہ تو لعنت بھی بھول جائے گا۔ (بولا کہ میرے رب تو پھر مہلت دے مجھ کو اُس دن تک کہ سب لوگ اٹھائے جائیں)۔ ابلیس کی غرض یہ تھی کہ مروں نہیں، اس واسطے کہ وہ جانتا تھا کہ بعث کے بعد موت نہیں۔

حق تعالیٰ نے ابلیس کی اِس خواہش کو رَد نہیں فرمایا۔۔ چنانچہ۔۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۳۸

ارشاد ہوا کہ "منظور ہے، تجھ کو مہلت دی گئی ● وقت معلوم کے دن تک" ●

(ارشاد ہوا کہ منظور ہے، تجھ کو مہلت دی گئی)، مگر صرف **(وقتِ معلوم کے دن تک)** کے لیے۔

یعنی نفخۂ اولیٰ تک کے لیے جب کہ ساری مخلوق فنا ہو جائے گی۔

مشہور قول کی رُو سے اُس کے چالیس سال بعد دوسرا نفخہ ہوگا جب سارے مُردے زندہ کر دیے جائیں گے۔ تو ابلیس چالیس سال مُردہ رہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔۔ الغرض۔۔ موت اس پر بھی طاری ہوگی۔۔ قصہ مختصر۔۔ رب تعالیٰ کا ارشاد سننے کے بعد، ابلیس۔۔۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ

بولا، کہ "پروردگارا یہ جو بے راہ رکھا تو نے مجھ کو، تو میں آراستہ دکھاؤں گا گناہ کو انہیں زمین میں، اور ضرور گمراہ کروں گا میں

اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰

ان سب کو ● مگر تیرے وفادار مخلص بندوں کو" ●

(بولا کہ پروردگارا! یہ جو بے راہ رکھا تو نے مجھ کو، تو) میں بھی خاموش ہو کر بیٹھنے والا نہیں۔۔ بلکہ۔۔ جس آدم علیہ السلام کی وجہ سے میری تذلیل ہوئی ہے اور مجھے راندۂ درگاہِ خداوندی کیا گیا ہے، میں اُس کی اولاد کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہوں گا، اور **(میں آراستہ دکھاؤں گا گناہ کو انہیں زمین میں)** جو کہ غرور کا گھر ہے۔ یعنی میں گناہوں کو ان کے نفس کے لیے پُرکشش اور لذت آفریں بنا دوں گا۔ اور اُن کو گناہوں کا ایسا عادی بنا دوں گا، کہ وہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھیں گے۔۔ بلکہ۔۔ اس کو فن اور ہُنر گمان کرنے لگیں گے، اور اُس کی تعبیر تہذیب سے کریں گے۔

اور یہ بڑی خطرناک صورتِ حال ہوگی۔ اس لیے کہ بندہ اگر گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے، تو امید ہے کہ اُسے توبہ کی توفیق مل جائے۔۔ لیکن۔۔ اگر وہ اُسے فن اور ہُنر سمجھنے لگے اور اُسے تہذیب باور کرنے لگے، تو ایسوں کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ ابلیس کے کلام کا حاصل یہ ہے، کہ گمراہ کرنے کے لیے میں ایک ایسا جال بچھاؤں گا جس سے بچ کر نکل آنا آسان نہ ہوگا۔

(اور) بالآخر **(ضرور گمراہ کروں گا میں ان سب کو ● مگر تیرے وفادار مخلص بندوں کو)** جو خالص کر لیے گئے ہیں شرکِ جلی اور خفی کے شائبوں سے، کیونکہ میرا مکر و فریب انہیں اثر نہ کرے گا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

ارشاد ہوا، "یہ ہے سیدھا راستہ میرا ● بے شک میرے پجاریوں پر تیرا کوئی قابو نہیں،

إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِينَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾

مگر جو گمراہوں سے تیرا بندہ بن گیا ● اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ کردہ جگہ ہے"--●--

۳ ع ۱۹ ۲

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴿۴۴﴾

اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے اُن کی بٹی ہوئی پارٹیاں ہیں ●

(ارشاد ہوا، یہ ہے سیدھا راستہ میرا) یعنی ایمان میں یہ اخلاص، جس پر شیطان کا داؤں نہ چل سکے۔ یہی اخلاص کا راستہ وہ راستہ ہے کہ حق ہے مجھ پر اس کی رعایت کا اور یہ سیدھا بھی ہے، کہ اس میں کسی طرح کی کجی نہیں، جو منزلِ مقصود تک جلد پہنچا دیتا ہے۔ **(بے شک میرے پجاریوں پر تیرا کوئی قابو نہیں)** تو، نہ ان پر مسلط ہو سکتا ہے اور نہ ہی انہیں بہکانے اور گمراہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے، **(مگر)** وہ **(جو گمراہوں سے تیرا بندہ بن گیا)** اس پر تو مسلط ہو سکتا ہے۔

(اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ کردہ جگہ ہے) یعنی تیری پیروی کرنے والوں میں سے سب کے سب جہنم رسید ہونے والے ہیں۔ یہ وعدۂ الٰہی ہے جو ہو کے رہے گا۔ **(اس کے)** یعنی جہنم کے **(سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لیے اُن کی بٹی ہوئی پارٹیاں ہیں)**۔

یہاں دروازوں سے طبقے مراد ہیں۔

--الحاصل-- جہنم میں سات طبقے ہیں، ہر طبقے میں جانے کے لیے ایک ایک دروازہ ہے، اِس طرح کُل سات دروازے ہو گئے۔ ہر طبقے کے واسطے ایک قوم مقرر اور معین ہو چکی ہے۔ چونکہ مومن دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے، اس واسطے اُن کے لیے کوئی طبقہ مقرر نہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بقول، پہلا[1] طبقہ دہریوں کے لیے نامزد ہے۔ دوسرا[2] ثنویہ اور عرب کے مشرکوں کے واسطے ہے۔ تیسرا[3] براہمہ کے لیے، کہ مطلقاً رسالت کے منکر ہیں۔ چوتھا[4] یہود کے واسطے۔ پانچواں[5] نصاریٰ کے لیے۔ چھٹا[6] مجوس کے واسطے اور ساتواں[7] منافقوں کے لیے ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ اُدْخُلُوهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِينَ ﴿٤٦﴾

بلاشبہ اللہ سے ڈرنے والے، باغوں اور چشموں میں ہوں گے ● کہ داخل ہو اُس میں سلامتی کے ساتھ، امن کے ساتھ ●

(بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے) جنہوں نے ابلیس کی پیروی سے پرہیز کیا ہے، (باغوں) میں (اور چشموں میں ہوں گے) یعنی ایسی جنتوں میں جن میں دودھ، شراب، وغیرہ کے چشمے جاری ہیں۔ اِن پرہیزگاروں سے فرشتے کہیں گے (کہ داخل ہو اس میں) یعنی ان جنتوں میں ہر آفت سے (سلامتی کے ساتھ) ملے ہوئے۔۔یا۔۔خدا کے سلام کے ساتھ، اس حال میں کہ (امن کے ساتھ) ہوں، یعنی مامون ہوں نعمت زائل ہونے سے۔۔۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِينَ ﴿٤٧﴾

اور ہم نے کھینچ لیا اُن کے سینوں سے کینے کو، بھائی بھائی، اپنے اپنے تخت پر آمنے سامنے بیٹھے ●

(اور ہم نے کھینچ لیا ان کے سینوں سے کینے کو) تا کہ کوئی ایک دوسرے کا مرتبہ دیکھ کر رشک نہ کرے۔ یہ جنتی لوگ آئیں گے جنت میں ایسے حال میں، جیسے کہ (بھائی بھائی) ایک دوسرے کے ساتھ، مہربان اور محبت کرنے والے بھائیوں کی طرح (اپنے اپنے تخت پر آمنے سامنے بیٹھے) ہوں گے۔ وہ تخت سونے کے ہوں گے جواہر سے چمکتے ہوئے۔ اس پر وہ بیٹھیں گے ایک دوسرے کی طرف منہ کیے ہوئے۔

ایک قول ہے کہ جنتی لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ نہ دیکھیں گے، اس واسطے کہ جہاں جائیں گے اور جدھر منہ کریں گے ان کے تخت بھی اُدھر پھر جائیں گے، تو ہر وقت ایک دوسرے کا منہ دِکھے گا۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

نہ چھوئے گی اُن کو اُس میں تکان، اور نہ وہ اُس سے نکالے جائیں گے ●

(نہ چھوئے گی ان کو اس میں تکان) جو رنج و مشقت کا ثمرہ ہے، اس لیے کہ جنت نعمت اور راحت کا گھر ہے۔ (اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے) یعنی ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دو قسمیں ہیں، متقی اور غیر متقی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر فرمایا تھا، اِس اگلی آیت میں اللہ عزوجل نے غیر متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ

کا خاص لطف وکرم یہ ہے کہ بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے، سو یہ اضافت تشریف اور تکریم کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو تاکیدات سے مزین کرکے بیان فرمایا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ میرے بندوں کو بتادیں کہ میں نے اپنے کرم سے اپنے اوپر اپنے بندوں کی مغفرت کو لازم کرلیا ہے۔

اور چونکہ یہ خدشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی وسعت کو سن کر بندے گناہوں پر دلیر نہ ہوجائیں، تو اس کے ساتھ ہی فرمایا "اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے" تاکہ لوگ عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں اور شامتِ نفس سے کوئی گناہ ہوجائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی امید رکھیں اور مایوس نہ ہوں۔ کیونکہ ایمان، خوف اور امید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔۔ الحاصل۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۴۹﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۵۰﴾

باخبر کردو میرے بندوں کو، کہ بلاشبہ میں، ہی مغفرت کرنے والا رحم والا ہوں ● اور بے شک میرا عذاب، وہ تو ہے دکھ دینے والا عذاب ●

وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿۵۱﴾

رکوع لازم

اور بتادو انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال ۔۔●۔۔

(**باخبر کردو میرے بندوں کو کہ بلاشبہ میں، ہی مغفرت کرنے والا**) ہوں اور بخشنے والا ہوں اُسے جو بخشش چاہے۔ اور (**رحم**) کرنے (**والا ہوں**) اس پر جو توبہ کرے۔ (**اور بے شک**) اس گنہگار پر جو توبہ اور استغفار سے انحراف کرے (**میرا عذاب**) ہے۔ کیسا عذاب؟ (**وہ تو ہے دکھ دینے والا عذاب**)۔

محققین نے فرمایا ہے کہ ذات کو مغفرت اور رحمت کے ساتھ وصف کرنے اور عذاب و عقوبت کے ساتھ وصف نہ کرنے میں، وعدۂ مہربانی کی ترجیح اور صفت عفو کی تاکید ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے نبوت پر دلائل دیے، پھر اس کے بعد توحید کو ثابت فرمایا، پھر قیامت کے احوال بیان کیے اور نکوکاروں اور بدکاروں کا حال بیان فرمایا، اب اللہ تعالیٰ انبیاءِ کرام کے واقعات شروع فرمارہا ہے، تاکہ اُن واقعات کو سن کر عبادت کا زیادہ ذوق اور شوق پیدا ہو، اور اُن کے منکرین کے انجام سے عبرت حاصل ہو۔ اِس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

(**اور**) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! (**بتادو انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال**)۔

یعنی اُن تین ۳ ۔یا۔ آٹھ ۸ ۔یا۔ بارہ ۱۲ فرشتوں کی خبر۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے اور قومِ لوط کو ہلاک کرنے کو حضرت ابراہیم پر نازل ہوئے تھے۔

اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنۡكُمۡ وَجِلُوۡنَ ﴿۵۲﴾

جب وہ آئے، تو بولے کہ 'سلام'۔ جواب دیا کہ "واقع میں ہم تم سے ڈر رہے ہیں" ●

قَالُوۡا لَا تَوۡجَلۡ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيۡمٍ ﴿۵۳﴾

سب بولے کہ "مت ڈریئے، ہم آپ کو خوش خبری دیتے ہیں ایک علم والے فرزند کی" ●

(جب وہ آئے تو بولے کہ "سلام")، یعنی کرتے ہیں ہم تجھ پر سلام۔ حضرت ابراہیم نے (جواب دیا کہ واقع میں ہم تم سے ڈر رہے ہیں)۔

ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ بے اِذن اور بے وقت آئے تھے۔۔یا۔۔ یہ سبب تھا، کہ ابراہیم علیہ السلام نے آدمی سمجھ کر کھانا فرشتوں کے سامنے حاضر کیا اور انہوں نے نہیں کھایا۔

فرشتے یہ بات سن کر (سب بولے کہ مت ڈریئے، ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں ایک علم والے فرزند کی)، یعنی جب وہ سن بلوغ کو پہنچے گا، تو اُسے علمِ نبوت حاصل ہوگا۔

قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِىۡ عَلٰٓى اَنۡ مَّسَّنِىَ الۡكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ﴿۵۴﴾

جواب دیا کہ "کیا تم نے بشارت مجھ کو اس پر دی ہے کہ میرا بڑھاپا آگیا؟ تو کس سبب سے مژدہ دے رہے ہو؟" ●

حضرت ابراہیم نے (جواب دیا کہ کیا تم نے بشارت مجھ کو اس پر دی ہے کہ میرا بڑھاپا آگیا؟) بوڑھے آدمی کو بیٹا کیونکر پیدا ہوگا؟ یعنی کیا پھر میں جوان ہوں گا۔۔یا۔۔ اِسی بڑھاپے کی حالت میں بیٹا پیدا ہوگا؟

دراصل اِس کلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھ جیسے بوڑھے پر اتنا فضل عمیم اور لطف عظیم ہو رہا ہے، ورنہ عادتاً یہ بات بعید از قیاس ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس نعمتِ عظمیٰ کو اظہار تشکر کے لیے تعجب کے رنگ میں بیان فرمادیا ہے۔ ورنہ حضرت ابراہیم کے شایانِ شان نہیں، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت سے بعید سمجھ کر تعجب کریں۔

(تو کس سبب سے مژدہ دے رہے ہو)۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ

سب بولے کہ "ہم نے خوش خبری آپ کو دی ہے ٹھیک، تو ناامید نہ ہو جیے" ● جواب دیا کہ "کون ناامید ہوگا

مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

اپنے پروردگار کی رحمت سے، مگر بے راہ لوگ" ●

یہ سن کر (**سب بولے کہ ہم نے خوشخبری آپ کو دی ہے ٹھیک**) صحیح و دُرست، جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، (**تو ناامید نہ ہو جیے**) یعنی اس خوشخبری کے سبب سے امیدوار رہیے، اس واسطے کہ خلق کو بے ماں باپ کے پیدا کرنے پر جو قادر ہے، وہ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ بوڑھے مرد اور بڑھیا بانجھ عورت سے بھی لڑکا پیدا کردے۔ حضرت ابراہیم نے (**جواب دیا کہ کون ناامید ہوگا اپنے پروردگار کی رحمت سے، مگر بے راہ لوگ**) جنہوں نے معرفت کی راہ نہیں پہچانی، اور حق تعالیٰ کے علم و قدرت کا کمال اور رحمت کی وسعت نہیں جانی۔

"ناامید نہ ہو"، فرما کر واضح فرمادیا کہ آپ شک کرنے والوں میں نہ تھے، ورنہ یہ کہا جاتا کہ آپ "شک کرنے والوں سے نہ ہوں"۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت سے فرشتے دیکھے، تو تامل اور سوچ میں پڑ گئے کہ ان سب فرشتوں کو ایک بشارت کے واسطے آنے کی حاجت نہ تھی، ان کے آنے میں اور کوئی بڑا کام ہوگا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

کہا کہ "پھر کیا کام ہے تمہارا اے فرشتو" ● سب بولے کہ "ہم بھیجے گئے ہیں جرائم پیشہ قوم

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ

کی طرف ● سوا اولادِ لوط کے۔ ہم اُن کو ضرور بچالیں گے سب کو ● مگر اُن کی عورت کو،

اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع

کہ طے کردیا ہم نے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے" ●

(**کہا کہ پھر کیا کام ہے تمہارا اے فرشتو!**) یعنی تمہیں کس کام کے لیے اور کس قوم کی طرف بھیجا گیا ہے؟ (**سب بولے کہ ہم بھیجے گئے ہیں جرائم پیشہ قوم کی طرف**) تاکہ انہیں ہم ہلاک کردیں (**سوا اولادِ لوط کے۔ ہم ان کو ضرور بچالیں گے سب کو**)۔۔ الغرض۔۔ ان کے پورے خاندان کو بچالیں

گے (مگران کی عورت کو)، کیوں (کہ طے کردیا ہم نے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے) یعنی جو شہر میں عذاب کے واسطے رہ جائیں گے، وہ عورت ان میں سے ہے۔

فرشتوں نے مقرر کرنے کی نسبت اپنی طرف کی، حالانکہ مقرر کرنا خدا کا کام ہے۔ یہ اس جہت سے ہوسکتا ہے کہ فرشتے مقرب اور مخصوص بندے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کے ساتھ قرب واختصاص رکھتے ہوں، تو مالک کی بجائے اپنے نام اسناد کردیں تو جائز ہے، جیسے کہ بادشاہ کے مخصوص نوکر کہہ دیتے ہیں "ہم نے حکم دیا"۔ حالانکہ وہ حکم اُن کا نہیں ہوتا بلکہ اُن کے مالک کا ہوتا ہے۔ ایسے ہی فرشتوں کا کہنا، اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔۔ المختصر۔۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ

پھر جب آگئے خاندانِ لوط میں فرشتے ● وہ بولے کہ "تم لوگ اجنبی قوم ہو"● سب بولے کہ

جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

"ہم آپ کے پاس لے آئے ہیں جس میں یہ سب شک کرتے تھے● اور ہم آئے ہیں آپ کے پاس فیصلہ برحق کے ساتھ، اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں●

(پھر جب آگئے خاندانِ لوط میں فرشتے) تو (وہ) یعنی حضرت لوط (بولے کہ تم لوگ اجنبی قوم ہو) یعنی میں تمہیں نہیں پہچانتا، (سب بولے کہ) ہم بیگانے نہیں ہیں، بلکہ (ہم آپ کے پاس لے آئے ہیں جس میں یہ سب) نادانی اور عناد کی بنیاد پر (شک کرتے تھے)۔ یعنی ہم اس عذاب سمیت آئے ہیں، تو نے جس کا وعدہ اُن سے کیا تھا اور وہ اُس میں شک کرتے تھے۔۔ الحاصل۔۔ ہم حاضر ہیں (اور ہم آئے ہیں آپ کے پاس فیصلہ برحق کے ساتھ)۔ اِس عذابِ الٰہی کے ساتھ جس کا آنا حق ہے اور جس کے یہ مستحق ہیں، (اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں) اپنی اس بات میں جو آپ کی خدمت میں پیش کی۔۔۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

تو نکال لے جایئے اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ رہتے، اور آپ قافلے کے آخر میں رہیں، اور آپ میں سے کوئی

اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

پیچھے نہ پھرے، اور چلے جایئے جہاں کا حکم دیا جائے"●

(تو نکال لے جایئے اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ رہتے) یعنی جب رات کا ایک حصہ گزر

جائے۔۔الغرض۔۔راتوں رات آپ نکال لے جائیں (اور آپ قافلے کے آخر میں رہیں) تاکہ جلدی چلنے میں ان پر تاکید کرتے رہیں (اور آپ میں سے کوئی پیچھے نہ پھرے)، یعنی تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے، تاکہ عذاب کی سختی نہ دیکھ سکے (اور چلے جایئے جہاں کا حکم دیا جائے)، یعنی شام۔۔یا۔۔مصر۔۔یا۔۔زغر کی طرف، جہاں کے لوگ ہلاک نہ ہوں گے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور فیصلہ سنا دیا تھا انہیں اس معاملہ کا، کہ اُن پچھڑنے والے کافروں کو کاٹ کر رکھ دیا جائے گا صبح کرتے کرتے●

(اور فیصلہ سنا دیا تھا انہیں اِس معاملہ کا) یا وحی بھیجی ہم نے اُن کی طرف اِس کام کی جس کی تفصیل یہ ہے (کہ اُن پچھڑنے والے کافروں کو کاٹ کر رکھ دیا جائے گا صبح کرتے کرتے)۔یعنی تیری قوم صبح کو ہلاک ہوگی کہ اس میں سے ایک آدمی تک باقی نہ رہے گا۔

روایت ہے کہ لوط علیہ السلام کی جورو نے جب خوبصورت مہمان دیکھے، تو قوم سے کہلا بھیجا۔۔۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾

اور آئے آبادی کے لوگ، خوش خوش● لوط نے کہا، کہ "یہ میرے مہمان ہیں، تو مجھ کو تو رُسوا نہ کرو●

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾

اور اللہ کو ڈرو۔اور مجھے ذلیل نہ کرو"● سب بولے کہ "کیا ہم نے تم کو روک نہیں دیا ہے دوسروں کے بارے میں دخل دینے سے"●

(اور) انہیں باخبر کرا دیا، تو (آئے آبادی کے لوگ خوش خوش) خوشخبریاں دیتے ہوئے ایک دوسرے کو، اور مہمانوں کے ساتھ بُرے کام کی نیتِ فاسد رکھتے تھے۔ (لوط نے) ان سے (کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں تو مجھ کو رسوا نہ کرو)، یعنی ایسا کام نہ کرو جو میری رُسوائی کا سبب بن جائے، اور ظاہر ہے کہ جب تم میرے مہمانوں کے ساتھ نازیبا حرکت کرو گے، تو ان مہمانوں کی تذلیل ہوگی، جس میں سراسر میرے لیے بھی رسوائی ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) بُرا کام کرنے میں، (اور) مہمانوں کے سامنے (مجھے ذلیل) و رُسوا (نہ کرو● سب بولے کہ کیا ہم نے تم کو روک نہیں دیا ہے دوسروں کے بارے میں دخل دینے سے)، یعنی ہم تمہیں پہلے منع کر چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ کرو۔۔چنانچہ۔۔ہم جو بھی کریں ہم کو کرنے دو اور غریبوں کی حمایت سے باز آؤ، اس واسطے کہ اُن کی بدکاری غریبوں ہی کے ساتھ خاص تھی۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۷۱﴾

جواب دیا کہ "یہ ہماری بیٹیاں ہیں اگر تم نکاح کرو"●

حضرت لوط نے (جواب دیا کہ یہ ہماری بیٹیاں ہیں اگر تم نکاح کرو)۔

قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں اس لیے فرمایا کہ ہر ایک نبی اپنی امت کے واسطے باپ کی جگہ پر ہے۔۔یا یہ۔۔کہا کہ اگر ایمان لاؤ تو میں اپنی بیٹیاں تمہارے نکاح میں دیتا ہوں۔ حضرت لوط کی یہ شریفانہ بات ان کی سمجھ میں نہ آسکی اور وہ اس پر دھیان نہ دے سکے اور اپنی ہی بات پر اڑے رہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

تمہاری جان کی قسم، وہ بلاشبہ اپنے نشہ میں مدہوش ہیں●

اَے محبوب! (تمہاری جان کی قسم) اس کی وجہ یہ ہے کہ (وہ بلاشبہ اپنے نشہ میں مدہوش ہیں)۔

اِس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم یاد فرمائی گئی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بزرگ کسی کو پیدا نہیں کیا۔۔چنانچہ۔۔ خدائے برتر و بالا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کسی کی زندگی کی قسم یاد نہیں فرمائی۔۔ قصہ مختصر۔حضرت لوط علیہ السلام اپنے لوگوں کو وہاں سے نکال لے گئے اور صبح کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اُس قوم پر چیخ ماری۔۔۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا

تو پکڑ لیا اُن کو چنگھاڑ نے دن نکلتے● تو کر دیا ہم نے اُس کو تہ و بالا،

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۷۴﴾

اور برسایا ہم نے اُن پر کنکر یلے پتھر●

(تو پکڑ لیا ان کو چنگھاڑ نے دن نکلتے)۔یعنی ہول بھری ہلاک کرنے والی آواز نے انہیں اس حال میں اپنی گرفت میں لے لیا، جبکہ وہ آفتاب نکلنے کے وقت میں داخل تھے، اور حضرت جبرائیل نے ان کے شہر اٹھائے اور آسمان کے قریب لے جا کر اُلٹ دیے، (تو کر دیا ہم نے اس کو تہ و بالا اور برسایا ہم نے ان پر) یا اُس قوم کے اُن لوگوں پر جو اُن شہروں میں موجود نہ تھے (کنکر یلے پتھر)۔

ایک قول کے مطابق اُن پتھروں پر اُس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اُسے گرنا تھا اور اُسے ہلاک کرنا تھا۔ ذہن نشین رہے کہ قومِ لوط کو جو ہم نے ہلاک کیا۔۔۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿۷۵﴾

بے شک اُس میں نشانیاں ہیں، قیافہ شناسوں کے لیے ●

(بے شک اس) ہلاک کرنے **(میں نشانیاں ہیں قیافہ شناسوں)** اور فراست والوں (کے لیے) عبرت لینے کو۔ فراست والے وہ ہیں جو عقل کی تیزی کے سبب سے چیزوں کی صورت دیکھتے ہی اُن کی حقیقت پہچان لیتے ہیں اور یہ مومنین کاملین کی صفت ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔حدیث میں آیا ہے، کہ

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔۔۔

روایت ہے کہ خواجہ بزرگ قطب الاخیار خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ ایک دن معرفت کے حال میں کچھ بیان فرمارہے تھے، دفعتاً ایک جوان زاہد صورت آیا، خرقہ پہنے، سجادہ کاندھے پر ڈالے، آکے ایک کونے پر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر یہ بات پوچھی کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے جو یہ فرمایا، کہ

"اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ"

ڈرو مومن کی فراست سے کہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے

۔۔۔اس حدیث کا کیا سِر اور کیا بھید ہے؟

خواجہ قدس سرہ نے فرمایا، اس حدیث کا سر یہ ہے کہ تو زُنّار توڑ اور ایمان لا۔ وہ جوان بولا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا کہ میرے پاس زنار رہے۔ خواجہ نے اپنے خادم سے اشارہ فرمایا، خادم نے اُس جوان کے سَر سے خرقہ کھینچ لیا، تو زُنّار نکلا۔ وہ جوان فوراً زُنّار توڑ کر ایمان لایا۔ خواجہ قدس سرہ نے فرمایا، کہ "یارو آؤ، کہ اس نَومسلم نے جو ظاہر کی زنار توڑ دی ہے، اس کی موافقت کر کے ہم سب بھی باطن کی زُنّاریں توڑ ڈالیں"۔ حاضرینِ مجلس میں غُل پڑ گیا، سب خواجہ قدس سرہ کے قدموں پر گرے اور نئے سِرے سے توبہ کی۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾

اور بے شک وہ چلتے راستہ پر واقع ہے●

اوپر جس علاقے پر عذاب کا ذکر ہوا ہے (اور) اس کے تعلق سے خبر دی گئی ہے (بے شک وہ عذاب شدہ علاقہ (چلتے راستے پر واقع ہے)۔ حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔

عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحرِ لوط، یعنی 'بحیرۂ مردار' کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ اُس کے جنوبی حصہ کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اِس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے کہ جس کی نظیر روئے زمین پر اور کہیں نہیں دیکھی گئی۔

۔۔قصہ مختصر۔۔ بے شک وہ اُلٹی ہوئی بستیاں ایک شاہراہِ عام پر واقع ہیں، یعنی اُن کا محلِ وقوع ایسی جگہ پر ہے جہاں کوئی نہ کوئی ہمہ وقت گزرتا ہے اور ان بستیوں کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ آج بھی مکہ معظّمہ اور ملک شام کے درمیان ان بستیوں کی بربادی کے نشانات محسوس ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کے نشانات ابھی تک باقی ہیں، تاکہ آنے والی نسلیں انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔۔ بالخصوص۔۔ اَے اہلِ قریش یعنی مکے والو اور نبی اکرم کے مخالفو! جب تم وہاں سے گزرو تو ان سے عبرت پکڑو، کیونکہ یہ بستیاں تمہاری گزرگاہ ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾

بے شک اُس میں ضرور نشانی ہے ماننے والوں کے لیے ●

(بے شک) یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے (اس میں ضرور نشانی ہے ماننے والوں کے لیے) جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ قوم لوط کو جو سخت ترین عذاب لاحق ہوا، وہ اُن کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ہوا۔

وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡكَةِ لَظٰلِمِیۡنَ ﴿۷۸﴾

اور بلاشبہ جنگل والے ضرور اندھیر مچانے والے تھے ●

(اور) یوں ہی (بلاشبہ جنگل والے ضرور اندھیر مچانے والے تھے)۔

ایکۃ کا معنی ہے گھنا جنگل، درختوں کا جُھنڈ۔۔ تبوک۔۔ یا۔۔ مدین کے قریب ایک بستی ہے اس کو بھی ایکہ کہتے ہیں۔ 'اصحابِ ایکہ' سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ

ہیں۔اس قوم کا نام بنو مدین تھا۔ مدین ان کے مرکزی شہر کو بھی کہتے تھے اور اُن کے پورے علاقے کو بھی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا۔اِس کا لغوی معنی گھنا جنگل ہے۔آج کل ایک پہاڑی نالے کا نام ہے جو'جبل اللوز' سے 'وادیٔ افل' میں آکر گرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اصحابِ ایکہ کو ظالم قرار دیا، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔راستے میں ڈاکہ ڈالتے تھے اور ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔اِسی لیے اُن کے تعلق سے فرمانِ خداوندی ہے کہ ان کے انہیں ظلم واندھیر کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا۔۔۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ؑ

رکوع ۵ ع ۱۹

پس بدلہ لیا ہم نے اُن سے۔۔۔اور بے شک دونوں آبادیاں شاہراہِ عام پر ہیں●

(پس بدلہ لیا ہم نے ان سے) اور ان دو امتوں کو دو مختلف عذاب دیے گئے تھے۔حضرت شعیب دونوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔۔المختصر۔۔اہل مدین کو ایک چنگھاڑ نے اپنی گرفت میں لے لیا اور اصحابِ ایکہ پر ساتؔ دن تک گرمی مسلط کردی گئی تھی، اور کوئی چیز ان سے تپش کو دور نہیں کرسکتی تھی۔پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا، وہ سب سائے کی تلاش میں اس کے نیچے جمع ہوگئے، اس بادل سے آگ نکلی اور اس آگ نے ان سب کو جلا کر بھسم کردیا۔

(اور بے شک) مذکورہ بالا یہ (دونوں آبادیاں شاہراہ عام پر ہیں) یعنی یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں۔مدین اور اصحاب ایکہ کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین اور شام جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔لوگ اُدھر جاتے ہیں اور اِن شہروں کو دیکھتے ہیں۔ہوشیار ہیں وہ لوگ جو عبرت حاصل کرنے والے ہیں، اور ماضی کے واقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے اپنے حال و مستقبل کو درست کرلینے کی جدوجہد کرتے ہیں۔اس تعلق سے اصحابِ حجر کا واقعہ بھی عبرت آموز۔۔۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ۙ

اور بے شک جھٹلایا حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو●

(اور) نصیحت آمیز ہے۔وہ یہ ہے کہ (بے شک جھٹلایا حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو) یعنی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی، اور ایک رسول کی تکذیب سب رسولوں کی تکذیب

ہے، اس لیے کہ تمام رسول توحید کے داعی اور شرک سے روکنے والے تھے، اور سب کی اصولی اور بنیادی تعلیم ایک تھی، تو کسی ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہوئی۔

وَاٰتَیْنٰہُمْ اٰیٰتِنَا فَکَانُوْا عَنْہَا مُعْرِضِیْنَ ﴿٨١﴾

اور ہم نے دی تھیں انہیں اپنی نشانیاں، تو اُس سے رخ ہٹائے تھے ●

(اور ہم نے دی تھیں انہیں اپنی نشانیاں)، یعنی ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو معجزات عطا کیے۔ ان میں سے ایک عظیم معجزہ پتھر سے اونٹنی کا نکلنا ہے۔ اور وہ اونٹنی بھی عجیب وغریب تھی۔۔ مثلاً بڑی لمبی چوڑی ہونا کہ ہرگز کوئی اونٹ اس کے برابر نہ تھا، اور پیدا ہوتے ہی بچہ دینا، اور اِس کثرت سے دودھ دینا کہ تمام قومِ ثمود کو کافی ہوتا تھا، اور جس دن اس کے پینے کی باری ہوتی، اُس دن پانی کنویں کے لَب پر آجاتا اور وہ ایک ہی بار میں سب پانی پی جاتی۔۔۔

حاصل کلام یہ ہے، کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب نشانیاں ہم نے ثمود کو دیں۔۔۔

(تو) وہ (اُس سے رخ ہٹائے تھے) اور منہ پھیرنے والے تھے اور اُس کے تعلق سے انہیں جو ہدایت کی گئی تھی اُس کا پاس ولحاظ نہیں کیا اور سرکشی پر اتر آئے، یہاں تک کہ انہیں میں سے ایک سب سے بڑے بدبخت نے اُس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

اور وہ تراشتے تھے پہاڑوں سے اپنے اپنے گھر، اطمینان سے ● کہ لے لیا اُن کو

الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾

ایک چنگھاڑ نے صبح کرتے کرتے ●

(اور) ان کا حال یہ تھا کہ (وہ تراشتے تھے پہاڑوں سے اپنے اپنے گھر، اطمینان سے) یعنی تاکہ مطمئن ہوکر رہیں، ایسا کہ ان گھروں کے گر پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اور چونکہ وہ گھر پتھر کے تھے اس لیے اس میں چوروں کے سیند لگانے کا بھی خوف نہ تھا۔۔ یا۔۔ ان کی یہ خام خیالی تھی کہ وہ گھر انہیں عذاب سے بچالیں گے، اور وہ اِن مکانوں میں مامون ومحفوظ رہیں گے۔ وہ سب اِسی سوچ میں تھے (کہ لے لیا ان کو ایک چنگھاڑ نے صبح کرتے کرتے) یعنی یکشنبہ کے روز دن چڑھتے ہی جبرائیل علیہ السلام کی آواز سے ہلاک ہوگئے، جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہوا۔ المختصر۔۔ جب عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔۔

فَمَآ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸۴﴾

تو نہ کام آئے گی اُن کے اُن کی کمائیاں ●

(تو نہ کام آئے گی ان کے ان کی کمائیاں)، یعنی مال ومتاع اور پتھروں سے بنائے ہوئے مضبوط گھر اُن کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کر دیا تھا، اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو رحیم وکریم ہے، پھر عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کرنا اُس کی رحمت اور کرم کے کس طرح مناسب ہے۔ اِن اگلی آیتوں میں اس اعتراض کا جواب ہے۔

جواب کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، تاکہ وہ اس کی عبادت اور اطاعت میں مشغول ہوں اور عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ اور راغب کرنے کے لیے اس نے نبی اور رسول بھیجے، پھر جنہوں نے اُس کے رسولوں کو جھٹلایا اور اُس کی عبادت کو ترک کیا، تو اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان منکروں اور سرکشوں کو ہلاک کر کے روئے زمین کو ان کے وجود سے پاک کر دے۔ اس لیے اس نے آسمانی عذاب بھیج کر منکروں اور کافروں کو ہلاک کر دیا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس نے گزشتہ قوموں کے کافروں کو عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا، تو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتایا کہ قیامت آنے والی ہے اور جب قیامت آئے گی، تو اللہ تعالیٰ آپ کے مخالفوں اور منکروں سے انتقام لے گا، اور آپ کو اور آپ کے متبعین کو ان کے صبر اور ان کی نیکیوں پر اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

وَمَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو اُن کے درمیان ہے مگر ٹھیک۔ اور بلا شبہ قیامت ضرور آنے والی ہے،

فَاصۡفَحِ الصَّفۡحَ الۡجَمِيۡلَ ﴿۸۵﴾

تو بھی خوبی کے ساتھ درگزری سے کام لو ●

(اور) یہ اس لیے کہ ارشادِ ربانی ہے کہ (نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے مگر ٹھیک)، یعنی آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو حق کے ساتھ یعنی

حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔یا۔حق ظاہر ہونے کو۔یا۔حق بیان کرنے کے واسطے پیدا فرمایا ہے، تو اس کی حکمت کے یہ لائق نہیں، کہ وہ آپ کو بے اجر وثواب اور منکرین کا معاملہ بے انتقام یونہی چھوڑ دے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدسلوکیوں پر آپ کو درگزر کرنے کا حکم دیا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا۔۔۔

(اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے، تو ابھی خوبی کے ساتھ درگزری سے کام لو)۔

اُس کے بعد فرمایا۔۔۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

بے شک تمہارا پروردگار ہی بڑا پیدا کرنے والا علم والا ہے ●

(بے شک تمہارا پروردگار ہی بڑا پیدا کرنے والا) ہے خلائق واخلاق کا، اور **(علم والا ہے)** یعنی موافق ومنافق کو جاننے والا ہے۔

یہ اس لیے فرمایا کہ جزا اور سزا دینے پر وہ ہی قادر ہوسکتا ہے جس کو بندوں کے تمام اعمال کا علم ہو، اور چونکہ وہ سب کو پیدا کرنے والا ہے اور سب کے تمام اعمال کو جاننے والا ہے، اس لیے وہ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینے پر قادر ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی زیادتیوں پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا، اور اِس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ انسان جب یہ یاد کرے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں ہیں، تو اُس کے لیے سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾

اور بے شک ہم نے تمہیں سات آیتیں دیں دہرائی جانے والی، اور قرآنِ عظیم دیا ●

(اور بے شک ہم نے تمہیں) سورۂ فاتحہ کی **(سات آیتیں دیں)** جو ہر نماز میں **(دُہرائی جانے والی)** ہیں۔ یہ ساتؔ آیتیں بنوقریظہ اور بنونضیر کے سامان سے لدے ہوئے ان ساتؔ قافلوں سے بہتر ہیں، جن میں انواع واقسام کے کپڑے، خوشبو اور جواہر تھے، جنہیں دیکھ کر مسلمانوں کو یہ خیال ہوا

کہ اگر یہ اموال ہمارے پاس آتے، تو ہم ان سے تقویت حاصل کرتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی، کہ۔۔۔

اَے محبوب! تم پر سورۂ فاتحہ کی جو ساتؔ آیتیں نازل فرمائی گئی ہیں، وہ اپنے روحانی، ایمانی اور اُخروی فوائد کے پیش نظر اِن ساتؔ قافلوں سے بہتر ہیں۔

'سبع مثانی' کے لفظ میں ساتؔ آیتوں کے سوا دوسرے بھی احتمالات ہیں۔۔مثلاً: ساتؔ سورتیں، ساتؔ فوائد، وغیرہ۔ اِس کے تعلق سے مفسرین کے اقوال بھی بہت ہیں۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

تو اَے محبوب! ہم نے آپ کو سبع مثانی **(اور قرآنِ عظیم دیا)**۔

قرآن مجید میں تو سبع مثانی شامل ہی ہے، لیکن قرآنِ کریم میں سب سے زیادہ عظیم سورت ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر الگ سے بھی کر دیا۔ 'سورۂ فاتحہ' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا ایک نصف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، اور دوسرا نصف بندے کے لیے ہے، جس میں بندے کی دُعا ہے۔

۔۔الختصر۔۔تو اَے محبوب! جب سبع مثانی اور قرآنِ عظیم جیسی نعمت آپ کو دی جا چکی ہے، تو پھر دنیاوی مال ومتاع قابل توجہ اور لائق اعتناء ہی کہاں رہ جاتے ہیں۔۔۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

نہ اٹھاؤ اپنی آنکھوں کو اُن چیزوں کی طرف، کہ رہنے سہنے کو جو دے دیا ہم نے اُن کے جوڑے، اور نہ اُن کا غم کرو،

وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾

اور جھکا دو اپنے شانہ ءکرم کو ایمان والوں کے لیے ●

(نہ اٹھاؤ اپنی آنکھوں کو ان چیزوں کی طرف کہ رہنے سہنے کو جو دے دیا ہم نے ان کے جوڑے) کافروں میں سے بہت قِسموں کو۔ یعنی کافروں کے کئی گروہوں کو۔۔الختصر۔۔اَے محبوب! اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو رغبت کے ساتھ نہ دیکھو، جو ہم نے ان کی فائدہ مندی کے لیے کئی قسم کے لوگوں کو چند روزہ سامان دیا ہے۔

اِس آیت میں آپ کی امت کو تعریض کی گئی ہے، یعنی بظاہر آپ کو منع فرمایا ہے، لیکن

حقیقت میں آپ کی امت کو زینتِ دنیا کی طرف دیکھنے سے منع کرنا مراد ہے۔ اِس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کفار کے دنیاوی مال ومتاع اوران کے سامانِ عیش وعشرت کی طرف رغبت کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔۔ بلکہ۔۔ اس آیت میں آپ کی امت کی طرف تعریضاً خطاب ہے۔

صراحتہً رغبت سے ممانعت کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے اور مُراد آپ کی امت ہے۔ یعنی آپ کی امت کو یہ چاہیے کہ وہ کفار کے دنیوی ساز وسامان اور عیش وطرب کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور رشک اور حسرت سے نہ دیکھے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دنیاوی عیش سے رغبت کی ممانعت کی نسبت حقیقتاً درست نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیاوی عیش وآرام کے اسباب اور دنیاوی زیب وزینت کی طرف التفات نہیں کرتے تھے اور نہ ان کو اختیار کرتے تھے اور نہ ہی اپنے پاس دنیاوی مال کو رکھتے تھے۔

یہ ارشاد بالکل 'سورۂ زمر' کی آیت ٦٥ کے ارشاد کی طرح ہے، جس میں بظاہر رسول کو مخاطب فرما کے فرمایا گیا کہ۔۔ "اور اگر "بالفرض" آپ نے بھی شرک کیا تو ضرور آپ کے سب عمل ضائع ہوجائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے"۔۔۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم کا شرک کرنا عقلاً محال ہے، تو یہاں بھی بظاہر خطاب نبی سے ہے لیکن اصل مخاطب امتی ہی ہیں۔ اِسی کو تعریض کہتے ہیں، یعنی کنایہ کے ساتھ کلام کرنا۔

۔۔الحاصل۔۔ اَے محبوب! اپنے امتیوں کو ہدایت فرمادیں کہ متاعِ دنیا کی طرف رغبت ورشک کے ساتھ نظر نہ کریں (اور) اَے محبوب! اپنے یاروں پر اُن کی بے نوائی اور محتاجی کے سبب سے نہ رنجیدہ خاطر ہو اور (نہ ان کا غم کرو، اور جھکادو اپنے شانۂ کرم کو ایمان والوں کے لیے)، یعنی ایمان والوں پر شفقت ومہربانی فرماتے رہیں اور ان کے ساتھ نرمی وخوش خوئی کے ساتھ پیش آتے رہیں۔

یہ اَمر یقینی ہے کہ خلق عظیم کا خلعت آنحضرت ﷺ کے قدِ مبارک کے علاوہ اور کسی پر ٹھیک نہیں آیا۔

رہ گئے کفار، تو اَے محبوب! ان سے صاف لفظوں میں فرمادو۔۔۔

وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿٩٠﴾

اور کہہ دو کہ "بلاشبہ میں ہوں کھلا ہوا ڈرسنانے والا عذاب کا"● جس طرح کہ نازل کیا ہم نے بانٹ بخرے والوں پر●

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱

جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے ●

(اور کہہ دو کہ بلاشبہ میں ہوں کھلا ہوا ڈر سنانے والا عذاب کا)، یعنی پکار کر کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ تمہیں ڈراتا ہوں کہ میرے خدا نے کہہ دیا ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ضرور تم پر عذاب بھیجوں گا۔ (جس طرح کہ نازل کیا ہم نے) عذاب کو (بانٹ بخرے والوں پر جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے) یعنی قرآن کے حصے کیے اور کئی وصفوں کے ساتھ ظاہر کیا، کسی نے اس کو شعر کہا، کسی نے جادو، کسی نے کاہنی، تو کسی نے افتراء، اور کسی نے اُسے اگلوں کی کہانیاں قرار دیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ کوئی کہتا ہے سورۂ بقرہ میری ہے، کوئی سورۂ نمل کو، کوئی سورۂ عنکبوت کو اپنے ساتھ خاص کرتا، اور یہ سب دل لگی اور مسخراپن کے رُو سے تھا، اور بعضے کہتے ہیں کہ حصہ کرنے والے بارہ ۱۲ آدمی تھے، کہ ولید بن مغیرہ موسمِ حج میں اُن لوگوں کو مکہ معظّمہ کی راہوں پر بھیجتا کہ حاجیوں کے جس قافلے سے ملاقات ہو انہیں حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے نفرت دِلا کر کہیں کہ وہ ساحر، شاعر، کاہن ہیں اور قرآن کو اس طور پر ذکر کریں، جو ابھی یہاں اوپر مذکور ہوا۔

الربع

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۲ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۳

تو تمہارے پروردگار کی قسم، ہم ضرور جواب طلب کریں گے اُن سب سے ● جو وہ کرتے تھے ●

(تو تمہارے پروردگار کی قسم، ہم ضرور جواب طلب کریں گے ان سب سے) اس بارے میں (جو وہ کرتے تھے) یعنی تقسیم اور تکذیب۔

منقول ہے کہ جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰت جب مبعوث ہوئے، تو پہلے خفیہ دعوتِ اسلام کرتے تھے، تین ۳ برس تک یہی حال رہا۔ پھر ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ حکمِ الٰہی لائے، کہ اَے محبوب! اب خفیہ دعوت پیش کرنے کی ضرورت ختم ہوگئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۴

تو اعلانیہ کہہ دو جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے، اور بے رخی برتو مشرکوں سے ●

(تو علانیہ کہہ دو جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے) یعنی خدائی اوامر ونواہی کا برملا اظہار کردو، (اور

بے رخی برتو مشرکوں سے) یعنی ان کی طرف التفات نہ کرو۔۔۔

اشرافِ قریش میں سے پانچ آدمی جناب رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء اور تکلیف دینے میں بہت کوشش کرتے تھے۔ایک دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ حرام میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ بیٹھے تھے، کہ وہ پانچوں آدمی داخل ہوئے اور اپنی عادت کے موافق تکلیف دہ باتیں سنا کر حرم محترم کے طواف میں مشغول ہوگئے۔ جبرائیل علیہ السلام بولے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکم خداوندی ہے، کہ میں ان کے شَر کو کفایت کروں، یعنی ان کے شَر کی ایسی سزادوں جوان کے حق میں کافی ہو۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی، عاص بن وائل کے تلوے، حارث بن قیس کی ناک، اسود بن عبد یغوث کے منہ اور اسود بن عبد المطلب کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا، جس کے سبب سے تھوڑے ہی دنوں میں وہ کافر ہلاک ہوگئے۔

ولید تو ایک تیر بنانے والے کی دوکان پر گیا اور ایک پیکان اس کے دامن میں لپٹ گیا بڑائی اور تکبر کی وجہ سے اس نے سر نیچے نہ کیا کہ اُسے دامن سے چھڑائے۔اُس پیکان نے اس کی پنڈلی زخمی کی اور رگِ شریان اس سے کٹ گئی اور وہ جہنم واصل ہوا۔اور عاص کے تلوے میں ایک کانٹا گڑا، اس کا پاؤں ورم کر گیا، اس میں وہ کافر مر گیا۔اور حارث کی ناک سے خون اور پیپ جاری ہوا، اور وہ کافر بھی مر کر ناری ہوا۔اور اسود بن عبد یغوث اپنا منہ خاک اور خاشاک پر مارتے مارتے مر گیا، اور اسود بن عبد المطلب اندھا ہو گیا اور غصے کے مارے سر زمین پر دے دے مارتا تھا، یہاں تک کہ مر گیا اور یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی، کہ۔۔۔

إِنَّا كَفَيْنَٰكَ ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ﴿٩٥﴾ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ

بلاشبہ ہم تم پر کافی ہیں ٹھٹھے والوں کے لیے● جو گڑھتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے معبود،

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

تو جلد ہی سب جان لیں گے● اور ہم ضرور جانتے ہیں کہ تمہارا سینہ تنگ آجاتا ہے اُن کی بکواس سے●

(بلاشبہ ہم تم پر کافی ہیں ٹھٹھے والوں کے لیے)۔۔ چنانچہ۔۔ ہنسی کرنے والے شریروں کو ہم نے پوری سزادی جس کے وہ لائق تھے۔یہ بدبخت وہ ہیں (جو گڑھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرے

معبود) یعنی بہت سارے باطل خدا۔ (تو جلد ہی سب جان لیں گے) وہ انجام کار، اور دیکھیں گے اپنے کردار کی سزا۔ (اور) اَے محبوب! (ہم ضرور جانتے ہیں کہ تمہارا سینہ تنگ آجاتا ہے ان کی بکواس سے) کیونکہ یہ کافر غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، قرآن کریم پر طعن کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، لایعنی اور تکلیف دہ باتیں کرتے رہتے ہیں، تو اُن کی اِن باتوں سے آپ کے قلبِ مبارک کو دکھ پہنچتا ہے اور کافروں کی یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوتی ہیں۔ تو اَے محبوب! اپنے دل کو سکون واطمینان پہنچانے کے لیے۔۔۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾

تو پاکی بیان کرو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ، اور سجدہ کرنے والوں سے رہا کرو●

(تو پاکی بیان کرو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ) یعنی سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ کا وِرد کرتے رہو (اور سجدہ کرنے والوں سے رہا کرو)۔

اِس آیت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! ہم تمہارے قلبی اضطراب سے آگاہ ہیں اور بیگانوں کے غصے سے جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اس سے ہم خبر دار ہیں۔ تم حضورِ دل سے نماز پڑھتے رہو، کہ نماز مشاہدے کا میدان ہے اور دوست کے مشاہدے میں بلا کا بوجھ کھینچنا آسان ہوتا ہے۔

ایک بزرگ نے کہا کہ میں نے بغداد کے بازار میں دیکھا کہ ایک شخص کو لوگوں نے سو کوڑے مارے، اُس نے آہ تک نہ کی۔ میں نے اُس سے پوچھا، کہ اَے جوانمرد! تو نے اتنے زخم کھائے اور اُف تک نہ کی، وہ بولا کہ ہاں شیخ صاحب مجھے معذور رکھیے کہ میرا معشوق میرے برابر تھا اور دیکھ رہا تھا، کہ مجھے اس کے واسطے مارتے ہیں۔ اس کے نظارے کے سبب سے مجھے زخم کے درد کا احساس نہ تھا، اور مجھے کچھ معلوم ہی نہ ہوا۔ قصہ مختصر۔۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

اور پوجا اپنے پروردگار کو، یہاں تک کہ آجائے تم تک موت●

ع ۶

اَے محبوب! اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہو (اور پوجو اپنے پروردگار کو یہاں تک کہ آجائے تم تک موت) جس کا آنا ہر مخلوق کے لیے یقینی ہے۔

اِسی لیے آیتِ کریمہ میں اس کی تعبیر لفظِ یقین سے کردی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! تم جب تک زندہ ہو، اُس کی عبادت نہ چھوڑو اور اُس کی بندگی سے منہ نہ موڑو۔

اس ارشادِ گرامی میں ایک نسخہ کیمیا ہے، تمام بیقراروں اور اضطراب و بے چینی کے شکار لوگوں کے لیے اور سب کے لیے ایک واضح ہدایت ہے، کہ بے شک حضورِ قلب کے ساتھ اللہ کے ذکر سے دِلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۳۰ اگست ۲۰۱۰ء

بروز دوشنبہ سورۂ حجر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرْمَةِ حَبِیبِكَ وَ نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ ۱۶ — اٰیَاتُھَا ۱۲۸ — رُکُوْعَاتُھَا ۱۶

سُوْرَۃُ النَّحْلِ

سورہ نحل مکیۃ — آیات ۱۲۸ رکوع ۱۶

اس سورہ کا نام 'النحل' ہے۔ 'نحل' کے معنی ہے شہد کی مکھی۔ قرآنِ شریف میں 'سورۂ نحل' آیت ۶۸ کے سوااور کسی جگہ 'النحل' کا لفظ نہیں آیا، اسی لیے اِس سورہ کا یہ نام ہے۔ مصاحف، کتبِ حدیث اور کتبِ تفسیر میں اس سورت کا یہی نام مشہور ہے۔ ایک روایت کے مطابق، النحل آیت ۹۵، ۹۷ کے سوا، اور ایک دوسرے قول میں آیت ۱۲۶، ۱۲۸ کے سوا، باقی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس طرح اور بھی اقوال ہیں۔ 'سورۂ نحل' کے تعلق سے ارشادِ رسول علیہ السلام ہے کہ جس شخص نے سورۂ نحل کو پڑھا، اس سے اُن نعمتوں کا حساب نہیں لیا جائے گا جو اِس کو دنیا میں دی گئیں اور اِس کو اس شخص کی طرح اجر دیا جائے گا جس نے مرتے وقت اچھی وصیت کی ہو۔ اِس میں ایک سو اٹھائیس[۱۲۸] آیتیں، اور سولہ[۱۶] رکوع ہیں۔ ایسی باعظمت اور مبارک سورۂ شریفہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔۔۔

جنابِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کافروں کو جب کسی چیز سے وعید کرتے کہ قیامت قائم ہوگی، دنیا میں تم پر عذاب آئے گا، تو معانداُ سے جلدی مانگتے۔ دراصل وہ اُس وعید کو صحیح نہ سمجھتے اور بطورِ استہزاء و تمسخر کے اس عذابِ موعود کے جلد نازل ہونے کا مطالبہ کرتے۔ اس پر اِرشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ①

آیا ہی رکھا ہے اللہ کا حکم، تو اُس کی جلدی نہ مچاؤ۔ پاک ہے وہ اللہ اور بلند و بالا ہے اُس سے، جس کو سب شریک بنا رہے ہیں ●

(آیا ہی رکھا ہے اللہ) تعالیٰ (کا حکم) یعنی قیامت قائم ہونے۔۔یا۔۔کافروں پر عذاب آنے کا حکمِ الٰہی اتنا یقینی اور قطعی ہے کہ سمجھ لو گویا وہ آہی گیا۔ الختصر۔۔اس کا اپنے وقت پر آنا یقینی ہے (تو

اس کی جلدی نہ مچاؤ)، وہ تو اپنے وقت پر قطعی طور پر آئے گا ہی۔

جب اس آیت کو معاندین نے سنا، تو اِس کے جواب میں بولے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اگر واقع ہو گا تو بُت جو خدا کے شریک ہیں ہمیں اس سے رہائی دے دیں گے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔

(پاک ہے وہ اللہ) تعالیٰ (اور بلند و بالا ہے اس سے جس کو سب شریک بنا رہے ہیں) یعنی وہ اس بات سے بہت بزرگ ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور وہ جس بات کا ارادہ فرمائے شریک اُسے دفع کر دیا کرے۔۔یا۔۔عذاب کو روک دیا کرے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

وہ نازل فرماتا ہے فرشتوں کو سراپا روح، وحی لے کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں سے، کہ ڈرادو میرے پیغام سے،

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲

کہ کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا میرے، تو مجھ سے ڈرتے رہا کرو●

(وہ نازل فرماتا ہے فرشتوں کو سراپا روح وحی لے کر اپنے حکم سے)۔

روح سے وحی الٰہی مراد ہو۔۔یا۔۔قرآن کریم، وہ دونوں ہی دلوں کی زندگی کا سبب ہیں۔

اس سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں۔۔مثلاً: وہ ملائکہ کو ارواح کے ساتھ بھیجتا ہے، بعضوں نے کہا روح ایک قوم ہے۔ درگاہِ الٰہی کے مقرب لوگوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو فرشتہ نازل ہوتا ہے، روح اس کے ساتھ نگہبان ہے جس طرح آدمیوں پر حفاظت کرنے والے فرشتے ہوتے ہیں۔ بہر تقدیر۔۔۔

فرشتوں کا نزول ہوتا ہے حکم الٰہی سے **(جس پر چاہے اپنے بندوں سے)**، کہ اُسے نبوت کا استحکام ثابت ہو اور جو ملائکہ انبیاء پر نازل ہوتے ہیں ان کی زبانی ہم یہ کہتے ہیں (کہ) یہ اشتہار کر دو اور **(ڈرادو میرے پیغام سے)** انہیں آگاہ کر کے **(کہ کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا میرے)**۔ تو جب بندے یہ یقین رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو ان کا ایمان اور عقیدہ صحیح ہو گا اور یہ ان کی 'قوتِ نظریہ' کا کمال ہے۔ اور جب یہ حقیقت ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، (تو) صرف **(مجھ سے ڈرتے رہا کرو)** اور ظاہر ہے کہ جب وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے، تو بُرے کاموں اور گناہوں کو ترک کریں گے اور نیک کام کریں گے۔ یہ ان کی 'قوتِ عملیہ' کا کمال ہے اور جب تک انسان کی یہ دونوں قوتیں کامل نہیں ہوتیں، انسان کو کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی جامع پیغام پہنچانے کا حکم دیا جس سے انسان کی 'قوت نظریہ' اور 'قوتِ عملیہ' دونوں کامل ہو جاتی ہیں۔ اب اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے۔ پہلے آسمانوں اور زمینوں سے استدلال کیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۳﴾

پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک۔ بہت بلند و بالا ہے اُن سے جنھیں یہ شریک بناتے ہیں ●

(**پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک**) یعنی دُرست اور راست حکم کے ساتھ۔۔ یا۔۔ حکمت کے ساتھ۔۔ یا۔۔ بیانِ حق کے واسطے۔ تو اللہ تعالیٰ (**بہت بلند و بالا ہے ان سے جنھیں یہ شریک بناتے ہیں**)۔ بھلا کافروں کے خود ساختہ شریکوں میں کہاں یہ قدرت کہ وہ زمین و آسمان کی تخلیق کر سکیں۔۔ نیز۔۔ اللہ تعالیٰ ہی کی یہ شان ہے، کہ۔۔۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴﴾

پیدا فرمایا انسان کو ایک قطرۂ ناچیز سے، پھر وہ اب کھلم کھلا جھگڑالو ہے ●

(**پیدا فرمایا انسان کو ایک قطرۂ ناچیز سے**) یعنی مَنی کے پانی سے، جو ایک بے حس اور بے فہم چیز ہے اور ایسا ہیولیٰ جو کہ صنعت اور شکل نہیں قبول کرتا، تو اُسے عقل اور سمجھ دے دی۔ (**پھر وہ اب**) ابی بن خلف کی شکل میں (**کھلم کھلا جھگڑالو ہے**) جو پرانی کمزور ہڈی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں لا کر بولا، کہ "کون زندہ کرے گا یہ ہڈیاں اُس حال میں جب وہ بوسیدہ ہوں گی"۔ وہ پہلے بے حس تھا، ہم نے اُسے حس اور گویائی دی، اب ہمارے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔ پہلے پہل پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر دلیل کیوں نہیں پکڑ لیتا؟ کہ جو پہلے پیدا کرنے پر قادر تھا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔۔ المختصر۔۔ رب قدیر نے تم کو پیدا کیا۔۔۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾

اور چوپائے، انھیں پیدا فرمایا۔ تمہارے لیے اس میں اونی لباس ہیں اور بہتیرے نفع ہیں۔ اور ان کے بعض کو تم کھاتے ہو ●

(**اور چوپائے، انھیں پیدا فرمایا تمہارے**) فائدے کے (**لیے اس میں اونی لباس ہیں**) یعنی

کپڑے بال کے اور ریشمی جو جاڑے سے بچاتے ہیں (اور بہتیرے نفع ہیں)۔۔مثلاً: بچے، دودھ، کرایہ، سواری، اور تجارت وغیرہ (اور ان کے بعض کو تم کھاتے ہو) یعنی دودھ، پنیر، گھی اور دہی وغیرہ۔۔یا۔۔ ان میں سے کھاتے ہو جو کھا سکتے ہیں، جیسے گوشت، چربی اور چار پایوں کے سوا اور دوسرے جانوروں کا کھانا، جیسے پرندے اور تری خشکی کے حلال جانور جن کا کچھ شمار نہیں۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿٦﴾

اور تمہاری اس میں شان ہے جب چراگاہ سے شام کو لاتے ہو، اور جب چراگاہ کی طرف لے جایا کرتے ہو●

(اور تمہاری اس میں شان ہے جب چراگاہ سے شام کو لاتے ہو اور جب چراگاہ کی طرف لے جایا کرتے ہو) یعنی جب چار پائے کھڑے ہوتے ہیں، تو تمہارے دروازے کی زینت ہو جاتی ہے۔اور ان کو صبح وشام چراگاہ کی طرف لے جانے اور انہیں ان کی آرام گاہ کی طرف واپس لانے میں ایک بہت حسین وخوبصورت منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ

اور وہ اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ اُس شہر تک، کہ تم وہاں نہ پہنچتے، مگر جان جوکھوں سے۔

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾

بے شک تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان رحم والا ہے●

(اور وہ اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ) یعنی تمہارے بھاری بھاری سامان۔۔یا۔۔خود تمہاری سواریاں (اس شہر تک، کہ تم وہاں نہ پہنچتے) اپنا بھاری بوجھ لیے ہوئے۔۔یا۔۔پیدل (مگر جان جوکھوں سے) یعنی کافی سختی اور مشقت اٹھا کر، اور اپنے اعضاء کو تکلیف پہنچا کر، تو حق تعالیٰ نے تمہیں چار پایوں کی نعمت عطا فرمائی۔ (بے شک تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان) ہے کہ تمہیں سابقہ خدمت کے بغیر نعمت عطا فرمائی اور (رحم والا ہے) کہ چار پائے عطا فرما کر تم پر کام آسان کر دیا۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے، کہ اُن پر سواری کرو اور شان بنانے کے لیے۔اور پیدا فرمائے گا جو تم لوگ ابھی جانتے ہی نہیں●

(اور) پیدا کیے (گھوڑے اور خچر اور گدھے) تا (کہ ان پر سواری کرو اور شان بنانے کے

لیے) یعنی تا کہ آراستہ کرو اپنا زمانہ آرائش کر کے۔۔الختصر۔۔ان جانوروں کے ذریعہ اپنی شان وشوکت ظاہر کرسکو (اور) صرف یہی سب کچھ نہیں۔۔بلکہ۔۔(پیدا فرمائے گا جو تم لوگ ابھی جانتے ہی نہیں)، بل میں رہنے والوں اور پرندوں اور دریائی جانوروں میں سے۔

بقولِ بعض اُس نامعلوم چیز سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں۔۔یا۔۔وہ وہ فرشتے جو صف باندھے ہیں اور وہ جو طواف کرتے ہیں۔۔یا۔۔کوہ قاف کے اس طرف کی مخلوقات۔ بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جس چیز کے بارے میں فرمادیا کہ تم نہیں جانتے ہو، اس کی تفسیر میں سکوت اختیار کیا جائے۔۔الختصر۔۔ہر مقدور حق تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ ع ١/٩

اور اللہ کا ہے سیدھا راستہ۔اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں۔اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ دے دیتا●

(اور اللہ) تعالیٰ ہی (کا ہے سیدھا راستہ) یعنی اُسی کے ذمۂ کرم میں ہے کہ اپنے فضل ورحمت سے صراطِ مستقیم کو قائم کردے اور اس کو راست اور درست کردے۔۔یا۔۔سیدھا راستہ اُسی تک پہنچتا ہے، تو جو راستہ حق تک پہنچادے وہی راہِ اوسط ہے۔۔یا۔۔سیدھے راستہ سے مراد دین اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا پسندیدہ دین ہے۔(اور) اس کے برخلاف (بعض راستے ٹیڑھے ہیں)۔ظاہر ہے کہ جس طرح ایک خطِ مستقیم کے دائیں بائیں جتنے خطوط ہوں گے، وہ صرف ٹیڑھے ہی ہوں گے۔ اِسی طرح صراطِ مستقیم سے ہٹ کر جتنے راستے ہوں گے وہ بھی ٹیڑھے ہی ہوں گے۔۔الختصر۔۔سیدھا راستہ صرف اسلام ہے اور باقی کفر وشرک کی ملتیں۔۔یا۔۔خواہش وبدعت کی ساری راہیں۔ ان میں کجی ضرور ہے، یہ صراطِ مستقیم کبھی ہو ہی نہیں سکتیں۔

(اور اگر وہ) یعنی حق تعالیٰ تم کو ہدایت دینا (چاہتا تو تم سب کو راہ دے دیتا)، یعنی توفیق کو تم سب کا رفیق کردیتا، یہاں تک کہ سب چلنے والے سیدھی راہ پر پہنچ جاتے۔ لیکن جب اُن سبھوں نے راہِ مستقیم پر آنے کا عزم ہی نہیں کیا اور ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں چاہا، تو حکمتِ خداوندی نے انہیں ہدایت سے دور ہی رکھا۔

حق تعالیٰ کی نعمتوں کو کہاں تک شمار کرایا جائے۔ اس کی عظیم نعمتوں میں سے یہ بھی ہے، کہ۔۔۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ

وہی ہے جس نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی تمہارے لیے، کچھ تو پینے کو ہے،

وَّ مِنۡهُ شَجَرٌ فِیۡهِ تُسِیۡمُوۡنَ ﴿۱۰﴾

اور کچھ ایسے پودوں کو جس میں جانور چراتے ہو●

(وہی ہے جس نے اُتارا آسمان کی) بلندی کی (طرف سے پانی تمہارے لیے) جس میں (کچھ تو پینے کو ہے اور کچھ ایسے پودوں کو جس میں جانور چراتے ہو) یعنی گھاس جو زمین سے اُگتی ہے۔۔الغرض۔۔اس سے وہ درخت مراد نہیں جس کے تنے ہوتے ہیں۔

یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ النَّخِیۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ

اُگاتا ہے تمہارے لیے اُس پانی سے کھیتی کو، اور زیتون و کھجور وانگور

وَ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور ہر قسم کے پھل کو۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اُن کے لیے جو دھیان کریں●

(اُگاتا ہے تمہارے لیے اُس پانی سے کھیتی کو)۔اس سے مراد اناج ہے جسے بوتے ہیں۔ (اور زیتون و کھجور وانگور اور ہر قسم کے پھل کو) جو دُنیا میں ممکن ہوتے ہیں۔اس لیے کہ سارے میوے دُنیا میں نہیں ہوتے، یہ تو صرف جنت ہی کی خصوصیت ہے جہاں سارے میوے موجود ہوں گے۔

(بے شک اس) غلہ اور درخت اگانے (میں ضرور نشانی ہے) یعنی کھلی ہوئی دلیل ہے اللہ جل شانہ کی قدرت اور حکمت پر (ان کے لیے جو دھیان کریں) اور غور وفکر کریں، اس بات میں کہ دانہ زمین میں پڑتا ہے اور پانی اس میں نفوذ کر کے سڑتا ہے اور اس کے اوپر کی جانب پھٹ کر اس میں اَکھوا نکل کر ہوَا میں بلند ہوتا ہے اور اس دانے کے نیچے کی جانب پھٹ کر اس میں سے جڑ زمین میں جم جاتی ہے، اور ہر گھڑی وہ درخت بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ کلیاں اور میوے نکلتے ہیں۔ ہر میوے کی شکل، رنگ، مزہ اور ہی ہوتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ شکل، رنگ، مزہ کا اختلاف نہیں ہے، مگر فاعلِ مختار جل جلالہ تقدس وتعالیٰ کے کرنے سے۔

وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ

اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو، اور سورج اور چاند کو، اور سارے تارے پابند ہیں اُس کے حکم کے۔

إِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں ●

(اور) اُس قادرِ مطلق نے (مسخر کردیا تمہارے لیے رات) کو آسائش کے واسطے (اور دن کو) آرائش کے واسطے (اور سورج اور چاندکو) میوے پکنے اور کھیتوں کے بنانے اور برسوں اور مہینوں کا حساب پہچاننے کے لیے (اور سارے تارے) راستہ پہچاننے کے لیے۔۔المختصر۔۔یہ سب کے سب (پابند ہیں اُس کے حکم کے) جو سب کا پروردگار ہے۔ (بے شک اس میں) صانع حکیم کی وحدت پر (ضرور نشانیاں) اور واضح دلیلیں (ہیں ان کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں)۔

نباتات کے حالات جو پوشیدگی سے خالی نہیں، ان میں حق تعالیٰ نے تفکر کا ذکر کیا اور یہ مذکورہ بالا دلالتیں جو نہایت درجہ ظاہر ہیں ان میں عقل اور سمجھ بوجھ کا ذکر کیا۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ إِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

اور جو پیدا فرمایا تمہارے لیے زمین میں طرح طرح کے رنگ دار۔ بے شک اُس میں ضرور

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

نشانی اُن کے لیے جو سبق لیں ●

(اور) مسخر کی وہ چیز (جو پیدا فرمایا تمہارے لیے) یعنی تمہارے نفع کے واسطے (زمین میں) جس کی تمہیں حاجت ہے۔۔الغرض۔۔اس سے نفع لینا تمہیں میسر کردیا، وہ کھانے پینے کی چیزیں اور سواریاں وغیرہ ہیں (طرح طرح کے رنگ دار) یعنی مختلف ہیں اُن کی ہیئتیں اور شکلیں اور قسمیں۔ (بے شک اُس) مخلوقات (میں ضرور نشانی) اور دلالت ہے حق تعالیٰ کی وحدانیت پر (ان کے لیے جو سبق لیں) اور نصیحت حاصل کریں۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ

اور وہی ہے جس نے قابو میں کردیا دریا سمندر کو، کہ اُس سے کھاتے رہو تازہ

حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا

گوشت، اور نکالتے رہو اُس سے گہنا جو پہنتے ہو، اور دیکھ ہی رہے ہو کہ کشتیاں پانی چیر کر اُس میں تیرتی ہیں، اور تاکہ تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۴﴾

اُس کا فضل، اور کسی طرح شکر گزاری کرتے رہو●

(اور وہی ہے جس نے قابو میں کر دیا دریا سمندر کو) کہ تم اس سے نفع حاصل کرتے رہتے ہو اور اس میں شکار کرتے ہو، تا **(کہ اس سے کھاتے رہو تازہ گوشت)** یعنی مچھلی کا گوشت **(اور)** اس میں غوطہ لگاتے ہو، تاکہ **(نکالتے رہو اس سے گہنا)** زیور **(جو پہنتے ہو)**، یعنی اس میں سے وہ چیز نکالتے ہو جس سے زیور بناتے ہو، جیسے موتی، مونگا اور اُسے تمہاری عورتیں پہنتی ہیں۔

چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے واسطے ہوتی ہے، اِس واسطے حق تعالیٰ نے زیور پہننے کی نسبت مَردوں کی طرف کی۔

(اور دیکھ ہی رہے ہو کہ کشتیاں پانی چیر کر اس میں تیرتی ہیں اور) تمہارے واسطے دریا کا مسخر ہونا، اس لیے ہے **(تا کہ تلاش کرو)** کشتی میں سوار ہو کر **(اس کا فضل)**، یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اور دریائی نفع، جو کہ وسعتِ رزق کا سبب ہے۔ **(اور)** پھر کسی نہ **(کسی طرح)** حق تعالیٰ کی **(شکر گزاری کرتے رہو)**۔ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب کی نعمت پر، اس واسطے کہ یہ بڑی نعمت ہے کہ حق تعالیٰ نے ہلاکت کی چیزوں کو منفعت کا سبب کر دیا۔

یہ تو ظاہری دریا اور ظاہری کشتی کا ذکر ہے، حق تعالیٰ نے باطن کی رُو سے آدمی کے نفس میں بہت سے دریا پیدا کیے ہیں، جیسے مشغولی غم، حرص، غفلت اور پریشانی کے دریا اور اُن سے پار اُترنے کے لیے بھی کشتیاں معین کی ہیں۔ جو کوئی توکل کی کشتی پر بیٹھتا ہے مشغولی کے دریا سے فراغت کے ساحل پر پہنچ جاتا ہے، اور جو کوئی رضا کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ غم کے دریا سے خوشی کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے، اور جو کوئی قناعت کی کشتی پر جگہ پکڑتا ہے، وہ حرص کے دریا سے زہد کے ساحل پر پہنچ جاتا ہے، اور جو شخص زہد کی کشتی پر بیٹھتا ہے غفلت کے دریا سے آگاہی کے کنارے پہنچ جاتا ہے، اور جو کوئی توحید کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ پریشانی کے دریا سے جمعیت کے کنارے پہنچ جاتا ہے، اور حقیقت میں پریشانی بقا میں ہے اور جمعیت فنا میں۔ جو لوگ اپنے میں ہیں وہ پریشانی کے تہلکے میں ہیں، اور جو لوگ اپنے آپ سے باہر ہیں جمعیت کے مرتبے میں ہیں۔ یہ بھی ربِ کریم کا احسان ہے کہ پیدا کیا۔۔۔

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵

اور گاڑ دیا زمین میں پہاڑوں کو، ورنہ زمین ڈگمگا دے تمہیں، اور ندیاں، اور راستے کہ تم اپنا اپنا راستہ پاتے رہو●

(اور گاڑ دیا زمین میں) اونچے اونچے اور بڑے بڑے **(پہاڑوں کو، ورنہ زمین ڈگمگا دے تمہیں)** خود بھی متحرک و مضطرب ہو جائے اور تمہیں بھی ہلا کے رکھ دے۔

حق تعالیٰ نے جب زمین پیدا کی تو پانی پر متحرک تھی اور اُسے قرار نہ تھا، ملائکہ نے یہ بات کہی، اس فرشِ زمین پر کوئی قرار نہ پکڑ سکے گا، تو حق تعالیٰ نے اُس پر پہاڑ پیدا کر دیے جس کی وجہ سے زمین ٹھہر گئی۔۔ الحتصر۔۔ حق تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین کی میخ کر دیا اور زمین ٹھہر گئی۔

(اور) پیدا کی زمین میں **(ندیاں)** نہریں جیسے نیل، فرات، دجلہ، جیحون، سیحون وغیرہ وغیرہ **(اور راستے)** ہر موضع سے دوسرے موضع تک کے لیے، تا **(کہ تم اپنا اپنا راستہ پاتے رہو)** اور اس طرح اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ۔

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝۱۶

اور بہت سی علامتیں۔ اور تارے سے وہ راستہ پہچان لیتے ہیں●

(اور) پیدا کیں **(بہت سی علامتیں)** اور نشانیاں راہ کی اس پر چلنے والوں کے واسطے پہاڑوں اور ٹیکروں وغیرہ سے، **(اور تارے سے)** جیسے ثریا، بنات النعش، فرقدین، شعرتین، سماک، جدی۔ یہ سب مختلف ستاروں کے نام ہیں جن سے **(وہ)**، یعنی قریش خشکی اور تری میں **(راستہ پہچان لیتے ہیں)**۔

اگر چہ ستاروں کے سبب سے راستہ سمجھنا مسافروں کو آسان ہے، مگر قریش جاڑے اور گرمی کے سفر میں اس بات کے ساتھ مشہور تھے کہ ستاروں کے سبب سے راہ سب لوگوں سے بہتر پہچانتے ہیں۔۔۔

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۷

تو کیا جو پیدا فرماتا ہے اور جو کچھ پیدا نہ کرے، ایک طرح کا ہے؟ تو کیا تم سوچ سے کام ہی نہیں لیتے●

(تو کیا جو) اتنی چیزیں **(پیدا فرماتا ہے اور جو کچھ پیدا نہ کرے، ایک طرح کا ہے؟)** یعنی ایک ذات وہ ہے، جو خالق السموات والارض ہے، اور ایک وہ ہے جو ایک ذرّہ بھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، تو کیا یہ دونوں ایک طرح ہو سکتے ہیں؟ **(تو کیا تم سوچ سے کام ہی نہیں لیتے؟)** تم ذرا بھی

فکرِ سلیم اور ذہن مستقیم سے کام لو، تو خود تمہیں اپنے عقیدے کی خرابی اور اُس کا فساد معلوم ہو جائے۔
یاد رکھو کہ خدا کے سوا جنہیں کافر پوجتے تھے، جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہما السلام اور ملائکہ اور بُت،
یہ سب مخلوق ہیں، اور خالق کو مخلوق کے ساتھ کچھ مشابہت ہی نہیں۔۔الغرض۔۔ان مخلوقات کو جو ہر حال
میں، یہاں تک کہ خود اپنے وجود میں، خدائے قادرِ مطلق خالق کائنات کے محتاج ہیں، اُس قادرِ مطلق
کا شریک کرنا، کمال درجے کا عناد اور نہایت مرتبے کی نادانی ہے۔

قرآنِ کریم میں جا بجا اور خود اِسی سورہ کی آیت ۱۴ میں خدا کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی
ترغیب دی گئی ہے۔اور شکر نعمت کے بدلے ہوا کرتا ہے اور ہر نعمت پر کم از کم ایک شکر واجب، تو
بندے کو یہ خیال نہ ہونا چاہیے، کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی سکت رکھتا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اگر گنتی کرنی چاہو اللہ کی نعمت کی، تو انہیں گن نہ سکو گے۔بے شک اللہ ضرور مغفرت فرمانے والا رحم والا ہے●

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاؤ اور جو علانیہ کرو●

(اور) یہ اس لیے کہ (اگر) تم (گنتی کرنی چاہو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کی، تو انہیں گن نہ
سکو گے)۔اور جب نعمتوں کا شمار ہی نہیں، تو ہر ہر نعمت کے بدلے شکر ادا کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا
ہوتا ہے؟۔۔المختصر۔۔جب نعمتیں شمار کرنے سے تم عاجز ہو، تو اس کا شکر کیونکر ادا کر سکو گے؟

اس مقام پر ذرا اس رحیم وکریم کی کرم فرمائی تو دیکھو، خود ہی فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور مغفرت فرمانے والا) ہے۔اگر شکر ادا کرنے میں تقصیر کرو، تو
وہ اس سے درگزر کرتا اور اُسے چھوڑ دیتا ہے۔اور (رحم والا) مہربان (ہے) کہ شکر میں تقصیر کرنے کی
وجہ سے نعمت تم سے روک نہیں رکھتا۔تو غور کرو ایسے رحیم وکریم کے خود اسی کے محتاجوں کو شریک کرنا کتنی
بڑی نادانی ہے۔یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ تمہارے حال واعمال سے بے خبر ہے، اس لیے کہ مستقل بالذات
علیم وخبیر صرف اُسی کی ذات ہے۔۔چنانچہ۔۔یہ حقیقت (اور) کھلی ہوئی سچائی ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ
(جانتا ہے جو تم چھپاؤ)، یعنی تمہارے عقائد ونظریات سے وہ بے خبر نہیں۔(اور) وہ جانتا ہے (جو علانیہ
کرو) یعنی تمہارے ظاہری اعمال بھی اس کے علم وخبر میں ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔـا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور جنہیں یہ اللہ کو چھوڑ کر معبود پکارتے ہیں، وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ، اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں●

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

سب بے جان ہیں، زندوں سے نہیں ہیں۔ اور نہ وہ سمجھ سکیں کہ کب حشر کے لیے اٹھائے جائیں گے●

(اور) رہ گئے وہ پتھروں کے اصنام **(جنہیں یہ)** کفار **(اللہ)** تعالیٰ **(کو چھوڑ کر معبود)** سمجھ کر **(پکارتے ہیں، وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ، اور)** بھلا وہ کیسے پیدا کر سکتے ہیں کچھ، جب کہ **(وہ خود پیدا کیے گئے ہیں)**۔ اور جو مخلوق ہوتا ہے وہ اپنے پیدا ہونے میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور وہ 'ممکن' ہوتا ہے۔ اُس کے برعکس خالق، واجب الوجود ہے، تو وہ 'مخلوق' حق تعالیٰ کی شرکت کے لائق نہیں۔ مشرکین نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ یہ سارے بُت سب کے **(سب بے جان ہیں زندوں سے نہیں ہیں)** بلکہ جمادات ہیں، جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی بولتے ہیں **(اور نہ)** ہی **(وہ سمجھ سکیں کہ)** ان کے پجاری **(کب حشر کے لیے اٹھائے جائیں گے)**۔ اور جب یہ اپنے پجاریوں کے بعث کا وقت نہیں جانتے، تو اپنے پوجنے والوں کو جزا کیونکر دے سکیں گے۔۔ *الختصر*۔ معبود ایسا چاہیے، جو اپنے بندوں کے حشر کا جاننے والا ہو اور انہیں جزا دینے پر قادر ہو۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ بتوں میں روح ڈال کر اٹھائے گا، تا کہ اپنی پرستش کرنے والوں پر تبرا کریں۔۔ *الحاصل*۔۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ

تم سب کا معبود بس ایک معبود ہے۔ پھر بھی جو نہ مانیں آخرت کو، اُن کے دِل نا کارہ ہیں،

وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور وہ مغرور ہیں●

(تم سب کا معبود بس ایک معبود ہے) جو یگانہ و یکتا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کا رَد فرمایا اور کافروں کے مذہب کا قوی دلائل سے رَد فرمایا، اور اِس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفارِ مکہ کس وجہ سے توحید کا انکار کرتے تھے اور شرک پر اصرار کرتے تھے۔ اور اس وجہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ یہ لوگ آخرت

کے منکر ہیں اور ظاہر ہے کہ جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں وہ نہ دائمی عذاب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور نہ حصولِ ثواب کی توقع کرتے ہیں۔ وہ ہر اس دلیل اور نصیحت کا انکار کرتے ہیں جو ان کے قول کے مخالف ہو اور دوسرے شخص کے قول کو ماننے اور قبول کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ سو وہ اپنی جہالت اور گمراہی کی وجہ سے اپنے قول پر ڈٹے رہتے ہیں۔۔ الحاصل۔۔ دلائل و براہین قائم ہو جانے کے بعد۔۔۔

(پھر بھی جو نہ مانیں آخرت کو) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ (ان کے دل ناکارہ ہیں اور وہ مغرور ہیں)، نبی کریم کی بارگاہ میں غرور سے پیش آتے ہیں۔۔ یا۔۔ ایمان قبول کرنے سے تکبر کرتے ہیں اور اس میں اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ

بلاشبہ اللہ تو خواہ مخواہ جانتا ہے جو چھپا رکھیں اور جو اعلان کر دیں۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

بے شک وہ نہیں پسند فرماتا غرور والوں کو●

(بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (تو خواہ مخواہ) یعنی کوئی چاہے۔۔ یا۔۔ نہ چاہے، مانے یا نہ مانے، اور کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہر حال میں یقیناً (جانتا ہے) اُس کو بھی (جو چھپا رکھیں) اور بارگاہِ رسول میں مکر و حیلہ کا مظاہرہ کریں (اور) اُس کو بھی (جو اعلان کر دیں) یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لڑائی جھگڑا اور موشگافی کریں۔ (بے شک وہ) یعنی اللہ تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا غرور والوں کو) جو خدا کی توحید اور رسولِ کریم کی تصدیق سے سرکشی کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جب پوچھا گیا انہیں، کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ سب جواباً بکنے لگے، کہ "اگلوں کی کہانیاں"●

(اور) ان کی سرکشی کا حال یہ ہے کہ (جب پوچھا گیا انہیں کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟)۔

یہ سوال پیروی کرنے والوں اور ماتحت رہنے والوں نے اپنے رؤسا سے کیا۔

تو (سب جواباً بکنے لگے) اور بطورِ استہزا کہنے لگے، (کہ اگلوں کی کہانیاں)۔ پوچھنے والوں

نے بھی ہنسی کے طور پر پوچھا کہ خدا نے کیا بھیجا ہے، تو جواب دینے والوں نے بھی بطورِ مذاق جواب دے دیا کہ جو بھیجا ہے وہ اگلوں کی سرگزشتیں ہیں یعنی کوئی خاص بات نہیں۔ پیغمبر جو پڑھتے ہیں وہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ کافروں نے ایسی باتوں سے کچھ لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ

تاکہ لادے رہیں اپنے پورے بوجھ قیامت کے دن۔ اور ان کے بوجھ جنہیں گمراہ کریں

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿۲۵﴾

بے علمی سے۔ خبردار! کہ بڑا برا بوجھ لادر ہے ہیں ●

(تاکہ) وہ گمراہ کرنے والے بیوقوف لوگ (لادے رہیں اپنے پورے بوجھ قیامت کے دن اوران کے) بھی (بوجھ جنہیں گمراہ کریں بے علمی سے) اوران کی نادانی سے۔ (خبردار)! جان لو (کہ بڑا بوجھ لادر ہے ہیں)۔ اپنے گمراہ رہنے کا بوجھ تو ان کے سر پر تھا ہی، دوسروں کو گمراہ کرنے کا بوجھ بھی سر پر لادلیا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ

بے شک داؤں چلے جواُن سے پہلے کے ہیں، تو اللہ نے لیا اُن کے بنے بنائے گھروں کو

عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۶﴾

بنیاد سے، تو گر پڑی اُن پر چھت اوپر سے، اور آیا اُن پر عذاب جہاں سے وہ سمجھے نہ تھے ●

(بے شک داؤں چلے جوان سے پہلے کے ہیں، تو اللہ) تعالیٰ (نے لیا ان کے بنے بنائے گھروں کو بنیاد سے، تو گر پڑی ان پر چھت اوپر سے، اور آیا ان پر عذاب جہاں سے وہ سمجھے نہ تھے)۔

اس سے مراد نمرود بن کنعان ہے۔ اس نے ایک نہایت بلند عمارت بنائی تھی تاکہ اس عمارت پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دے۔ اُس عمارت کے طُول میں اختلاف ہے۔ کسی نے فرمایا کہ اس کا طُول پانچ ہزار ۵۰۰۰ ہاتھ تھا، اور کسی نے کہا دو ۲ فرسخ یعنی تقریباً چھ ۶ میل۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست آندھی بھیجی جس نے اس محل کی چوٹی کو سمندر میں گرادیا اور باقی عمارت اس کے رہنے والوں پر گر پڑی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اُس سے مراد وہ کفارِ مکہ ہیں جو مکہ کے راستے میں کھڑے رہتے تھے، تاکہ مکہ میں

آنے والوں کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق گمراہ کریں۔

اس سلسلے میں تیسرا قول یہ ہے، کہ پچھلی امتوں کے بڑے بڑے کافر بھی اپنے نبیوں کے خلاف سازش کرتے تھے، لیکن ان کی سازشیں اُن پر الٹ گئیں۔ جس وقت یہ عذاب آیا انہیں وہم وخیال بھی نہیں تھا کہ حق تعالیٰ نمرود کو ہلاک کردے گا۔۔یا۔۔ وہ سمجھ نہ سکے تھے اور انہیں توقع نہ تھی کہ اس طور پر عذاب آئے گا۔ حق تعالیٰ نے بھنگے کو جو ایک بہت چھوٹا کیڑا ہوتا ہے نمرود کے لشکر پر مسلط کردیا اور خود نمرود کو مچھر کے عذاب میں مبتلا کردیا، کہ ایک مچھر نمرود کی ناک میں گھس گیا، اور دماغ کی جڑ میں جگہ پکڑی اور بڑا ہوا اور چار سو برس وہاں پر رہا اور ان چار سو برس تک ہتھوڑا۔۔یا۔۔ جوتا اُس کے سر پر مارتے تھے، کیوں کہ اس سے ذرا آرام پاتا تھا۔ المختصر۔۔ دنیا میں ان کی جو رسوائی ہوئی، وہ تو ہوئی۔۔۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ

پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا انہیں، اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک گڑھے ہوئے، جن کے لیے تم جھگڑا کرتے

فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۷

تھے۔ بول پڑے جن کو علم دیا گیا ہے، کہ بے شک رسوائی آج کے دن اور خرابی کافروں کی ہے●

(پھر قیامت کے دن رُسوا کرے گا انہیں اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک گڑھے ہوئے)، یعنی وہ لوگ جنہیں تم گمان کرتے تھے کہ میرے شریک ہیں، (جن کے لیے تم جھگڑا کرتے تھے) پیغمبروں اور مومنوں کے ساتھ ٹھٹھا بازی کر کے بعد ان سے مخالفت کر کے اور ان کی شان میں گستاخیاں کر کے۔ کفار بھلا اِس کا کیا جواب دیتے؟ ہاں (بول پڑے) جواباً وہ لوگ (جن کو علم دیا گیا ہے) یعنی اہلِ علم انبیاء اور ملائکہ۔۔یا۔۔ دانا لوگ کہ جنہوں نے خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دی ہے، وہ کہیں گے (کہ بے شک رسوائی آج کے دن اور خرابی کافروں کی ہے) یعنی آج کے دن ذلت رسوائی اور عذاب کافروں کے لیے ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ

جنہیں فرشتوں نے وفات دی، اِس حال میں کہ وہ اپنے ہی اوپر اندھیر کرنے والے ہیں، پھر انہوں نے اپنی بچت

مِنۡ سُوۡٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۸﴾

کی طرح ڈالی، کہ ہم کوئی گناہ بھی نہیں کرتے تھے۔ہاں کیوں نہیں! اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے●

(جنہیں فرشتوں نے وفات دی) اوران کی روحیں قبض کیں (اس حال میں کہ وہ اپنے ہی اوپر اندھیر کرنے والے ہیں) کفر کے سبب سے۔اورانہوں نے جب موت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اوراپنی موت کو یقینی گمان کرلیا، تو (پھرانہوں نے اپنی بچت کی طرح ڈالی) اورحق تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کا اعتراف کرنے لگے اور سراپا اطاعت گزار بن کر بولے، (کہ ہم کوئی گناہ بھی نہیں کرتے تھے)۔۔الغرض۔۔کفر، ظلم، شرک اور گناہ سبھی سے منکر ہو جائیں گے، تو حق تعالیٰ فرمائے گا (ہاں کیوں نہیں!)، یعنی نہیں ہے ایسا جو تم کہتے ہو۔یقیناً تم کافر تھے اور تم نے گناہ کیے ہیں۔(اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے)۔۔چنانچہ۔۔تمہیں تمہارے کرتوت کی سزا دے گا، اور سزا یہ ہے کہ حکمِ خداوندی سے کہیں گے فرشتے، کہ۔۔۔

فَادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ فَلَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿۲۹﴾

بس اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔پس کتنی بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی●

(بس اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں)۔۔یا۔۔دوزخ کے اُن طبقوں میں جو تمہارے لیے تیار ہیں۔حال یہ ہے کہ تم (ہمیشہ رہنے والے) ہو (اس میں۔پس کتنی بُری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی)۔۔الحاصل۔۔البتہ بُرا مقام ہے متکبروں کا جہنم۔

عرب کے لوگ حج کے موسم میں اپنے لوگوں کو مکہ معظّمہ میں بھیجتے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کی تحقیق کر کے انہیں پہنچائیں۔جب وہ بھیجے ہوئے لوگ مکے کے کافروں سے پوچھتے، کہ محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' پر کیا چیز اُترتی ہے، تو وہ کافر کہہ دیتے کہ اگلوں کی کہانیاں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔۔۔

وَقِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا مَاذَاۤ اَنۡزَلَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوۡا خَيۡرًا ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا

اور پوچھا گیا اُن سے جو ڈرتے رہے، کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ تو سب نے جواب دیا، کہ "بھلائی ہی بھلائی"۔جنہوں

فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ ؕ وَلَنِعۡمَ دَارُ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۰﴾

نے بھلائی کی، انہیں اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور دارِ آخرت اور زیادہ بہتر ہے۔اور کیسا اچھا ہے ڈرنے والوں کا گھر●

(اور) اس کے برخلاف جب (پوچھا گیا ان سے جو ڈرتے رہے) اور جنہوں نے شرک سے پرہیز کیا، یعنی مومنوں سے (کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ تو سب نے جواب دیا، کہ بھلائی ہی بھلائی)۔

اس سے قرآن مراد ہے کہ سب نیکیوں اور برکتوں کو جمع کیے ہوئے ہے اور دینوی۔۔نیز ۔۔دینی نیکیاں اور ظاہری باطنی خوبیاں اُس سے نکلتی ہیں۔

تو سن لو کہ ان لوگوں کے لیے (جنہوں نے بھلائی کی) یعنی اپنے اقوال وافعال میں نیکی کی ۔۔یا۔۔کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا ہے، (انہیں اس دنیا میں بھی بھلائی ہے) جان مال کی حفاظت، فتح ونصرت اور عزت وحرمت کی شکل میں، (اور) ان کے لیے (دارآخرت اور زیادہ بہتر ہے)، اس لیے کہ دنیا کی نعمتوں کے لیے فنا ہے، لیکن آخرت کی نعمتیں یعنی بہشت اور وہاں کے انعامات لازوال ہیں۔۔الحاصل۔۔غور کرو (اور) سوچو کہ (کیسا اچھا ہے) متقیوں یعنی خدا سے (ڈرنے والوں کا گھر)۔

بعضوں نے کہا کہ دنیا اچھا گھر ہے کہ اس میں زادِ آخرت تیار کر سکتے ہیں۔ 'اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَة' دنیا کھیتی ہے آخرت کی، کا مضمون اِس قول کا مؤید ہے۔اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آج 'بوؤ اور کل کاٹو'۔۔الحاصل۔۔کیا ہی اچھا ہے متقیوں کا گھر، یعنی۔۔۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ

ہیشگی والے باغ، جس میں داخل ہوں گے، بہہ رہی ہیں اُس کے نیچے نہریں، اُن کے لیے اُس میں ہے جو چاہیں۔

كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾

اسی طرح ثواب دیتا ہے اللہ ڈرنے والوں کو●

(ہیشگی والے باغ جس میں داخل ہوں گے) قیامت کے دن جس کی شان یہ ہے کہ (بہہ رہی ہیں اس کے) مکانوں کے (نیچے نہریں، ان کے لیے اس میں ہے جو چاہیں) اور چونکہ بہشت میں رشک اور حسد نہ ہوگا، اس لیے ہر جنتی کو جو مرتبہ حاصل ہوگا وہ اُسی پر راضی رہے گا۔۔المختصر۔۔جنتی وہی چاہے گا جو اس کے مقام ومرتبہ کے لائق ہوگا۔ (اسی طرح ثواب دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (ڈرنے والوں کو) یعنی پرہیزگاروں کو۔۔۔

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ

جنہیں وفات دیتے ہیں فرشتے اِس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہیں۔ کہیں گے، "سلامتی ہو

عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

آپ لوگوں پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں جو تم نیکیاں کرتے رہے"●

(جنہیں وفات دیتے ہیں فرشتے) حکم الٰہی سے (اس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہیں) یعنی پاک ہیں شرک اور گناہوں کے شائبوں سے۔۔یا۔۔خوش وقت ہوتے ہیں اس سبب سے کہ فرشتے انہیں خوشخبری دیتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔فرشتے ان سے تعظیم کی رُو سے (کہیں گے سلامتی ہو آپ لوگوں پر)۔

یعنی اللہ کا سلام ہو تم پر۔۔یا۔۔شاید ان پر فرشتوں کا سلام ہو اور سلام کے بعد کہیں گے، کہ کل قیامت کو اٹھو اور۔۔۔

(داخل ہو جاؤ جنت میں) جو تمہارے واسطے تیار کی جا چکی ہے۔ یہ صلہ ہے ان کا (جو تم) دنیا میں (نیکیاں کرتے رہے) اور خیرات وحسنات انجام دیتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر طعن کرتے ہوئے کفار کہتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں، تو پھر چاہیے کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آکر یہ کہے کہ آپ اللہ کے فرستادہ ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا، 'وہ تو ایمان لانے کے لیے صرف فرشتوں کے منتظر بیٹھے ہیں۔۔یا۔۔پھر عذابِ موعود کا انتظار کر رہے ہیں'۔ یہ سب کافروں کے ایمان نہ لانے کے بہانے تھے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر فرشتے آتے، تو دو حال سے خالی نہیں تھا۔۔یا۔۔تو وہ اپنی اصل صورت میں آتے۔۔یا۔۔انسانی شکل میں آتے۔ اب اگر وہ اپنی اصل اور حقیقی صورت میں آتے، تو ان کو دیکھنے کی تاب کون لاتا، خوف سے سب کی روح نکل جاتی، پھر ایمان کون لاتا؟

اور اگر وہ انسانی شکل میں آتے، تو پھر کافر کہتے کہ کیا ثبوت ہے کہ یہ فرشتے ہیں۔ یہ تو ہماری ہی طرح انسان نظر آرہے ہیں۔۔الغرض۔۔اُن کی کٹ حجتی کا دروازہ کھلا ہی رہتا۔۔ یونہی۔۔اگر عذابِ موعود آجاتا، تو بچتا ہی کون جو ایمان لاتا۔۔الحاصل۔۔کافروں کے ایمان لانے کی دونوں شرطیں جاہلانہ اور عامیانہ ہیں، جو ان کے شاطر ذہن کی پیداوار ہیں اور ایمان نہ لانے کے بہانے ہیں۔۔القصہ۔۔

هَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ

یہ کافر لوگ نہیں انتظار کر رہے ہیں، مگر اس کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے، یا آجائے تمہارے پروردگار کا آخری حکم۔ اسی طرح

فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کیا تھا اُن کے پہلوں نے۔ اور اُن پر اللہ نے اندھیر نہیں کیا، لیکن وہ خود

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ

اپنے اوپر اندھیر کرتے تھے • تو مصیبت بن گئے اُن کے لیے اُن کے بُرے کرتوت، اور پھانس لیا اُن کو

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع

جس کی ہنسی اڑاتے تھے •

(یہ کافر لوگ) ایمان لانے کے لیے (نہیں انتظار کررہے ہیں مگر اس کا، کہ آجائیں ان کے پاس فرشتے) اور وہ فرشتے آپ 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' کی نبوت کی شہادت دیں، (یا) یہ کہ (آجائے تمہارے پروردگار کا آخری حکم) ہلاک کردینے والا عذاب۔

یہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے کافروں کا حال نہ تھا، بلکہ جس طرح انہوں نے شرک کیا اور پیغمبر کی تکذیب کی۔

(اُسی طرح کیا تھا ان کے پہلوں نے) اور اس سبب سے اُن کو پہنچا جو پہنچا، (اور ان پر اللہ تعالیٰ (نے اندھیر نہیں کیا) انہیں ہلاک کرکے، (لیکن وہ خود اپنے اوپر اندھیر کرتے تھے) کفر اور معصیت کے سبب سے۔ (تو) عدلِ خداوندی کے سبب سے (مصیبت بن گئے اُن کے لیے اُن کے بُرے کرتوت) یعنی جزا ان برائیوں کی جو انہوں نے کی تھی۔ (اور پھانس لیا) یعنی گھیر لیا اور احاطہ کرلیا (ان کو) اُس عذاب نے جس کا حال اور (جس کی) بات سن کر وہ (ہنسی اڑاتے تھے)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ

اور کہنے لگے جنہوں نے شرک کیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو ہم معبود نہ بناتے اس کو چھوڑ کر کسی کو،

نَّحْنُ وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ

نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم اللہ کے مقابلے میں حرام بتاتے کچھ۔ اسی طرح کرتوت تھے اُن کے

مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

جو اِن سے پہلے تھے۔ تو رسولوں پر نہیں، مگر علانیہ پیغام پہنچا دینا •

بطورِ استہزاء (اور) مذاق اُڑانے کی نیت سے (کہنے لگے جنہوں نے شرک کیا ہے، اگر

اللہ) 'تعالیٰ' (چاہتا تو ہم معبود نہ بناتے اس کو چھوڑ کر کسی کو، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم اللہ) 'تعالیٰ' (کے مقابلے میں حرام بتاتے کچھ)۔

مشرکین کے اس شبہ کا حاصل یہ ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ایمان لے آتے، خواہ آپ ﷺ دنیا میں آتے یا نہ آتے، اور جب ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا ایمان مطلوب ہوتا، تو وہ ہم کو مومن بنا دیتا اور اس میں آپ کو پیغام دے کر بھیجنے اور آپ کی تبلیغ کرنے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ الانعام آیت ۱۴۸ میں کفار کا یہ اعتراض گزر چکا ہے۔ ان کے اِس اعتراض کا مفصل جواب اُس آیت کی تفسیر کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا، تمام فرشتے اور مخلوقات اپنے اختیار کے بغیر جبراً اللہ تعالیٰ کی طاعت کرتی ہے، بجز انسان اور جنات کے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ انسان اور جن اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان ہی کے لیے جنت اور دوزخ کو بنایا اور باقی کسی مخلوق کے لیے جزا اور سزا کا نظام نہیں بنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی پیدا کیا، جو لوگوں کو کفر اور بُرے کاموں کی طرف اُکساتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی بھیجا، جو لوگوں کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں پیدا کیں، ایک وہ جو اُسے نیکیوں پر اُبھارتی ہے اور ایک وہ قوت جو اس کو بُرائیوں پر اُکساتی ہے۔ پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی، کہ وہ کفر اور ایمان اور برائی اور نیکی میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرے۔ جو ایمان اور نیکی کو اختیار کرے گا، اس میں وہ ایمان اور نیک کاموں کو پیدا کر دے گا، اور جو کفر اور بُرے کاموں کو اختیار کرے گا، وہ اس میں کفر اور بُرے کاموں کو پیدا کر دے گا، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے۔

پھر ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو اپنے فضل سے جنت اور اُخروی نعمتیں عطا فرمائے گا اور کفر کرنے والوں اور بُرے کام کرنے والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔۔ الختصر۔۔ شرک، تکذیب، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے تعلق سے کفار مکہ کی جو روش تھی بالکل۔۔۔

(اسی طرح) کے (کرتوت تھے اُن کے جواُن سے پہلے تھے)۔ پیغمبروں کی ہدایت یہ بھی نہیں مانتے اور وہ بھی نہیں مانتے تھے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہدایت کو منوالینا پیغمبر کے فریضۂ نبوت میں نہیں۔ (تو رسولوں پر نہیں) ہے (مگر علانیہ پیغام پہنچادینا) کوئی مانے۔۔یا۔۔نہ مانے۔ پیغمبر کا فرض صرف یہی ہے کہ راہِ حق کو ظاہر کر دے۔۔یا۔۔حق کو واضح طور پر بیان کر دے۔تو انسانوں کی ہدایت کے لیے۔۔۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اور بلا شبہ بھیجا ہم نے ہر امت میں پیغام بر، کہ پوجو اللہ کو، اور بچو شیطان سے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِيْرُوْا

توان میں سے بعض نے راہ پالی۔اور بعض وہ، کہ ٹھیک پڑی اُن پر گمراہی۔تو سیر کرو

فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶

زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا●

(اور) انہیں صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے (بلا شبہ بھیجا ہم نے ہر امت میں پیغامبر) جیسے اَے محبوب! تمہیں اس امت میں ہم نے بھیجا اور سب رسولوں کو ہم نے یہی حکم کیا کہ اپنی اپنی قوم سے کہہ دو (کہ پوجو اللہ) تعالیٰ (کو اور بچو شیطان سے)، اس کی عبادت واطاعت سے پرہیز کرتے رہو۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ شیطان اُسے کہیں گے جس میں شیطنت ہو۔۔یوں ہی۔۔ طاغوت اُسے کہیں گے جس میں سرکشی ہو، تو جو صالحین میں ہوں ان کی بھی پرستش کفر وشرک ہی ہے، لیکن ان صالحین کو طاغوت اور شیطان کا مصداق قرار دینا غلط ہے۔ ان کے سوا جن جن غیر خدا کی پرستش کی گئی ہے، وہ سب طاغوت کا مصداق بنتے ہیں۔ یہ وضاحت اِسی لیے کر دی گئی ہے تا کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو طاغوت کا مصداق نہ قرار دے دے۔اور اپنے ایمان سے ہاتھ نہ دھولے۔

۔۔قصہ مختصر۔۔جن جن امتوں میں پیغمبر مبعوث فرمائے گئے، (تو) پیغمبر کے ہدایت فرمانے پر (ان میں سے بعض نے راہ پالی) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق بخشی۔ انہوں نے ہدایت حاصل کرنے کا عزم کیا، تو اللہ نے ان میں ہدایت پیدا فرمادی۔ (اور) ان کے برخلاف (بعض وہ ہیں (کہ ٹھیک پڑی ان پر گمراہی)۔۔چنانچہ۔۔

گمراہی ان پر واجب ہوگئی بہ سبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے نصیب کر دیا۔

جبھی تو انہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی کا عزم کرلیا اور پھر ان میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی پیدا فرمادی۔

(تو) اَے مشرکو! اُٹھو اور (سیر کرو زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا) یعنی عاد اور ثمود کے شہروں کی طرف سے گزرو اور فکر اور عبرت کی نظر سے دیکھو، تو تمہیں ظاہر ہو جائے گا، جو کچھ انہوں نے کیا تھا، وہ جو کوئی کرے گا، وہ اسی طرح ہلاک ہوگا جس طرح وہ ہلاک ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ازراہِ کمالِ خیر خواہی کفارِ مکہ کے اسلام اور ایمان لانے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے، اس کے باوجود وہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے، اس سے نبی ﷺ کو بہت رنج ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے لیے کفر اور گمراہی کو اختیار کرلیا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیا، تو وہ اب ان کے لیے ہدایت کو پیدا نہیں کرے گا، اور اب ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ سو اب آپ ان پر افسوس نہ کریں اور ان کے متعلق غمگین نہ ہوں۔

آپ کا منصب اللہ کا پیغام پہنچانا اور دینِ اسلام کی تبلیغ کرنا ہے، سو آپ نے اللہ کے پیغام کو احسن اور کامل طریقہ سے پہنچادیا، اب اگر آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے، تو آپ غم نہ کریں کیونکہ ان کے دل میں ایمان پیدا کر دینا اور کفر کو ایمان سے اور گمراہی کو ہدایت سے بدل دینا، یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ صرف اللہ عزوجل کا کام ہے اور اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان کو اختیار نہ کریں گے اور کفر پر اصرار کریں گے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لکھے کو کوئی ٹال نہیں سکتا

۔۔تو۔۔

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ

اگر تمہیں لالچ ہے اُن کی ہدایت کی، تو اس میں بھی شبہ نہیں، کہ اللہ راہ نہیں دیتا جو بے راہ ہو جائے۔

وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾

اور نہیں ہے اُن کا کوئی مددگار●

اَے محبوب! (اگر تمہیں لالچ ہے ان کی ہدایت کی، تو اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ) تعالیٰ (راہ

نہیں دیتا) اُسے (جو) خود اپنے عزم وارادہ سے (بے راہ ہو جائے) اور کفر و گمراہی ہی کو اپنا لے۔ (اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار) جو اُن سے عذاب دفع کرے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو مومن اور ہدایت یافتہ بناتا ہے اور نہ ہی جبراً کسی کو کافر اور گمراہ بناتا ہے۔ جو ایمان کو اختیار کرتا ہے اس کو مومن بنا دیتا ہے، اور جو کفر کو اختیار کرتا ہے اُسے کافر بنا دیتا ہے۔

آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یہ بھی اعتراض تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ مرنے کے بعد سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو وہ اِس بنا پر آپ کی رسالت کو باطل قرار دیتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ کفار قسمیں کھا کھا کر اس بات کی تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس تعلق سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کا قرض ایک کافر پر تھا، وہ تقاضے کے واسطے گیا۔ باتوں باتوں میں مسلمان کی زبان سے یہ نکلا کہ اُس خدا کی قسم کہ مرنے کے بعد اس کی ملاقات کا امیدوار ہوں۔ کافر بولا، تو مرنے کے بعد زندہ ہونے کی امید رکھتا ہے؟ مسلمان بولا کہ ہاں، اُس کافر کے مذہب میں جو سخت قسمیں مقرر تھیں وہ قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ مرنے کے بعد کوئی بھی زندہ نہ رہے گا۔

گو اس خاص واقعہ کا تعلق کافروں کے ایک فرد سے ہے، لیکن اُس کے اِس خیال سے سارے کفار متفق اور اس کی تائید کرنے والے تھے اور بذاتِ خود قسمیں کھا کر اپنے "مرنے کے بعد نہ اٹھنے" کے عقیدے کو پیش کیا کرتے تھے۔ تو وہ، واقعہ میں جس کا ذکر ہے۔۔۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ

اور قسم کھا بیٹھے اللہ کی، بڑے زور کی قسم۔ "کہ نہ اٹھائے گا اللہ جو مر جائے"۔

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۳۸

"ہاں کیوں نہ اٹھائے گا" اس پر وعدہ ہے بالکل ٹھیک، لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں●

(اور) دوسرے اس کے ہم خیال اپنے اپنے طور پر (قسم کھا بیٹھے اللہ) تعالیٰ (کی بڑے زور کی قسم) یعنی اپنی سخت تر قسم اس بات پر، (کہ نہ اٹھائے گا اللہ) تعالیٰ کسی کو بھی (جو مر جائے)۔ بکنے دو اُن بکنے والوں کو، اللہ تعالیٰ ضرور اٹھائے گا مرنے کے بعد، اور (ہاں) سوچو آخر وہ (کیوں نہ اٹھائے گا) جب کہ (اس) بعث بعد الموت (پر) اس کا (وعدہ ہے) جو (بالکل ٹھیک) اور بالکل حق

ہے اور جس کا وفا ہونا لازم ہے، (لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں) اور نہیں جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ انہیں اٹھائے گا۔

حق تعالیٰ نے یہ وعدہ اس لیے فرمایا۔۔۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا

تا کہ ظاہر فرمادے انہیں وہ جس میں وہ جھگڑتے ہیں، اور تا کہ جان لیں کافر،

أَنَّهُمْ كَانُوا كَٰذِبِينَ ﴿٣٩﴾

کہ وہ جھوٹے تھے●

(تا کہ ظاہر فرمادے انہیں) بعث وحشر کے (وہ) امور (جس میں وہ جھگڑتے ہیں اور تا کہ جان لیں کافر کہ) قیامت سے انکار کرنے میں (وہ جھوٹے تھے)۔ یہ نادان کیا جانیں کہ حق تعالیٰ جو پیدا کرتا ہے اس کا پیدا کرنا کسی مادّے اور کسی مدد پر موقوف نہیں، بلکہ صرف مشیتِ الٰہی اور امرِ خداوندی پر موقوف ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنَٰهُ أَن نَّقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ ع ۵

بس ہمارا فرمان کسی چاہے کے لیے، جب کہ ہم نے اس کے وجود کا ارادہ فرمالیا یہی ہے، کہ ہم اُسے حکم دیتے ہیں کہ 'ہوجا' تو وہ ہوجاتا ہے●

(بس ہمارا فرمان کسی چاہے کے لیے جب کہ ہم نے اس کے وجود کا ارادہ فرمالیا یہی ہے، کہ ہم اُسے حکم دیتے ہیں، کہ 'ہوجا' تو وہ ہوجاتا ہے)۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی پہلے پہل بے مادّے کے کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر ہو، تو موجود ہونے کے ساتھ اُس چیز کو پھر دوبارہ پیدا کرنے کی بدرجہ اولیٰ اس میں قدرت ہوگی۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفارِ مکہ نے اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد لوگوں کو پیدا نہیں کرے گا اور حشر ونشر کا انکار کیا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی، جہالت اور گمراہی میں حد سے تجاوز کر چکے تھے اور جو مسلمان اس عقیدے میں ان کے مخالف تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کرتے تھے۔ اس ظلم وستم کے نتیجے میں مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی۔ سو اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف اور تحسین فرمائی جنہوں نے اللہ کے دین پر آزادی اور بے خوفی سے عمل کرنے کے لیے مکہ سے

ہجرت کی۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ اصحابِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔۔ مثلاً: حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت خباب، حضرت عمار اور حضرت ابوجندل بن سہیل رضی اللہ عنہم۔۔۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں بعد اِس کے کہ مظلوم بنائے گئے، ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے اُن کو دنیا میں اچھا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾

اور بلاشبہ آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔۔۔اگر علم سے کام لیں●

وقف لازم

(اور) اُن کے سوا (جنہوں نے) بھی (ہجرت کی اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں بعد اس کے کہ مظلوم بنائے گئے)۔

اس سے وہ اصحاب مراد ہیں جن پر قریش نے ظلم کیا اور اس ظلم کے سبب وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے، تو ان مہاجرین کے لیے ارشادِ خداوندی ہے، کہ۔۔۔

(ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے ان کو دنیا میں اچھا) یعنی شہر مدینہ منورہ۔

ایک قول کے مطابق بہت زیادہ مالِ غنیمت، کہ جہاں بھی رہیں سکون سے رہیں۔ان کو دُنیا میں تو جو کچھ ملے گا، وہ تو ملے گا ہی۔۔مزید برآں۔۔ان کے لیے آخرت میں بھی ثواب ہے۔

(اور بلاشبہ) ان کے لیے (آخرت کا) جو (ثواب) ہے وہ (بہت) ہی (بڑا ہے، اگر علم سے کام لیں)۔ کفار اگر اس کی بڑائی اور عظمت کو جان لیتے، تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ ایمان لاتے اور ہجرت میں موافقت کرتے۔۔یا۔۔اگر مہاجرین جانیں تو کوشش اور صبر کرنے میں زیادتی کریں۔ وہ مہاجرین۔۔۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

جنہوں نے صبر کیا، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں●

(جنہوں نے صبر کیا) یعنی وطن چھوڑا اور کافروں کی اذیت پر صبر کیا **(اور) جو (اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں)** اور اپنا کام اسی پر چھوڑتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے متعلق کفار کے شبہات میں ایک شبہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند اور بالا ہے کہ وہ کسی بشر اور انسان کو رسول بنائے،

اور اپنا پیغام دے کر بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کو اگر کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجنا ہوتا، تو وہ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا، جو انسان کے بہ نسبت بہت معزز اور مکرم مخلوق ہے۔

قرآنِ کریم میں اس شبہ کا شافی جواب موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر فرشتہ اپنی شکل میں آتا تو وہ نہ اس کا کلام سن سکتے، نہ اس کو دیکھ سکتے اور نہ اس کو چھو سکتے، تو اس کو اصلی شکل میں بھیجنا بالکل عبث ہوتا۔ اور اگر ہم اس کو انسانی پیکر، بشر کی صورت اور مَرد کے لباس میں بھیجتے تو وہ اس پر یقین نہ کرتے کہ یہ فرشتہ ہے، اور ہرگز نہ مانتے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ سو جو شبہہ ان کو لاحق ہے، وہ پھر بھی لاحق ہوتا۔ اِسی مصلحت۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے، مگر کچھ مردانِ حق، کہ ہم وحی فرماتے رہے اُن کی طرف، تو دریافت کیا کرو علم والوں سے،

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اگر تم خود نہیں جانتے●

(اور) حکمتِ بالغہ کے تحت پہلے ہی سے ہماری سنت رہی ہے کہ (نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے) بھی فریضہ رسالت انجام دینے کے لیے (مگر کچھ مردانِ حق، کہ ہم وحی فرماتے رہے ان کی طرف)۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عادت یوں ہی جاری ہے کہ حق تعالیٰ آدمی ہی کو رسول بنا کر بھیجتا ہے، فرشتوں کو نہیں۔ (تو دریافت کیا کرو علم والوں سے) یعنی اہلِ کتاب کے عالموں سے، (اگر تم خود نہیں جانتے) کہ اگلے انبیاء سب آدمی تھے، جو اگلی امتوں پر مبعوث ہوئے اور ان کی ہدایت کے واسطے بھیجے گئے۔ اِن مردانِ حق کی صداقت ظاہر فرمانے کے لیے بھیجتے رہے ہم ان کے ساتھ۔۔۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

روشن دلیلوں اور کتابوں کو۔ اور نازل فرمایا تمہاری جانب قرآن کو، تاکہ صاف بیان کردو لوگوں کو جو اُن کی طرف اتارا گیا،

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہ سوچ سے کام لیں●

(النصف)

(روشن دلیلوں اور کتابوں کو اور) ایسے ہی (نازل فرمایا تمہاری جانب) اَے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (قرآن کو، تاکہ صاف بیان کردو لوگوں کو جو ان کی طرف اُتارا گیا) یعنی خدائی اوامر ونواہی سے

انہیں اچھی طرح باخبر کردو، تا (کہ سوچ سے کام لیں) اور جان لیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں ہے۔

کفارِ مکہ کی بھی عجیب روش تھی، کہ وہ پیغامِ حق کو سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے اور خفیہ طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچانے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چار قسم کی دھمکیاں دیں۔ پہلی دھمکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اس طرح دھنسا دے گا، جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔

دوسری دھمکی یہ دی کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا جہاں سے عذاب کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا، جیسے قومِ لوط پر اچانک عذاب آگیا تھا۔

تیسری دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ حالتِ سفر میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا، اس لیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے شہروں میں ہلاک کردینے پر قادر ہے، اِسی طرح اُن پر اُن کے سفر کے دوران بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ وہ کسی دوُر دراز علاقے میں پہنچ کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے۔۔ بلکہ۔۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ لے گا، وہ کسی اور جگہ جا کر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے۔

چوتھی دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو عین حالتِ خوف میں پکڑ لے گا، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا، بلکہ ان کو خوف میں مبتلا کرے گا۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اللہ تعالیٰ ان کے قریب والوں پر ہلاکت طاری کردے گا اور وہ اس خوف میں مبتلا ہوں گے، کہ ان پر بھی عذاب آجائے گا اور وہ بڑے عرصے تک خوف، گھبراہٹ، وحشت اور دہشت میں مبتلا رہیں گے۔۔ المختصر۔۔ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے، کہ۔۔۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ

تو کیا امان پا گئے جو برائیوں کے داؤں چلتے رہے اس سے، کہ دھنسا دے اللہ انہیں زمین میں،

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ

یا آجائے اُن پر عذاب جہاں سے انہیں خیال بھی نہ ہو● یا پکڑ لے انہیں اُن کے

فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ

چلتے پھرتے میں، کہ وہ تو اللہ کو روک سکتے نہیں● یا پکڑ لے انہیں دباتے دباتے،

فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٤٧﴾

کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے●

(تو کیا امان پا گئے) اور نڈر ہو گئے وہ لوگ (جو برائیوں کے داؤں چلتے رہے) اور رسولِ عربی کے ساتھ مکر کرتے رہے (اس سے، کہ دھنسا دے اللہ) تعالیٰ (انہیں زمین میں) جیسے قارون کو دھنسا دیا تھا (یا آجائے اُن پر عذاب، جہاں سے انہیں خیال بھی نہ ہو) جیسے قومِ لوط پر عذاب آیا (یا پکڑے انہیں ان کے چلتے پھرتے میں) یعنی تجارت کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کو آتے جاتے ۔۔یا۔۔سونے کے بستر پر ادھر اُدھر پھرنے اور کروٹ لینے میں۔ان میں سے کوئی بھی عذاب آنے والا ہوگا تو وہ آکر ہی رہے گا، کیوں (کہ وہ تو اللہ) تعالیٰ (کو) عذاب نازل فرمانے سے (روک سکتے نہیں) اور اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔

(یا) نڈر ہیں اس بات سے کہ (پکڑ لے انہیں) عذاب (دباتے دباتے) یعنی جو قوم ان کے پہلے تھی اس کے عذاب سے ڈریں اور اسی ڈر کی حالت میں ان پر عذاب نازل ہو۔۔یا یہ۔۔کہ ابتداءً ان پر عذاب نہیں لائے گا، بلکہ پہلے ان کے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کرے گا اور ان کے گرد بستیاں کم ہوتی جائیں گی، اور بتدریج عذاب کا ریلا ان کی طرف بڑھتا رہے گا۔۔یا۔۔

اس کا معنی یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے مالوں اور جانوں میں کمی ہوتی جائے گی۔

اب اگر یہ کفار فی الحال عذاب نہیں دیکھتے تو اس سے بالکل بے خوف نہ ہو جائیں، اس لیے کہ عذاب کی تاخیر اس لیے بھی ہوتی ہے، کیوں (کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان) ہے کہ بندوں کے ساتھ بردباری کرتا ہے اور (رحم فرمانے والا ہے) کہ عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ

کیا انہیں نہیں سوجھتا جو کچھ اللہ نے پیدا فرمایا اپنی مشیئت سے؟ ان کے سائے جھکے پڑے رہتے ہیں داہنے بائیں۔

وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾

اللہ کا سجدہ کرتے ذلیل و عاجز حال میں ●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے عذابوں سے کفارِ مکہ کو ڈرایا تھا اور دھمکایا تھا اور اِن اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کمال کو ظاہر فرمایا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہے، اور ہر چیز اس کی عظمت اور قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز

ہے، تواب اگر کافر اُسے سجدہ نہ کریں تو کیا نقصان ہے۔ اس واسطے کہ ان کے سایے تو اس حق تعالیٰ کے واسطے فروتنی اور خشوع خضوع کرتے ہیں۔۔تو۔۔

(کیا انہیں نہیں سوجھتا) کہ (جو کچھ اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمایا اپنی مشیت سے ان) میں سے کثیف اور مادی اجسام والوں یعنی ہر سایہ دار (کے سایے جھکے پڑے رہتے ہیں داہنے) اور (بائیں اللہ) تعالیٰ (کا سجدہ کرتے) ہوئے (ذلیل وعاجز حال میں)، یعنی فروتنی اور خضوع کے ساتھ۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ

اور اللہ ہی کا سجدہ کرتے ہیں، جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں چلنے والے اور سارے فرشتے،

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝٤٩

اور وہ بڑے نہیں بنتے ●

(اور) صرف سایے ہی نہیں، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں) از قسم علویات (اور جو زمین میں ہیں چلنے والے اور) بالخصوص عالم علویات کے (سارے) مکرم و معظم (فرشتے) سجدے میں جھکے رہتے ہیں، (اور وہ) فرشتے سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور (بڑے نہیں بنتے)۔

ذہن نشین رہے کہ سجدے کی دو صفتیں ہیں۔ ایک عبادت کا سجدہ جس کی ایک شکل یہ ہے کہ عبادت کی نیت سے زمین پر ماتھا رکھنا۔ یہ عقل والوں کا سجدہ ہے۔ دوسرا فروتنی اور خضوع اور مسخر ہونے کے سجدے۔ یہ ان کے سجدے ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے، اور قرآنی سجدوں میں یہ تیسرا سجدہ ہے۔ اسے 'سجودِ عالم اعلیٰ وادنیٰ' کہتے ہیں، کہ ذلت اور خوف کے مقام پر حق تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، تو چاہیے کہ بندہ اس محل پر ان دو صفتوں سے موصوف ہو کر اپنے کو سجدہ کرنے والوں کے زمرے میں داخل کرے۔۔ المختصر۔۔فرشتے تکبر نہیں کرتے، بلکہ وہ۔۔۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝٥٠ السجدة

اپنے پروردگار کا خوف چھائے ہیں اپنے اوپر، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے ●

(اپنے پروردگار کا خوف چھائے ہیں اپنے اوپر) کہ ناگاہ اس کا عذاب اوپر سے نازل نہ

ہو جائے۔ (اور) یہ فرشتے (وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے) خواہ وہ کسی کام کے کرنے کا حکم ہو۔۔یا۔۔کسی کام کے نہ کرنے کا حکم ہو۔ عبادت وذکر میں بھی جس کیفیت اور حالت کے مامور ہوتے ہیں اُسی پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا، ہر چیز اس کی مطیع وفرمانبردار ہے خواہ وہ چیز عالمِ ارواح سے ہو۔۔یا۔۔عالمِ اجسام سے ہو۔ فرشتے ہوں یا جنات ہوں، انسان ہوں یا حیوان ہوں، سب اختیاری یا اضطراری طور پر اُسی کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا اور فرمایا کہ سارا جہاں اس کی ملک ہے سب اپنے وجود اور اپنی بقاء میں اس کے محتاج ہیں اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔۔۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اور فرمادیا اللہ نے کہ نہ قرار دو، معبود دو۔ بس وہی ہے معبود اکیلا،

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾

تو مجھی سے ڈرا کرو●

(اور) ساتھ ہی ساتھ واضح لفظوں میں (فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے کہ نہ قرار دو معبود دو) یعنی خدا کے سوا کسی اور کو معبود نہ بناؤ کہ وہ تمہارا دوسرا معبود کہلائے، اس لیے کہ (بس وہی ہے معبود اکیلا)۔ یعنی اس کے سوا کوئی اس لائق ہے ہی نہیں کہ اُسے معبود قرار دیا جائے۔۔الختصر۔۔وحدت، الوہیت کو لازم ہے۔ اس واسطے کہ الوہیت کا مرتبہ شرک نہیں قبول کرتا۔ جیسا کہ صاف صاف دلیلوں سے ثابت ہو چکا، تو چاہیے کہ خدا ایک ہی ہو ہر طرح سے، اور کسی چیز سے متعلق نہ ہو، بلکہ کل اشیاء اس سے ظاہر ہوں اور وہ بے اشیاء کے قائم رہے۔ ڈر اور خوف اُسی کا رکھا جائے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب یہ حقیقت ہے کہ صرف میں ہی خدا ہوں (تو) خدا سمجھتے ہوئے صرف (مجھی سے ڈرا کرو) اور میری ہی فرمانبرداری کرتے رہو، اور میری ہی نافرمانی سے اپنے کو بچاتے رہو۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ

اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اُسی کی فرمانبرداری ہمیشہ ضروری ہے۔ تو

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

کیا اللہ سے غیریت والے کو ڈرا کرو گے؟●

(اور) ایسا کیوں نہیں ہونا چاہیے، جب کہ (اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی سب کا مالک حقیقی وہی ہے (اور اُسی کی فرمانبرداری ہمیشہ ضروری ہے)۔۔یا۔۔دین پسندیدہ اس کے واسطے باقی اور ثابت ہے۔۔یا۔۔اس کے واسطے ہے جزا دائم، غیر منقطع، یعنی مطیع کا ثواب اور عاصی کا عذاب۔ (تو کیا اللہ) تعالیٰ (سے غیریت والے کو ڈرا کرو گے) یعنی جو خدا کے غیر اور اس سے بیگانہ ہیں۔۔نیز۔۔اس سے کٹے ہوئے ہیں۔ ان کو خدا گمان کر کے ان سے خوف کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آخر ان کا کیا ہے جو تمہارا کچھ بگاڑ لیں گے۔ تو سن لو!۔۔۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جو بھی تم پر کوئی بھی نعمت ہے، تو اللہ کی طرف سے، پھر جب پہنچا تمہیں نقصان، تو اُسی کی طرف گڑگڑاتے ہو●

(اور) یاد رکھو! کہ (جو بھی تم پر کوئی بھی نعمت ہے، تو اللہ) تعالیٰ ہی (کی طرف سے ہے)۔۔ مثلاً: صحت، مالداری، ارزانی، ان امور کا عطا کرنے والا حق تعالیٰ ہی ہے۔ (پھر جب پہنچا تمہیں نقصان) ۔۔مثلاً: مرض، محتاجی، قحط (تو اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو) اور اسی سے طالبِ اعانت ہوتے ہو۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

پھر جب اُس نے دور کر دیا تم سے ضرر کو، تو تم میں سے ایک گروہ ہے کہ اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتا ہے●

(پھر جب اس نے دوُر کر دیا تم سے ضرر کو) یعنی اس سختی سے تمہیں نجات دے دی جس کے سبب سے تم فریاد کرتے تھے، (تو تم میں سے ایک گروہ ہے کہ اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتا ہے) اور مسبب الاسباب سے غافل ہو کر ہر چیز کے دستیاب ہونے۔۔یا۔۔بلا کے رَد ہونے کی حقیقی نسبت کسی نہ کسی سبب کی طرف کرنے لگتا ہے۔۔۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

تا کہ ناشکری کریں جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں۔ اچھا، تو رہ سہہ لو کچھ دن۔۔۔ پھر تو جلدی معلوم ہو جائے گا●

(تا کہ ناشکری کریں جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں)۔ یہ کتنی بڑی ناشکری ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ملنے والی عطائے نعمت۔۔یا۔۔دفع مضرت کی حقیقی نسبت اُس مسبّب الاسباب کی طرف نہ کی جائے اور کسی غیر کو حقیقی طور پر 'دافع البلاء' اور 'حاجت روا' سمجھ لیا جائے۔ اور یہ بات اور بھی سنگین ہو جاتی ہے، جب ایسوں کو 'دافع البلاء' اور 'حاجت روا' سمجھا جانے لگے، جو ان باتوں کو انجام دینے کی طاقت وصلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ اپنے بدن پر بیٹھی ہوئی ایک مکھی کو بھی اُڑا نہیں سکتے۔ **(اچھا، تو)** اَے کافرو! **(رہ سہہ لو کچھ دن)** اور چند دن کی نعمتوں سے اپنا کام چلا لو اور دنیا سے فائدہ اٹھا لو، **(پھر تو جلدی معلوم ہو جائے گا)** ناشکروں کا انجامِ کار۔ یہ بہت سخت وعید ہے۔۔۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَٰهُمْ ۗ تَٱللَّهِ لَتُسْـَٔلُنَّ

اور نکالتے ہیں حصہ اُن کا جنہیں جانتے بھی نہیں اِس روزی سے، جو ہم نے دے رکھی ہے۔ اللہ کی قسم،

عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

ضرور باز پُرس کیے جاؤ گے، جو من گڑھت کرتے ہو ●

(اور) مشرکین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے، کہ **(نکالتے ہیں حصہ ان کا جنہیں جانتے بھی نہیں)** یعنی جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی اطاعت کرنے میں کوئی نفع ہے۔۔یا۔۔ان سے اعراض کرنے میں کوئی نقصان ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے ان بتوں کی تحقیر مقصود ہے، کہ ان بتوں کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔

۔۔المختصر۔۔وہ بتوں کے لیے حصہ نکالتے **(اس روزی سے جو ہم نے دی رکھی ہے)**۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کریں، اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لیے مقرر کرتے تھے تاکہ اُن کا تقرب حاصل کریں۔ الانعام آیت ۱۳۶ میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان میں بعض مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ بعض اشیاء بتوں کی اِعانت سے حاصل ہوتی ہیں، جیسے نجومیوں نے اس جہان کی تاثیرات کو سات سیاروں میں منحصر کر دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز 'زحل' کی تاثیر سے ہے، اور فلاں چیز 'عطارد' کی تاثیر سے ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا، یعنی مشرکین سے ان کے مذہب کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا، کہ تم کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ حصہ بتوں کے لیے رکھتے تھے، اس پر تمہاری کیا دلیل ہے؟ یا ایسا کرنے کا کیا جواز ہے؟

۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ **(کی قسم ضرور باز پُرس کیے جاؤ گے، جو من گڑھت کرتے ہو)** یعنی تم جو یہ افتراء کرتے ہو کہ بُت ہمارے خدا ہیں اور کھیتی اور چارپایوں کے حصے سے ہم ان کے ساتھ تقرب کرتے ہیں۔ قیامت میں تمہاری ان تمام جھوٹی باتوں کے تعلق سے تم سے باز پُرس ہوگی۔ اس افتراء کرنے والوں کی جسارت تو دیکھو۔۔۔

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُونَ ﴿۵۷﴾

اور قرار دیتے ہیں اللہ کے لیے لڑکیاں، سبحان اللہ! اور خود اُن کے لیے جواُن کا دِل چاہے●

(اور) ان کی بے باکی پر غور تو کرو، کہ **(قرار دیتے ہیں اللہ)** تعالیٰ **(کے لیے لڑکیاں)** خزاعہ اور کنانہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ **(سبحان اللہ)** پاک ہے اللہ اُن کے قول سے، کہ اللہ بیٹیاں رکھتا ہے۔ **(اور خود ان کے لیے جوان کا دِل چاہے)** اور جن کے سبب سے وہ فخر و ناز کرتے ہیں یعنی بیٹے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾

حالانکہ جب ان میں کسی کو بیٹی کی خوش خبری دی گئی، تو سارا دن اُس کا منہ کالا رہا، اور وہ غصہ کے گھٹن میں رہا●

(حالانکہ) یعنی بیٹیوں سے نفرت کا ان کا یہ حال ہے، کہ **(جب ان میں کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی گئی تو سارا دن اُس کا منہ کالا رہا)** رنج و غم کی وجہ سے اور اپنی قوم میں شرمندگی حاصل ہونے کے سبب سے، **(اور وہ غصہ کے گھٹن میں رہا)** اپنی جورو پر کہ تو نے لڑکی کیوں جنی۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ

منہ چھپائے پھرتا ہے اپنی قوم سے، اس خوش خبری کی ناگواری سے، کیا اِسے ذلت کی حالت پر رکھے گا،

أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

یاد بادے گا اِسے مٹی میں؟ دیکھوتو کتنی بُری تجویز کرتے ہیں ●

(منہ چھپائے پھرتا ہے اپنی قوم سے)، اپنے آشناؤں اورعزیزوں سے (اس خوشخبری کی ناگواری سے)۔۔الغرض۔۔اپنی قوم سے چھپاتا ہے کہ میری لڑکی پیدا ہوئی اور فکر میں رہتا ہے، کہ (کیا اُسے ذلت کی حالت پر رکھے گا، یا دبا دے گا اُسے مٹی میں؟) یعنی زندہ زمین میں دفن کردے، جیسے کہ بنوتمیم اور بنونضیر کرتے تھے۔ (دیکھوتو کتنی بُری تجویز کرتے ہیں) یعنی لڑکی جوان کے نزدیک کچھ قدر اورعزت نہیں رکھتی، اُسے خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں۔۔الحاصل۔۔

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ

جو نہ مانیں آخرت کو، سراپا بد ہیں۔اوراللہ کی شان سب سے بلند و بالا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

ع
۱۴/۱۰

اور وہی عزت والا حکمت والا ہے ●

(جو نہ مانیں آخرت کو سراپا بد ہیں) جبھی تو لڑکیوں سے کراہت رکھتے ہیں اور اس کو زندہ درگور کردینے کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کی شان سب سے بلند و بالا ہے) 'وجوبِ ذاتی' اور 'غنائے مطلق' اس کی صفات میں سے ہے، اور وہ اہل وعیال والا ہونے سے پاک وصاف ہے۔ (اور وہی عزت والا) ہے جو سب پر غالب ہے اور کافروں کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے وقتِ معلوم تک ان کی مہلت کا۔ یہ تو اس کی کرم فرمائی ہے کہ اس نے چھوٹ دے رکھی ہے تاکہ توبہ کرکے راہِ راست پر آجائیں۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ

اور اگر دھر پکڑ کرنے لگتا اللہ لوگوں کی اُن کے اندھیر مچانے سے، تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی چلنے والے کو۔ لیکن وہ مہلت دیتا ہے

إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾

نامزد کردہ وقت تک۔ تو جیسے ہی آیا اُن کا وقت، تو نہ پچھڑیں گے گھڑی بھر کو، اور نہ آگے بڑھیں گے ●

(اور اگر) ایسا ہوتا کہ (دھر پکڑ کرنے لگتا اللہ) تعالیٰ (لوگوں کی ان کے اندھیر مچانے سے،

تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی چلنے والے کو) ان کے کفر کی بدبختی کے سبب سے۔(لیکن وہ مہلت دیتا ہے نامزد کردہ وقت تک) جوان کی موت۔۔یا۔۔ان پر عذاب کے واسطے مقرر ہے۔(تو) لوگو! اچھی طرح سے سن لو! کہ (جیسے ہی آیا ان کا وقت) جوان پر عذاب۔۔یا۔۔ان کی موت کے لیے مقرر ہے، (تو نہ پچھڑیں گے گھڑی بھر کو اور نہ آگے بڑھیں گے) یعنی جب وہ وقت پہنچے گا، تو اُسی دم عذاب میں مبتلا ہوں گے۔۔یا۔۔مرجائیں گے۔ذرا اُن کی کم عقلی۔۔۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ

اور گڑھتے ہیں اللہ کے لیے جو اپنے لیے ناگوار جانتے ہیں۔اور بولتی ہیں اُن کی زبانیں جھوٹ، کہ انہیں کے لیے ہے

اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

نجات کی بھلائی۔خواہ مخواہ اُنہیں کے لیے ہے جہنم ضرور، اور وہ حد سے گزرے گزارے ہیں●

(اور) احمقانہ جسارت تو دیکھو، کہ (گڑھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے لیے جو اپنے لیے ناگوار جانتے ہیں)۔یعنی خود تو اپنی سرداری میں کسی کو شریک بنانا پسند نہیں کرتے، اور خدا کے لیے خدائی میں شریک بناتے ہیں۔۔یا۔۔خود اپنے لیے لڑکیوں کو گوارا نہیں کرتے، اور خدا کے لیے لڑکیوں کی بکواس کرتے ہیں۔(اور) سچی بات تو یہی ہے کہ (بولتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ، کہ انہیں کے لیے ہے نجات کی بھلائی)۔یعنی کافروں کی یہ خام خیالی ہے، جو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے واسطے بہشت اور اچھی جزا ہے۔۔الحاصل۔۔کافروں کا یہ کہنا کہ "اگر۔۔بالفرض۔۔خدا کی بارگاہ میں ہماری حاضری ہوبھی، تو ہمیں اس کے پاس اچھا مرتبہ ملے گا" سراسر جھوٹ ہے۔بلکہ سچ تو یہی ہے کہ کل قیامت کے دن (خواہ مخواہ) لازمی طور پر (انہیں کے لیے ہے جہنم ضرور، اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ (وہ) تو (حد سے گزرے گزارے ہیں)، وہ دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

مشرکوں کی مذمت اور ان کا انجام کار بیان کرنے کے بعد حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اللہ ہی کی قسم، کہ ہم نے ضرور رسول کیا تم سے پہلے کی امتوں کی طرف، چنانچہ سجادیا شیطان نے اُن کی نظر میں اُن کے کرتوت کو

اَعۡمَالَهُمۡ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الۡيَوۡمَ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿٦٣﴾

تو وہی اُن کا یار ہے آج، اور انہیں کے لیے ہے دکھ دینے والا عذاب●

(اللہ) تعالیٰ **(ہی کی قسم کہ ہم نے ضرور رسول کیا)** یعنی ہم نے یقینی بھیجے رسول **(تم سے پہلے کی امتوں کی طرف)** یعنی ان امتوں کی طرف جو تم سے پہلے تھیں۔ **(چنانچہ سجادیا شیطان نے ان کی نظر میں ان کے کرتوت کو، تو وہی اُن کا یار ہے آج)**۔ یعنی کفارِ مکہ کو جو شیطان گمراہ کررہا ہے اور ان کو آپ سے دور کررہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔۔ بلکہ۔۔ آپ سے پہلے پچھلی امتوں کے زمانہ میں بھی شیطان ان امتوں کو گمراہ کرتا تھا اور ان امتوں کو ان کے رسولوں سے دور کرتا تھا۔۔ الحاصل۔۔ آج یعنی آپ کے عہد میں بھی وہی شیطان ان کا دوست بنا ہوا ہے۔۔۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ **یوم** سے مراد 'یوم قیامت' ہے۔ یعنی قیامت کے دن شیطان کافروں کا دوست ہوگا اور ان کا ساتھی ہوگا، عذاب اور جہنم میں رہائش پانے میں۔ قیامت کے دن پر **اَلۡيَوۡمَ** کا اطلاق اس لیے کیا ہے کہ اس پر **یوم** کا اطلاق بہت مشہور ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب کفار قیامت میں عذاب کو دیکھیں گے، پھر شیطان کو بھی اُسی عذاب میں مبتلا دیکھیں گے اور اس وقت انہیں یقین ہوجائے گا، کہ ان کے لیے عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے، جس طرح شیطان کے لیے بھی عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس وقت بطورِ زجر وتوبیخ اور بطورِ طنز واستہزاء ان سے کہا جائے گا، کہ آج کے دن تمہارا یہی دوست اور کارساز ہے۔

(اور) جان لو کہ **(انہیں کے لیے ہے)** یعنی شیطان کے لیے بھی اور ان کے لیے بھی **(دکھ دینے والا عذاب)**۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے وعید شدید بیان کی تھی اور اس اگلی آیت میں ان پر ایک بار پھر حجت قائم کی ہے اور ان کے شبہات کو زائل کیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ۙ

اور نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر اِس کتاب کو، مگر تاکہ واضح کردو انہیں، جس میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے۔ اور ہدایت ورحمت

وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

اُن کے لیے جو مان جائیں●

اَے محبوب! کہ نہیں بھیجا تمہاری طرف (اور نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر اس کتاب کو مگر تا کہ واضح کر دو انہیں، جس میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے) اپنے اپنے عہد میں۔ وہ 'امرِ توحید' اور 'احوالِ معاد' ہے، اور بعض چیزوں کے حلال و حرام کے تعلق سے خودساختہ نظریات ہیں، (اور ہدایت و رحمت ان کے لیے جو مان جائیں)۔ یعنی نازل نہیں کیا ہم نے قرآن، لیکن ایمان لانے والوں کے لیے، ہدایت و رحمت بنا کر۔ اگرچہ قرآن سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور سبھی کو راہِ حق دکھاتا ہے، لیکن اس کی ہدایت سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے والے وہی ہیں جو ایمان والے ہیں۔

اس لیے فرمایا کہ یہ مومنین اور متقین کے لیے ہدایت ہے۔ اس قرآن کا اہم مقصود توحید، رسالت، مبدء اور معاد کو ثابت کرنا ہے، پھر تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مُدنیہ کو بیان کرنا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا رَدفرمایا تھا، اب اس کے بعد پھر اہم مقصود کا ذکر فرمایا، اور وہ الوہیت اور توحید ہے۔ کیونکہ آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے فصل اگانا، یہ کس کا کارنامہ ہے۔ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرعون اور نمرود کو خدا کہا گیا، لیکن ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور زمین سبزہ اگاتی تھی۔

بے جان مورتیوں اور دیوتاؤں کا بھی یہ کارنامہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ بت تو خود بے جان ہیں، وہ بارش اور فصل اگانے میں موثر نہیں ہو سکتے۔ اور دیوی دیوتا بھی حادِث اور فانی ہیں، ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور فصلیں اگتی تھیں، اس لیے ان میں سے کوئی بھی بارش نازل کرنے اور زمینی پیداوار کا خالق نہیں ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آسمان سے بارش نازل کرنے اور زمین سے غلہ پیدا کرنے کا وہ خالق ہے، صرف اللہ تعالیٰ نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اور اللہ نے اتارا آسمان کی سمت سے پانی، پھر زندہ فرما دیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾ ع ٥ / ١٤

بے شک اُس میں ضرور نشانی ہے اُن کے لیے جو کان لگائیں●

(اور) فرمایا ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے اُتارا آسمان کی سَمت سے پانی، پھر زندہ فرمادیا اس سے زمین کواس کے مرجانے کے بعد)۔

اس میں قیامت اور حشر پر دلیل ہے، کہ جب وہ مُردہ زمین کو زندہ کرسکتا ہے، تو مردہ انسانوں کو کیوں نہیں زندہ کرسکتا۔

(بے شک اس میں) یعنی جو مذکور ہوا اُس میں، (ضرور نشانی ہے) جو بالکل ظاہر ہے (ان کے لیے جو کان لگائیں) اور قرآنِ کریم کو حق وصداقت سمجھنے کی نیت سے سنیں اور اس میں غور وفکر کریں اور اس کے ساتھ انصاف برتیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور نباتات کے احوال سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا، اور اس اگلی آیت میں حیوانات کے عجیب وغریب احوال سے استدلال فرمایا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں سبق ہے۔ ہم پلاتے ہیں تمہیں جواُن کے پیٹوں میں ہے،

وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶

خون اور گوبر کے درمیان دودھ خالص۔ خوشگوار پینے والوں کے لیے ●

یقیناً (اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں سبق ہے) اور رہنمائی ہے کہ اس کی بدولت جہل سے مرتبہ علم کو پہنچو۔ غور کرو کہ (ہم پلاتے ہیں تمہیں جواُن) میں دودھ دینے والے چوپایوں (کے پیٹوں میں ہے، خون اور گوبر کے درمیان دودھ خالص۔ خوشگوار، پینے والوں کے لیے)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جانور جو غذا کھاتے ہیں اس سے ایک طرف تو خون بنتا ہے، اور دوسری طرف گوبر بنتا ہے۔ مگر ان ہی جانوروں کی مادہ صنف میں اُسی غذا سے ایک تیسری چیز بھی پیدا ہوتی ہے، جو خاصیت، رنگ، بُو اور مقاصد میں اُن دونوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پھر خصوصاً مویشیوں میں اس چیز کی پیداوار اس قدر زیادہ ہوتی ہے، کہ وہ اپنے بچوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کے لیے بھی اس چیز کو کثیر مقدار میں فراہم کرتے رہتے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ خون کے بعض اجزاء سے دودھ پیدا ہوتا ہے۔ اور خون ان لطیف

اجزاء سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے گوبر میں تھے، پھر وہ اجزاءِ لطیفہ دوسری بار خون میں آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان اجزاء کثیفہ اور غلیظہ سے خون کو مصفیٰ کرلیا اور اس میں وہ صفات پیدا کردیں، کہ وہ ایسا دودھ بن گیا جو بچہ کے بدن کے موافق تھا۔ اس دودھ کی خلقت ایسی عجیب وغریب حکمتوں اور ایسے دقیق اسرار پر مشتمل ہے، جس سے عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ دودھ کی خلقت کسی عظیم مدبر اور زبردست قادر وقیوم کی تدبیر اور اس کے فعل کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور کھجور کے پھل سے، اور انگور، بناتے ہو جس سے نشہ کی چیزیں، اور اچھی کھانے کی چیزیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

بلاشبہ اُن میں ضرور نشانی ہے اُن کے لیے جو غور کریں●

(اور) تمہارے واسطے ہے (**کھجور کے پھل سے اور انگور، بناتے ہو جس سے نشہ کی چیزیں**) یعنی مست کردینے والی چیز۔

یہ آیت شراب حرام ہونے کے قبل نازل ہوئی۔ بعض قوموں کی لغت میں **سَكَرْ**، سرکہ کے معنی میں ہے۔ اِس صورت میں یہ آیت محکم ہوگی، منسوخ نہ ہوگی۔

(اور) جس سے بناتے ہو مذکورہ مشروب کے علاوہ (**اچھی کھانے کی چیزیں**) جیسے کھجور، انگور اور ان کا شیرہ۔ (**بلاشبہ ان**) تر اور خشک میووں اور ان کے فائدوں (**میں ضرور نشانی ہے**) یعنی دلیلِ ظاہر ہے اللہ جل شانہ کی قدرت پر (**ان کے لیے جو غور کریں**) اور غور وتامل کی نظر سے اس کو دیکھیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس نے انسان کے لیے مویشیوں میں سے دودھ نکالا، پھر اس نے یہ بتایا کہ اس نے کھجوروں اور انگوروں سے 'سکر' اور 'رزقِ حسن' مہیا کیا اور حیوانات اور نباتات میں اپنی خلقت کے عجائب وغرائب سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا، اور اب اگلی آیات میں شہد کی مکھی سے شہد نکالنے سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا۔ یہ حیوانات سے بھی استدلال ہے اور نباتات سے بھی، کیونکہ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ

اور سکھادیا تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دَل کو، کہ بنالیا کر پہاڑوں کو گھر، اور درختوں کو،

وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور جو چھت چھپر بنایا کرتے ہیں●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (سکھادیا) بذریعہ الہام (تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دَل کو) یعنی اس کے دِل میں ڈال دیا (کہ بنالیا کر پہاڑوں کو گھر) یعنی اس کے درازوں کو ایسا گھر جو مسدس، متساوی آراستہ حسن صنعت اور صحت کے ساتھ ہو۔ (اور) گھر بناؤ (درختوں کو) یعنی پہاڑوں اور درختوں پر جگہ پکڑو۔ (اور) گھر بناؤ اس کو (جو) لوگ (چھت چھپر بنایا کرتے ہیں) یعنی اونچی چھتیں اور زنبور خانے وغیرہ۔ ان میں اپنا مکان بناؤ۔

ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا

پھر کھاتی رہو ہر قسم کے پھل سے، پھر چلتی رہا کر اپنے پروردگار کی بتائی راہ پر سُبک۔ نکلتی ہے اُس کے پیٹوں سے

شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً

پینے کی چیز رنگ برنگ کی، اس میں شفاء ہے لوگوں کے لیے۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے

لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اُن کے لیے جو سوچ سے کام لیں●

(پھر کھاتی رہو ہر قسم کے پھل سے)، یعنی پھلوں کی اصل کلی اور پھول سے، چاہے کڑوا ہو۔۔یا۔۔میٹھا (پھر چلتی رہا کر اپنے پروردگار کی بتائی راہ پر) یعنی اس راہ پر جو شہد کے واسطے تمہیں الہام کی ہے (سبک)، یعنی اس حال میں کہ اس کے حکم کی مطیع و مسخر ہو۔

جب مکھیاں حکم الٰہی کے موافق پھول اور کلیاں کھاتی ہیں، تو ان کے اندر تحلیل ہوکر وہ شیرہ بن جاتا ہے، پھر۔

(نکلتی ہے اس کے پیٹوں سے پینے کی چیز) لعاب کے طریق پر، جسے شہد کہتے ہیں، (رنگ برنگ کی)۔

۔۔مثلاً: سفید شہد جوان مکھی کا، اور زرد اوسط عمر کی مکھی کا، اور سُرخ بوڑھی مکھی کا، اور سیاہ

اور سبز نادر ہوتا ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ شہد کے رنگ کا اختلاف فصلوں کے اختلاف کے موافق ہے۔

(اس میں شفاء ہے لوگوں کے لیے) جیسے امراض بلغمی میں ۔۔یا۔۔

دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر جیسے سب بیماریوں میں، اس واسطے کہ ایسی معجون بہت کم ہوتی ہے کہ شہد اس کا جزء نہ ہو۔

(بے شک اس میں) یعنی شہد کی مکھی کے امر میں **(ضرور نشانی ہے ان کے لیے جو سوچ سے کام لیں)** اور صنائع دقیقہ اور امورِ رقیقہ میں گہرائی کے ساتھ غور وفکر کریں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے عجیب وغریب افعال ذکر کر کے ان سے اپنے خالق ہونے اور قادر ہونے پر استدلال فرمایا تھا، اور اس اگلی آیت میں انسان کی عمر کے مختلف احوال سے اپنی ذات پر استدلال فرمایا ہے۔ اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی عمر کے چار۴ مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ طفولیت اور نشو ونما کا ہے، اور دوسرا مرتبہ شباب کا ہے، جس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کی نشو ونما رک جاتی ہے، اور تیسرا مرتبہ کہولت کا ہے، اس مرتبے میں اگرچہ قوت باقی رہتی ہے، لیکن انسان کا انحطاط شروع ہوجاتا ہے، اور چوتھا مرتبہ سِن انحطاط کا ہے، اس مرتبہ میں انسان کا ضعف شروع ہوجاتا ہے اور وہ بتدریج بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ اِس منزل پر پہنچ جاتا ہے، جب کوئی دوا اس کی جوانی کی قوت اور شباب کو واپس نہیں لاسکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق کون ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ان تغیرات کا خالق ہے اور لوگوں نے اللہ کے سوا جن کو خالق مانا، ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی تب بھی انسان کی عمر میں یہ تغیرات ہو رہے تھے، تو ہم کیوں نہ مانیں کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے، سو وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

اس آیت میں انسان کو اس بات پر برانگیختہ کیا گیا ہے کہ وہ عمر کے اس دَور کے شروع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرے اور بصیرت سے کام لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے غور وفکر کی صلاحیت بھی جاتی رہے۔ اس کی یادداشت جاتی رہے اور اس کی

ذکاوت کا شعلہ بجھ جائے۔اس لیے اس حالت کو پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرلو۔انسانی عمر کے انہی تغیرات کو ظاہر فرمانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ

اور اللہ نے پیدا فرمایا تمھیں، پھر پوری فرمائے گا تمھاری عمر۔۔۔اور تم میں کوئی ہے کہ پلٹا کھلایا جاتا ہے ناقص عمر کی طرف،

لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾ ۱۵ ع ۵

تا کہ نہ جانے کچھ، جان چکنے کے بعد بھی۔بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے●

(اور) واضح فرمایا جاتا ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمایا تمھیں) اور عدم سے نکال کر وجود بخشا، (پھر پوری فرمائے گا تمھاری عمر) یعنی وفات دے کر دوبارہ عدم میں لے جائے گا۔(اور تم میں کوئی ہے کہ) عمر کے مختلف مراحل سے گزار کر اُسے (پلٹا کھلایا جاتا ہے ناقص عمر کی طرف)۔وہ سن پچھتر ۷۵ یا اسّی ۸۰ یا نوّے ۹۰ برس کا ہے، (تا کہ نہ جانے کچھ) سب کچھ (جان چکنے کے بعد بھی)۔یعنی ضعیفی کی وجہ سے اس پر ایسا نسیان طاری ہو جائے کہ وہ اپنے لڑکپن کے حال کی طرف پھر جائے۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اس سے کفار کے بوڑھے کھوسٹ مراد ہیں، اس واسطے کہ عمر کا طول مسلمانوں کے واسطے بزرگی اور عقل بڑھاتا ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، اس کی دانائی پر جہل طاری نہیں ہوتا اور (قدرت والا ہے) اس کی توانائی میں عاجزی کی راہ نہیں۔

اب آگے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بت پرستوں کے لیے بیان فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر قرار نہیں دیتے، تو تم میرے بندوں کو۔۔۔یا۔۔۔میری مخلوق کو میرے برابر کیسے قرار دیتے ہو، کہ ان کو بھی میری طرح عبادت کا مستحق قرار دیتے ہو۔اور جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر قرار نہیں دیتے اور ان کو اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے، تو تم میرے بندوں کو میرے برابر کیوں قرار دیتے ہو، اور ان کو میری عبادت میں کیوں شریک قرار دیتے ہو، جس طرح مشرکین نے بتوں کو، فرشتوں کو اور بعض نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرلیا۔۔حالانکہ۔۔سب اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔۔الحاصل۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

اور اللہ نے بڑھوتی دی تمہارے کچھ کو کچھ پر روزی میں۔تو نہیں ہیں جو بڑھوتی دیے گئے

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ

کہ لوٹادیں اپنی روزی کو اپنے غلاموں لونڈیوں پر، یوں کہ وہ سب اس میں برابر برابر ہیں۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

تو کیاانہیں اللہ ہی کی نعمت سے انکار ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے بڑھوتی دی) یعنی زیادتی عطا فرمائی (تمہارے کچھ کو کچھ پر روزی میں)، یعنی تمہارے بعض کو تمہارے دوسرے بعض پر روزی میں، یعنی مالِ دنیا میں کہ ایک مالدار ہوا ایک محتاج، ایک نے سرداری پائی ایک نے چاکری، (تو نہیں ہیں) وہ لوگ (جو بڑھوتی دیے گئے) جس کے سبب سے وہ امیر و سردار ہوگئے، اور لونڈی غلاموں کی ایک جماعت کے مالک ہوگئے، (کہ لوٹادیں اپنی روزی کو اپنے غلاموں لونڈیوں پر) یعنی مالک اپنے مملوکوں کو اپنے مال میں شریک کرلیں، (یوں کہ) لگنے لگے کہ (وہ سب اس میں برابر برابر ہیں)، یعنی مالک و مملوک مالداری میں برابر ہیں۔

یہ خطاب مشرکین کے ساتھ ہے، اس واسطے کہ تلبیہ میں وہ کہتے تھے، کہ "حاضر ہوں، نہیں کوئی شریک تیرا، مگر وہ جو شریک تیرا ہے" تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم یہ بات تو تجویز نہیں کرتے کہ تمہارے لونڈی غلام مال میں تمہارے شریک ہوں، پھر یہ کیوں روا رکھتے ہو کہ بُت الوہیت میں میرے شریک ہوں۔

(تو کیاانہیں اللہ) تعالیٰ (ہی کی نعمت سے انکار ہے)۔۔الغرض۔۔جب یہ ثابت ہوگیا سب نعمتوں کے ساتھ وہی نعمت دینے والا ہے، پھر جو کوئی بت کو اس کا شریک کہتا ہے وہ اس کی نعمت سے منکر ہوتا اور صاف اقرار کرلیتا ہے، کہ بعض نعمتیں ایسی ہیں جن کا مالک معاذ اللہ خدا نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔ بُت ہیں۔لوگو! حق تعالیٰ کے احسانِ عظیم۔۔۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

اور اللہ نے بنادیا تمہارے لیے تم میں سے جوڑے، اور پیدا فرمایا تمہارے جوڑوں

بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

سے بیٹے اور پوتے نواسے، اور روزی دی تمھیں پاکیزہ، کیا وہ غلط بات کو مان لیں؟

وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٢﴾

اور اللہ کی نعمت کے ناشکرے رہیں؟●

(اور) فضل کریم کو تو دیکھو کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(نے بنادیا تمہارے لیے تم میں سے جوڑے، اور پیدا فرمایا تمہارے جوڑوں سے بیٹے اور پوتے، نواسے)** نواسیاں، پوتیاں۔۔یا۔۔اولاد کی اولاد۔۔یا۔۔داماد۔۔یا۔۔عورتوں کے لڑکے جو دوسرے شوہروں سے ہوں، **(اور روزی دی تمھیں پاکیزہ)** اور لذیذ چیزوں میں سے، تو **(کیا)** مشرکوں کو چھوٹ دے دی جائے کہ **(وہ غلط بات کو مان لیں؟ اور اللہ)** تعالیٰ **(کی نعمت کے ناشکرے رہیں)**۔

'غلط بات' یعنی باطل، ان کا وہ عقیدہ ہے جو مشرکین بتوں کے تعلق سے رکھتے ہیں۔۔مثلاً: ان کی اعانت اور شفاعت کو حق جاننا، اور 'نعمت' حق تعالیٰ کی توحید کے عقیدے کے ساتھ اس کی عبادت ہے۔۔یا۔۔'باطل' وہ چیز ہے جو مشرکوں نے حرام کرلی ہے جیسے بحیرہ، سائبہ، وغیرہ اور 'نعمت' وہ ہے جو خدا نے ان پر حلال کردی ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ 'باطل' شیطان ہے کہ مشرک لوگ اس کا ایمان لاتے ہیں اور 'نعمت' حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، مشرکین جن کا ایمان نہیں لاتے۔۔الختصر۔۔مشرکین اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ناشکرے ہیں۔۔۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

اور معبود بناتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اُسے، جو نہیں مالک ہے اُن کے لیے رزق کا آسمانوں

وَالْاَرْضِ شَيْـــًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾

اور زمین سے کچھ بھی، اور نہ ہوسکتا ہے●

(اور معبود بناتے ہیں اللہ) تعالیٰ **(کو چھوڑ کر)** یعنی خدا کے سوا **(اسے، جو نہیں مالک ہے ان کے لیے رزق کا)** یعنی جس میں رزق دینے کی قدرت نہیں ہے **(آسمانوں اور زمین سے کچھ بھی)**۔ نہ وہ اپنے پجاریوں کے لیے آسمان کی طرف سے بارش برسا سکتا ہے، اور نہ ہی زمین سے نباتات اور غلہ وغیرہ پیدا کرسکتا ہے، **(اور نہ ہوسکتا ہے)** کہ کبھی وہ ایسا کرسکے۔

یعنی ان کو ہرگز اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ روزی دیں اور یقیناً ان کی پرستش عقل کے خلاف ہے۔اس واسطے کہ عبادت شکرِ نعمت ہے،اور پیدا کرنے اور روزی دینے سے بڑھ کر کوئی نعمت ہی نہیں، اور یہ دونوں صفتیں یعنی خالقیت اور رازقیت خدا ہی کے واسطے ثابت ہیں، بتوں کے لیے نہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

تو نہ گڑھا کرو اللہ کے لیے کچھ مثل۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نادان ہو●

(تو نہ گڑھا کرو اللہ) تعالیٰ (کے لیے کچھ مثل)۔اس طرح کہ بتوں کو اُس پر قیاس کرو اور اس کے ساتھ شرکت دو، اس لیے کہ جس کا مثل نہیں اس کی مثال نہیں دے سکتے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے) تمہاری بات کی بُرائی (اور تم لوگ نادان ہو)۔۔چنانچہ۔۔تم نہیں جانتے اپنی کافرانہ اور مشرکانہ باتوں کی خرابی کو، اور اگر تم جان لو، تو اس کا شریک بنانے کی جرأت نہ کرو۔۔یا۔۔تم اس کے واسطے مثال دیتے ہو، وہ جانتا ہے کہ کیونکر مثال دینا چاہیے، تم نہیں جانتے۔

پھر حق تعالیٰ نے دو۲ مثالیں بیان فرمائیں، اپنے واسطے اور ان کے باطل معبودوں کے لیے۔ پہلے تو فرمایا، کہ۔۔۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ

اللہ نے ایک کہاوت بیان فرمائی کہ ایک غلام مملوک ہے، دوسرے کی ملک نہیں کر سکتا خود کچھ، اور وہ جس کو ہم نے روزی دی

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ

اپنے کرم سے خوب اچھی، چنانچہ وہ خرچ کرتا ہے اُس سے چھپے اور کھلے۔ کیا وہ سب برابر ہیں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ کے لیے حمد۔ بلکہ اُن کے بہتیرے نادان ہیں●

(اللہ) تعالیٰ (نے ایک کہاوت بیان فرمائی کہ ایک غلام مملوک ہے)، بندہ زرخرید، غیر مکاتب، اور غیر ماذون، جو (دوسرے کی ملک نہیں کر سکتا خود کچھ)۔اس کو کسی کو کچھ دینے اور کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں۔ (اور) اس کے برخلاف (وہ جس کو ہم نے روزی دی اپنے کرم سے خوب اچھی)، یعنی بہت اور بے کسی مزاحم کے کہ اس میں تصرف کر سکے۔ (چنانچہ وہ) یعنی جسے ہم نے

روزی دی ہے (خرچ کرتا ہے اس) روزی میں (سے چھپے اور کھلے) یعنی پوشیدہ اور آشکارا، جس طرح جی چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا، تو (کیا وہ سب برابر ہیں؟) یعنی بے اختیار بندے صاحبِ اقتدار آقا کے ساتھ برابر نہیں ہوتے، تو پھر مملوک عاجز، صاحبِ قدرت اور صاحبِ تصرف آقا کے برابر نہیں، تو بُت جو تمام مخلوق سے زیادہ عاجز ہیں، یہ قادرِ علی الاطلاق کے کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ مثال توفیق یافتہ مومن اور بے نصیب کردہ کافر کی ہے، اور مومن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور کافر سے ابوجہل لعین مقصود ہے۔

--الختصر-- (اللہ) تعالیٰ (کے لیے حمد) ہے جو سب نعمتوں کا مالک ہے اور تمام کمالات اُسی کے لیے ہیں۔ بتوں کا کوئی کمال نہیں اور وہ کسی تعریف کے مستحق نہیں۔ کیونکہ بتوں نے کسی پر کوئی انعام نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ کسی تعریف کے مستحق ہوں۔ (بلکہ ان) مشرکین (کے بہتیرے) بلکہ سارے کے سارے (نادان ہیں) کہ اس کی نعمتوں کو اس کے غیر کی طرف اضافت کرتے ہیں--یا یہ--کہ باوجود اس کے کہ یہ مثال بہت واضح ہے پھر بھی اکثر لوگ اس مثال کو نہیں سمجھتے--یا--اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی تعریف کے مستحق نہیں--یا یہ--کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حمد فرمائی کہ اس نے ایسی مثال بیان فرمائی جو مقصود کی بہت اچھی طرح وضاحت کرتی ہے، یعنی ایسی واضح اور قوی حجت پیش فرمانے پر اللہ ہی کے لیے حمد ہے۔

پھر حق تعالیٰ دوسری مثال بیان فرماتا ہے--چنانچہ--

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ

اور کہاوت بیان کی اللہ نے دو شخصوں کی، ان میں ایک گونگا، کچھ کام نہیں کر سکتا، اور وہ بوجھ ہے

عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ

اپنے مالک پر، جس سمت بھیجتا ہے کچھ بھلائی نہ لائے۔ کیا یکساں ہے وہ؟

وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع

اور وہ، جو حکم دے انصاف کا۔ اور وہ سیدھے راستے پر ہے●

مثل (اور کہاوت بیان کی اللہ) تعالیٰ (نے دو شخصوں کی، ان میں ایک) مادرزاد (گونگا)۔ مادرزاد گونگا ہونے کے سبب سے جو بہرا بھی ہے، جو نہ کچھ کہتا ہے نہ سنتا ہے--الغرض--وہ گونگا بہرا

(کچھ کام نہیں کرسکتا)، نہ کسی بات کو سن سکتا ہے اور نہ کسی بات میں غور وفکر کرسکتا ہے، (اور وہ بوجھ ہے اپنے مالک پر) یعنی اس پر جو اس کے کام کا متولی ہو، یعنی اس کا ولی اس کے حال کی رعایت سے عاجز ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اس کا مالک اُسے (جس سَمت بھیجتا ہے) اور جس کام کی طرف اُسے متوجہ کرتا ہے، وہ اُسی کی طرح رہتا ہے جو (کچھ بھلائی نہ لائے)، یعنی وہ کچھ کام نہیں بناتا اور کچھ کفایت نہیں کرتا۔ نہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے اور نہ دوسرے کی بات سمجھ سکتا ہے۔

تو (کیا یکساں ہے وہ) گونگا (اور وہ، جو حکم دے انصاف کا) اور سارے فضائل ومکارم کا جامع ہو۔ اور ظاہر ہے جو عادل ہوگا وہ ایسا ہی ہوگا اور اس کے قول وفعل میں راستی ودرستگی ہی ہوگی، (اور وہ سیدھے راستے پر ہے) یعنی راہِ راست پر ہے، جس کی سیرت درست اور طریقہ پسندیدہ ہے۔ وہ جس مطلب کی طرف توجہ کرتا ہے، جلد مقصد اور مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ تو جس طرح گونگا نکما، اس کامل فاضل کے برابر نہیں، اُسی طرح بے اعتبار بتوں کو بھی 'حضرت پروردگار' سے برابری کی نسبت نہیں۔

اور بعضوں نے کہا کہ یہ مثل بھی مومن اور کافر کے واسطے ہے، کہ مومن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور کافر ابی بن خلف۔۔ یا۔۔ مومن حضرت عثمان ذوالنورین ہیں اور کافر اُسید بن ابی العیص ہے، جو ان کا غلام تھا۔ حضرت ذوالنورین اس غلام کو اسلام کی طرف راہ دکھاتے اور اُسید انہیں راہِ خدا میں خرچ کرنے سے منع کرتا تھا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عاجز اور گونگے شخص کے ساتھ بتوں کی مثال دی، کیونکہ وہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ کسی کے کام آسکتے ہیں، اور اپنی مثال اس شخص کے ساتھ دی جو راہِ راست پر ہو اور نیکی کا حکم دیتا ہو، اور ایسا شخص وہی ہوسکتا ہے جس کا علم بھی کامل ہو اور جس کی قدرت بھی کامل ہو، تو اِن اگلی آیتوں میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ علم پر دلیل قائم کی اور دوسری آیت میں اپنے کمالِ قدرت پر دلیل قائم فرمائی، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے قیامت کو قائم کردے گا اور تمام دنیا کو فنا کردے گا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ

اور اللہ ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا چھپا ڈھکا۔ اور نہیں ہے قیامت کا معاملہ، مگر جیسے آنکھ

اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۷۷﴾

کی جھپک، یا اُس سے بھی قریب تر۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے ●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا چھپا ڈھکا) یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں اور تمہیں محسوس نہیں ہوتا اُسے وہی جانتا ہے۔ جب تک وہ کسی کو مطلع نہ کرے کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہوسکتی۔۔ہاں۔۔اپنے بعض مخصوص غیبوں پر جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے، اپنے مخصوص بندوں کو مطلع فرمادیتا ہے، اس بات کی بھی اُسے پوری قدرت اور اس کا پورا اختیار ہے۔ یہ تو رہا اس کے علم کا کمال۔۔۔

(اور) اس کی قدرت کا کمال یہ ہے کہ **(نہیں ہے قیامت کا معاملہ مگر جیسے آنکھ کی جھپک یا اس سے بھی قریب تر)** یعنی قیامت لانا۔۔یا۔۔اُس دن مُردوں کو جِلانا، خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ آسان ہے جیسے تمہارے لیے پلک مارنا آسان ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب تر ہے، اس واسطے کہ پلک مارنے میں دو کام ہیں ایک جھکانا دوسرا اٹھانا۔ اور قیامت قائم کرنا۔۔یا۔۔مُردے جِلانا ایک ہی کام ہے، تو اس کام کا اُن دو کاموں کی آدھی دیر میں واقع ہونا ممکن ہے۔ **(بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے)** جو چاہے کرے۔ یعنی وہ جس طرح خلائق کو بتدریج زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح خلائق کو دفعتاً زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

پھر ان کی ابتدائے ظہور سے حق تعالیٰ نے خبر دی تا کہ مبدء سے معاد پر دلیل پکڑیں۔

وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا ۙ وَّجَعَلَ

اور اللہ نے نکالا تمہیں، تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے، کہ نہیں جانتے کچھ۔ اور کردیا

لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾

تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دِل، کہ شکر گزار رہو ●

(اور) فرمایا کہ **(اللہ) تعالیٰ (نے نکالا تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے)** اس حال میں **(کہ نہیں جانتے) تھے تم (کچھ)**، نہ منفعتیں اپنے واسطے حاصل کرنا اور نہ ہی مضرتیں اپنے سے دُور کرنا۔ **(اور کردیا تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دِل)** یعنی علم حاصل کرنے کے آلات تمہیں دیے تا کہ اشیاء کے جزئیات حواس سے دریافت کرلو، اور اشیاء میں مشارکت مباینت جو ہو، تکرارِ احساس

کے سبب سے دل میں سمجھ لو، تاکہ 'علوم بدیہی' تمہیں حاصل ہو جائیں، اور ان میں نظر وفکر کر کے 'علوم نظری' حاصل کرسکو۔ تو کلام اور کتاب سے فیض حاصل کرنے کے آلات کہ کان اور آنکھیں ہیں، تمہیں عطا فرمائے اور دل گویا بادشاہ ہیں اور تم جو فائدہ حاصل کرتے ہو ان کی تمیز کرنے والے ہیں، انہیں تمہاری سمجھ کی مسند پر بٹھا دیا تا (کہ شکر گزار ہو) جاؤ۔

حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ پر مزید دلیل فراہم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔۔۔

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے پرندوں کی طرف، کہ قابو میں ہیں فضائے آسمانی میں، انہیں نہیں روکے ہے، مگر اللہ۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۷۹﴾

بے شک اُس میں نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو مان جائیں●

(کیا نہیں دیکھا انہوں نے) جو خدا کی قدرت سمجھنا چاہتے ہیں (پرندوں کی طرف، کہ قابو میں ہیں فضائے آسمانی میں) یعنی زمین و آسمان کے درمیان۔ (انہیں نہیں روکے ہے) ہوا میں (مگر اللہ) تعالیٰ، ورنہ چاہیے کہ اپنے بدن کے بوجھ سے گر پڑیں۔ (بے شک اس میں) یعنی اُڑنے کے واسطے اُڑنے والے جانور کے مسخر ہونے میں، البتہ (نشانیاں ہیں ان کے لیے جو مان جائیں) یعنی جو ایمان لاتے ہیں۔۔ الحاصل۔۔ ان نشانیوں سے مومن فائدہ حاصل کرتے ہیں اس بات میں فکر کر کے کہ حق تعالیٰ نے پرندوں کو اس وضع پر پیدا کیا ہے کہ اُڑ سکتے ہیں اور ہوا کو اس انداز پر پیدا کیا کہ اس میں پرندوں کا اُڑنا ممکن ہے اور ان کی طبیعت کے خلاف انہیں ہوا میں تھام رکھتا ہے۔ تو مومن تفکر کے شہپروں سے ہوا میں اُڑ کر اپنے تئیں "ایک ساعت کی فکر ساٹھ ۶۰ سال کی عبادت سے بہتر ہے" کے آشیانِ کرامت نشان میں پہنچاتے ہیں۔

۳ آگے کی آیات بھی گزشتہ آیات کا تتمہ ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کیے گئے ہیں اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ

اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے تمہارے گھروں کو آرام گاہ، اور کر دیا تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے

بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ یَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا

ایسے خیمے، کہ ہلکے پھلکے ہیں تمہارے سفر کے دن اور منزل کرنے کے دن۔

وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ﴿۸۰﴾

اور اُن جانوروں کے اُون اور رونگٹوں اور بالوں سے سامان، اسباب کچھ دن برتنے کا●

(اور) فرمایا گیا ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (نے بنایا تمہارے لیے تمہارے گھروں کو) جو پتھر، اینٹ اور لکڑی سے بنے ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں، ان کے مجموعے سے جو گھر تیار ہوئے ان کو ہم نے بنادیا تمہارے لیے (آرام گاہ)۔ اِقامت کے وقت ان میں سکونت کر سکتے ہو (اور کردیا تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے خیمے) گھر جیسے جنہیں تم چمڑوں سے بناتے ہو، اور جو (کہ ہلکے پھلکے ہیں تمہارے سفر کے دن اور منزل کرنے کے دن) جنہیں اٹھانے اور اپنے ساتھ اِدھر اُدھر لے جانے میں کوئی دشواری نہیں (اور) پیدا فرمایا تمہارے لیے (ان جانوروں کے اؤن اور رونگٹوں اور بالوں سے سامان، اسباب کچھ دن برتنے کا) یعنی بھیڑ اور دنبوں کے اؤن، اور اونٹ کے نرم رونگٹوں اور بکری کے بالوں سے اوڑھنے اور بچھانے کے اسباب تیار فرمائے۔ تاکہ اس خرید و فروخت کے بعد اس سے فائدہ حاصل کرتے رہو ایک مقرر وقت تک، یعنی جب تک وہ برقرار رہیں اور ان سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو۔۔یا۔۔جس وقت تک تم باحیات رہو اور اس سے فائدہ حاصل کرسکو۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا

اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سائے، اور بنایا تمہارے لیے پہاڑوں سے گپھے،

وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ

اور بنایا تمہارے لیے کچھ لباس، کہ تم کو گرمی سے بچائے، اور کچھ لباس جو حفاظت کریں تمہاری جنگ میں،

كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اس طرح پوری فرماتا ہے اپنی نعمت کو تم پر، کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ●

(اور) اللہ تعالیٰ کا فضل پر فضل دیکھتے جاؤ، بے شک (اللہ) تعالیٰ (نے بنایا تمہارے لیے) یعنی تمہاری راحت کے لیے (اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سایے) یعنی درخت، پہاڑ، مکان کے سایے

کہ ان میں آفتاب کی گرمی میں پناہ لیتے ہیں (اور بنایا تمہارے لیے پہاڑوں سے گپھے) غار اور حُجرے کہ ان میں سکونت کرتے ہو، (اور بنایا تمہارے لیے کچھ لباس) یعنی کپڑے پشمی اور کتان کے، اور روئی وغیرہ کے تا (کہ تم کو گرمی سے بچائے)۔

حق تعالیٰ نے جاڑے کا ذکر نہیں کیا۔ دو ضدوں میں سے ایک پر اکتفاء کرنے کی نظر سے۔۔یا۔۔اس واسطے سے کہ بلادِ عرب میں گرمی سے بچاؤ بہت ضروری ہے۔

(اور) بنائی تمہارے لیے لوہے سے (کچھ لباس)۔۔مثلاً: زرہ، بکتر، وغیرہ (جو حفاظت کریں تمہاری جنگ میں) تمہیں دشمنوں کے ہتھیاروں سے، یعنی جب تم جہاد کرتے ہو، تو تمہیں دشمنوں کے تیر، تلوار، اور نیزوں سے بچاتے ہیں۔ جس طرح یہ نعمتیں تمہیں تمام وکمال دیں (اس طرح) ہی (پوری فرماتا ہے اپنی نعمت) اور نیکی (کو تم پر) تا (کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ) اور چاہیے کہ پورا اسلام لاؤ۔۔اور۔۔اس کے ہر ہر حکم کے مطیع ہو جاؤ۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۲﴾

پھر بھی اگر انہوں نے بے رخی کی، تو پھر بس تم پر صاف صاف پہنچا دینا ہے ●

(پھر بھی اگر انہوں نے بے رخی کی) اور اسلام کو قبول نہیں کیا، (تو پھر) اَے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ فکر مند اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اس لیے کہ (بس تم پر صاف صاف پہنچا دینا ہے) اور جب تم نے انہیں پیغام پہنچا دیا، تو ان کا انکار تمہیں کچھ نقصان نہ کرے گا۔

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو، پھر بھی انکار کرتے ہیں اُس کا، اور اُن کے بہتیرے ناشکرے ہیں ●

یہ کفار بھی عجیب ہیں جو (پہچانتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو) جو اُن پر کی گئی اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ نعمتیں اُسی کی طرف سے ہیں، (پھر بھی انکار کرتے ہیں اس کا) نعمت دینے والے کے سوا کی پرستش کر کے۔

۔۔یا۔۔کہتے ہیں کہ بتوں کی سفارش سے اس نے نعمت دی ہے۔۔یا۔۔سختی کے وقت پہچانتے ہیں اور آسانی کے وقت منکر ہو جاتے ہیں۔۔یا۔۔زبان سے پہچانتے ہیں اور دل سے منکر ہیں، اور شاید کہ 'نعمتِ الٰہی' سے جناب نبی کریم ﷺ کی نبوت مراد ہو، کہ یہ نعمت معجزوں کے سبب

سے کافروں نے پہچانی کہ حق ہے، اور عناد کے سبب سے اس سے منکر ہو گئے۔

(اور ان کے بہتیرے ناشکرے ہیں) یعنی ان کافروں میں سے اکثر علانیہ اپنی ناشکری کا اظہار کرتے ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق بیان کیا تھا، کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچاننے کے باوجود ان کا کفر کیا اور یہ فرمایا کہ ان میں اکثر کافر ہیں۔ اب ان اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کی وعید بیان فرمائی اور قیامت کے دن ان کا جو حال ہوگا اس کا بیان فرمایا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے۔ یہ قول اِس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ گواہ ان کے خلاف ان کے کفر کی گواہی دیں گے۔ ان گواہوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔۔ تو۔۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ

اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر امت سے ایک گواہ، پھر نہ اجازت دی جائے گی انہیں جنہوں نے

كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾

کفر کیا، اور نہ انہیں عتاب سے بچنے کو کہا جائے گا ●

اَے محبوب! ڈرا (اور) خوف دلا انہیں اُس دن سے **(جس دن اٹھائیں گے ہم ہر امت سے ایک گواہ، پھر نہ اجازت دی جائے گی انہیں جنہوں نے کفر کیا)**، یعنی انہیں کسی طرح کی عذر خواہی کا۔۔یا۔۔ دنیا میں پھر آنے کا اِذن نہیں دیا جائے گا۔ **(اور نہ)** ہی **(انہیں عتاب سے بچنے کو کہا جائے گا)** اور نہ ان کی رضامندی طلب کی جائے گی۔ یعنی اُن سے یہ نہ کہا جائے گا کہ تم خدا کو خوش کرو۔۔یا۔۔ ایسے عمل کرو کہ خدا تم سے راضی ہو، اس واسطے کہ آخرت تکلیف کی جگہ نہیں ہے۔۔ الختصر۔۔ کافروں کو عذر کرنے کی اجازت نہ دیں گے، اور اگر وہ عذر کریں گے تو قبول نہ ہوگا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جہاں دیکھ لیا ظالموں نے عذاب کو، تو اب نہ کم کیا جائے گا اُن سے، اور نہ مہلت انہیں دی جائے گی ●

(اور) قیامت کے دن **(جہاں دیکھ لیا ظالموں نے عذاب کو، تو اب نہ کم کیا جائے گا ان سے اور نہ مہلت انہیں دی جائے گی)** یعنی کسی وقت انہیں مہلت نہ دیں گے اور بے عذاب نہ چھوڑیں

گے۔۔المختصر۔۔دوزخ میں داخل ہوجانے کے بعد وہ لاکھ چلائیں اور داروغۂ جہنم، مالک سے عذاب میں تخفیف چاہیں، تو ان کے شوروغل کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا، اور ان کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہ کی جائے گی، اور جس کے لیے جس نوعیت وکیفیت کے عذاب کا فیصلہ کیا جاچکا ہے، اس میں تخفیف نہ کی جائے گی۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ

اور جہاں دیکھا بت پرستوں نے اپنے بتوں کو، تو لگے بولنے، کہ پروردگارا یہ ہمارے بت ہیں، جنہیں ہم معبود جان کر

كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾

پکارتے تھے تیرے مقابلے پر۔تو یہ بات پھینک ماری اُن کی طرف انہوں نے، کہ بلاشبہ تم لوگ ضرور جھوٹے ہو●

(اور) قیامت کے دن (جہاں دیکھا بت پرستوں نے اپنے بتوں کو، تو لگے بولنے کہ پروردگارا! یہ ہمارے بُت ہیں جنہیں ہم معبود جان کر پکارتے تھے تیرے مقابلے پر) اور کفر میں ان ہی کا حکم ہم سنتے تھے۔ان کا جواب جلد از جلد دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بتوں کو قوتِ گویائی عطا فرمائی (تو) جواباً (یہ بات پھینک ماری ان کی طرف انہوں نے کہ بلاشبہ تم لوگ ضرور جھوٹے ہو)، ہرگز ہم نے تمہیں حکم نہیں کیا تھا کہ ہماری پرستش کرو۔۔یا یہ۔۔جواب دیں گے تم ہماری پرستش نہ کرتے تھے بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے۔

روایت ہے کہ نصاریٰ، یہود اور بنی مدلج حضرت عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کو جنت میں دیکھیں گے اور خود دوزخ میں ہوں گے، تو اس وقت کہیں گے کہ اَے اللہ! ہم انہی کی پرستش کرتے تھے اُن کے حکم سے۔تو وہ دونوں پیغمبر اور فرشتے کہیں گے تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور وہ شرمندہ وذلیل اور بے نصیب رہیں گے اور ان پر یہ الزام ہوگا، تو دوسری فکر کریں گے۔۔۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ یَوْمَئِذِ ﹰالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور ڈال دیا انہوں نے اللہ کی طرف آج نیازمندی، اور گم ہوگیا اُن سے جو گڑھا کرتے تھے●

(اور) رب کو راضی کرنے کے لیے دوسرے طریقے استعمال کریں گے۔۔چنانچہ۔۔(ڈال دیا انہوں نے اللہ) تعالیٰ (کی طرف آج نیازمندی) اور چاہیں گے کہ نکالیں صلح کی راہ، تو اپنے گناہ

کا اعتراف کر کے حکمِ الٰہی مان لیں گے اور ایمان لائیں گے، مگر اس وقت ان باتوں سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (اور) آج کے دن (گم ہوگیا ان سے جو گڑھا کرتے تھے) اور بتوں کی شفاعت اور دستگیری کے تعلق سے جو افتراء کرتے تھے، وہ سب زائل اور باطل ہو جائے گا۔۔ چنانچہ۔۔ وہ بتوں سے اچھائی کی بجائے بُرائی دیکھیں گے۔

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ زِدۡنٰھُمۡ عَذَابًا

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا، بڑھا دیا ہم نے اُن کے عذاب پر

فَوۡقَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یُفۡسِدُوۡنَ ﴿۸۸﴾

عذاب کو، کہ فساد مچایا کرتے تھے ●

۔۔القصہ۔۔ (بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ) تعالیٰ (کے راستے سے روکا)، یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان لانے سے روکا، (بڑھا دیا ہم نے ان کے عذاب) نار (پر عذاب) زمہریر (کو)۔۔ یا یہ۔۔ کہ عذاب کی زیادتی یہ ہے کہ بڑے بڑے سانپ اور بچھوان پر مقرر کریں اور وہ کافر بھاگ کر چاہیں گے کہ خود آگ میں چھپ رہیں۔۔ یا یہ۔۔ کہ دھات پگھلا کر اس کی پانچ نہریں کافروں کی طرف جاری ہوں گی اور پھر دنیاوی رات کی جو مقدار ہوتی ہے اس مدت تک تین نہروں سے ان پر عذاب ہوگا اور دُنیا کے دنوں کی جو مدت ہوتی ہے اس مقدار تک ان پر دو نہروں سے عذاب ہوگا۔ ہر اگلا عذاب پچھلے عذاب سے زیادہ دردناک اور تکلیف دِہ ہوگا۔ یہ عذاب ان پر اس لیے کیا جائے گا، کیوں (کہ) وہ (فساد مچایا کرتے تھے) اور لوگوں کو اِسلام قبول کرنے سے منع کرتے تھے ۔۔تو۔۔ ان دو عذابوں میں ایک عذاب ان کے کفر کے سبب ہے اور دوسرا اس واسطے ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے منع کرتے تھے۔۔ یا۔۔ اُن کے اُن پیروکاروں کے کفر کی وجہ سے ہوگا جنہوں نے ان کی پیروی میں کفر کیا۔

وَ یَوۡمَ نَبۡعَثُ فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیۡدًا عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ جِئۡنَا بِکَ

اور جس دن کھڑا کر ہی دیا ہم نے ہر امت میں اُن پر انہیں کا ایک گواہ، اور لائے تم کو

شَہِیۡدًا عَلٰی ہٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ

ان سب پر گواہ، اور ہم نے اتارا ہے تم پر کتاب، روشن بیان ہر چیز کا،

۱۲ ع ۶ ۱۸

وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور ہدایت ورحمت ومژدہ مسلمانوں کے لیے●

اَے محبوب! اپنے علم وادراک میں حاضر کرلو (اور) یاد کرو اس دن کو (جس دن کھڑا کرہی دیا ہم نے ہرامت میں ان پرانہیں کا ایک گواہ، اور لائے تم کو ان سب پر گواہ) یعنی ہر گروہ کے افعال و اقوال پر شہادت پیش کرنے کے لیے اِس پیغمبر کو لایا گیا، جو اُسی گروہ کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا، تاکہ وہ اپنی امت کے مومنوں کی تصدیق اور کافروں کی تکذیب پر گواہی دے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی لایا گیا، تاکہ آپ اپنی امت کے مومنوں کی گواہی کی تصدیق فرمائیں کہ ہماری امت نے مومنوں کی تصدیق اور مشرکوں کی تکذیب کے تعلق سے جو گواہی دی ہے، اس کی صداقت اور حقانیت پر آپ بھی گواہ ہیں۔

اَے محبوب! جس طرح ہم نے ہرامت میں رسول مبعوث فرمائے اور انہیں وحی و کتاب سے سرفراز فرمایا اور انہیں سرچشمۂ ہدایت ورحمت قرار دیا ور اہل ایمان کے لیے خوشخبری سنانے والا بنایا، اُسی طرح ہم نے تم کو آخری امت میں مبعوث کیا (اور ہم نے اتارا ہے تم پر کتاب) جو (روشن بیان) ہے (ہر چیز کا) خاص کر کے تمہارے لیے، اس لیے کہ یہ تمہیں پر نازل کیا گیا۔ رہ گئے دوسرے لوگ، تو تم اِذن الٰہی سے اِس کتاب کے حقائق ودقائق سے انہیں جتنا علم دے دوگے، وہ اس کے عالم ہوجائیں گے، اور ظاہر ہے کہ رسولِ کریم کم از کم اتنا علم تو عطا فرمائیں گے ہی جن کا عطا فرمانا آپ کے فریضۂ نبوت میں داخل ہے۔

۔۔الختصر۔۔ یہ کتاب اِلٰہی خاص کر کے نبی کریم کے لیے ہر چیز کا روشن بیان ہے (اور ہدایت ورحمت ومژدہ) ہے (مسلمانوں کے لیے)۔ یہ ہدایت ہے کیونکہ ہر ایک کو راہِ حق دکھاتی ہے۔۔ یوں ہی ۔۔ رحمت ہے سب پر اگر اس کا ایمان لائیں، اور مسلمانوں کے لیے جنت کی خوشخبری بھی ہے ۔۔الختصر۔۔ ہدایت ورحمت سب کے لیے اور مژدہ صرف مومنین کے لیے۔

"ہر چیز کا واضح بیان" کے تعلق سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ دین اور دنیا کے امور کا اس میں مفصل اور مجمل بیان ہے، کیونکہ جن امورِ شرعیہ اور احکام منصوبہ کی احتیاج ہے، ان کا بیان تو ظاہر ہے اور جو شرع کی باتیں سنت، اِجماع اور قیاس سے ثابت ہوں، وہ بھی قرآن کی طرف رجوع کرتی ہیں، کہ بحکم اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ان باتوں میں رسول اللہ ﷺ

کی متابعت پر ہم مامور ہیں اور يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ کے فرمان کے ذریعہ ترکِ اجماع پر تہدید کر کے قرآن ہی نے ہمیں اجماع پر بھی حکم فرمایا ہے۔ اور عبرت اور استدلال، اصل قیاس ہے، اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ تو قرآن کریم سب چیزوں کا بیان ہے جو دنیا و آخرت میں کام آسکیں۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی یہ فضیلت بیان فرمائی، کہ اس میں تمام پیش آمدہ مسائل اور احکامِ شرعیہ کا روشن بیان ہے اور اس میں تمام 'اخلاقِ حسنہ' اور 'آدابِ فاضلہ' کی ہدایت ہے۔۔لہٰذا۔۔اگلی آیت میں عدل، احسان، اور ضرورت مند رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرمایا، اور بے حیائی بُرائی اور سرکشی سے منع فرمایا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى

بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کرنے اور احسان کرنے اور قرابت والوں کو دیتے رہنے کا۔ اور روکتا ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾

بے شرمی اور بدی اور سرکشی سے، تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم غور کرو ●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (حکم دیتا ہے عدل کرنے) یعنی ہر معاملہ میں خواہ اعتقاد سے متعلق ہو۔۔یا۔۔اعمال سے، راہِ اعتدال اختیار فرمانے کا۔ جیسے 'توحید'، جو بندگی نہ کرنے اور شرک کرنے کے درمیان ہے۔ اور 'کسب کا قائل ہونا'، جو جبر اور قدر میں متوسط ہے۔۔یا۔۔جیسے 'فرض و واجبات و موکدات کو ادا کرتے رہنا'، جو بالکل نہ عبادت کرنے اور ہر وقت عبادت کرنے میں متوسط ہے۔۔یا۔۔جیسے کہ 'کارِ خیر کے لیے جود و بخشش'، جو بخل اور اسراف میں متوسط ہے۔۔یا۔۔جیسے 'شجاعت'، جو بزدلی اور بہت زیادہ غصہ کرنے میں متوسط ہے۔

۔۔الحاصل۔۔عدل وانصاف برتنے کا حکم دیتا ہے (اور) حکم دیتا ہے (احسان کرنے) کا۔ یعنی بھلائی کا، عبادت میں بحسب کمیت جیسے نوافل ادا کرنا۔۔یا۔۔بحسب کیفیت کہ خدا کی عبادت اس طرح ادا کرنا کہ عبادت کرنے والا گویا خدا کو دیکھتا ہے، (اور) حکم فرماتا ہے (قرابت والوں کو دیتے رہنے کا) یعنی جس چیز کی انہیں حاجت ہو انہیں پہنچانے کا (اور روکتا ہے بے شرمی) یعنی قوتِ شہوانی کی متابعت میں افراط کرنے سے، جیسے زنا، لواطت وغیرہ کرنا۔ (اور) روکتا ہے (بدی) سے۔ یعنی اس کام سے جس کے کرنے والے کو بُرا کہیں اور وہ قوتِ غضبی کو بے محل صَرف کرنا ہے، جیسے لوگوں کو قتل کر

ڈالنا اوران کے مال غصب کرلینا، (اور) روکتا ہے (سرکشی سے) یعنی شیطانی صفت سے جو قوتِ وہمیہ کے سبب سے پیدا ہوتی ہے، جیسے آدمیوں پر فوقیت اور غلبہ ڈھونڈنا، ان پر جبر اور کبر کر کے۔ ۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ امر و نہی کر کے (تمہیں نصیحت فرماتا ہے) تا (کہ تم غور کرو)۔

اس آیت میں سب خیر اور شر جمع ہیں۔ جو خیر ہے وہ اقسامِ مامورات میں مندرج ہے، اور جو شر ہے وہ منہیات میں مندرج ہے، اور چونکہ یہ آیت ایسی نصیحت ہے کہ اس میں سب خیر و شر جمع ہیں۔ اسی واسطے خطبہ پڑھنے والے جمعہ کے خطبے کے آخر میں یہ آیت پڑھتے ہیں۔

یہ بڑی ہی عظیم الشان آیت ہے۔ اس آیت کو سن کر ولید ابن مغیرہ جیسے شقی القلب نے بھی اس میں بڑی حلاوت محسوس کی، حضرت عثمان ابن مظعون سے اُسے کئی بار فرمائش کر کے سنا۔۔نیز۔۔ابو جہل جیسے سیاہ باطن نے بھی اس آیت کو سن کر اعتراف کرلیا، کہ بے شک یہ کسی آدمی کا کلام نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ اکثم بن صَیفی جو عرب میں بزرگ اور حکیم تھا، اُس نے اِسی آیت کی بدولت اسلام قبول کیا۔۔۔علماء نے ان مامورات اور منہیات میں بہت تقریریں کی ہیں۔ یہ مختصر جن کا متحمل نہیں ہے۔۔۔اس کے لیے علامہ کاشفی کی جواہر التفسیر کا مطالعہ کریں۔۔۔اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے عہد کا ذکر فرماتا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا

اور پورا کیا کرو اللہ کے عہد، جب بھی کوئی عہد تم نے کیا ہو، اور مت توڑو اپنی قسموں کو، اُن کو مضبوط کرنے کے بعد،

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾

جب کہ بنادیا تم نے اللہ کو اُن پر ضامن۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرو●

مذکورہ بالا نصیحتوں (اور) ہدایتوں کا پاس ولحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ (پورا کیا کرو اللہ) تعالیٰ (کے عہد، جب بھی کوئی عہد تم نے کیا ہو)۔ اس سے 'عہدِ اَلَسْت' مراد ہے۔۔یا۔۔وہ عہد مقصود ہے جو لوگوں کے درمیان باندھے گئے ہوں۔

اور بہت صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت اس گروہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، جس نے جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ معظمہ میں عہد باندھا تھا اور کفارِ قریش کا غلبہ اور

مسلمانوں کی کمزوری دیکھ کر انہیں بے صبری اور پریشانی پیدا ہوئی، تو شیطان نے چاہا کہ انہیں فریب دے تا کہ رسولِ مقبول کے ساتھ عہد شکنی کریں۔ حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں راہِ وفا پر ثابت قدم کر دیا اور حکم کیا کہ عہد پورا کیا کرو۔

(اور مت توڑو اپنی قسموں کو) یعنی اپنے عہد کو جو تم نے کیے تھے **(ان کو مضبوط کرنے کے بعد** جب کہ بنا دیا تم نے **اللہ)** تعالیٰ **(کو اِن پر ضامن)** اور گواہ۔ **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(جانتا ہے جو تم کرو)** یعنی جو کچھ کرتے ہو تم عہد شکنی اور قسم کے خلاف۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۖ

اور مت ہو جاؤ اس عورت کی طرح، جس نے توڑ دیا اپنے کاتے سوت کو اُس کی مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ۔

تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ

کہ بنا رہے ہو اپنی قسموں کو اپنے باہمی فساد کا حیلہ، کہ ایک پارٹی بڑھی جا رہی ہے

مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

دوسری پارٹی سے۔ تمہیں اس سے اللہ بس آزماتا ہے۔ اور تا کہ ضرور ظاہر فرما دے تم پر قیامت کے دن،

مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾

جس میں جھگڑا تم لوگ کرتے ہو●

(اور) اپنا عہد و پیمان توڑنے میں **(مت ہو جاؤ اُس عورت کی طرح جس نے توڑ دیا اپنے کاتے سوت کو اس کی مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ)**۔

عرب میں ریطہ -- یا -- رابطہ -- یا -- حطیہ -- یا -- حمقا -- یا -- جعرا -- یا -- حروقا نام کی ایک عورت تھی، اس عورت کی بہت سی لونڈیاں تھیں، وہ صبح تڑکے سے دوپہر تک اون اور صوف خود کاتتی اور لونڈیوں سے بھی حکم کر کے کتواتی، اور دوپہر ڈھلے حکم کر دیتی کہ چرخا الٹا پھرا کر تاگے کے بل کھول ڈالو۔ اس طرح پکّا کیا ہوا تاگا خراب اور ضائع ہو جاتا اور ہمیشہ اس کی یہی عادت تھی۔ تو حق تعالیٰ نے 'توڑ ڈالنے' کو تاگے کا بل چرخا الٹا پھرا کر کھول ڈالنے سے تشبیہ دی، اس لیے کہ دونوں ہی کا نتیجہ بربادی اور اپنی محنت کو ضائع کرنا ہے، اور مردِ عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنے عہد کا تاگا اپنی عہد شکنی کی چٹکیوں سے الٹا گھما کر توڑ نہ ڈالے، اور عرب کی اس بے وقوف عورت کے نقشِ قدم پر نہ چلے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے، کہ عرب کا کوئی قبیلہ کسی قبیلے سے دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرتا اور جب کسی دوسرے قبیلے سے اس کا تعلق ہوتا جس کو پہلے پر عددی اور مالی برتری حاصل ہوتی، تو وہ اس پہلے قبیلے سے کیا ہوا عہد توڑ دیتا، اور اس دوسرے قبیلے سے عہد و پیمان کر لیتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کا منشاء یہ ہے کہ تم اس وجہ سے اپنے کیے ہوئے پختہ معاہدوں کو نہ توڑو، کہ فلاں قبیلے کے افراد کی تعداد زیادہ ہے۔۔یا۔۔ان کے پاس مال و دولت زیادہ ہے۔۔یا۔۔ان کے پاس مادی قوت زیادہ ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفار کی طرف اس وجہ سے نہ لوٹ جاؤ کہ ان کی تعداد زیادہ ہے۔۔یا۔۔ان کے پاس مال و دولت اور مادی طاقت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان کی مالی اور عددی برتری دکھا کر آزماتا ہے، کہ کون ان کی کثرت اور طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور کون مرعوب نہیں ہوتا۔

۔۔الغرض۔۔تمہارا حال یہ ہے **(کہ بنا رہے ہو اپنی قسموں کو اپنے باہمی فساد کا حیلہ)** یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو، **(کہ ایک پارٹی)** یعنی قریش مکہ کی جماعت **(بڑھی جارہی ہے دوسری پارٹی سے)** یعنی جماعتِ اہل ایمان سے گنتی میں زائد تر، اور مال میں اکثر۔

اِس میں اُس شخص کو اس گندی عادت سے منع کیا گیا ہے جو کسی قوم کو اپنا حلیف بنا لے، پھر جب دیکھے کہ دوسری قوم ان سے تعداد اور مال میں زائد میسر آئے تو پہلی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کو حلیف بنا لے۔

۔۔المختصر۔۔مسلمانو! تم نے کفارِ قریش کو مسلمانوں سے زیادہ اور ان کا مال کثرت سے دیکھا، تو کیا چاہتے ہو کہ فریب اور حیلے سے معاش کرو؟ یہ بات تمہاری شان کے خلاف ہے۔۔الغرض۔۔تم کو کفار کی عددی قوت اور مال کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ ذہن نشین رہے **(تمہیں اس سے اللہ)** تعالیٰ **(بس آزماتا ہے)** تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ از راہِ وفاداری خدا کا عہد اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کون وفا کرتا ہے **(اور تاکہ ضرور ظاہر فرما دے تم پر قیامت کے دن)** بعث و جزا کا حال **(جس میں جھگڑا تم لوگ کرتے ہو)**۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

اور اگر اللہ چاہتا، تو بنا دیتا تم کو ایک امت، لیکن بے راہ رکھتا ہے جسے چاہے،

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور راہ دے جسے چاہے، اور تم لوگ ضرور باز پرسی کیے جاؤ گے اپنے کیے کرتوت سے ●

(اور) سن لو! کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو بنا دیتا تم کو ایک امت) یعنی ایک گروہ اسلام پر متفق۔ (لیکن) اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت (بے راہ رکھتا ہے جسے چاہے) اور اُسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے خود اس کے گمراہی میں رہنے کے عزم وارادہ کی وجہ سے، (اور راہ دے جسے چاہے)، یعنی جس نے راہِ حق پر رہنے کا عزم وارادہ کرلیا ہے، اُس کو اُس راہ پر آنے اور اُس پر قائم رہنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ (اور) یاد رکھو کہ (تم لوگ ضرور باز پرسی کیے جاؤ گے) محشر میں (اپنے کیے کرتوت) کے تعلق (سے)۔ تو سوچو۔۔۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

اور مت بناؤ اپنی قسموں کو اپنے آپس میں محض حیلہ، کہ پھر قدم پھسل جایا کرے اپنے جم جانے کے بعد،

وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اور تم چکھو برائی کو، کیونکہ روک دیا تم نے اللہ کی راہ سے، اور تمہارے لیے ہو بڑا عذاب ●

(اور مت بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں) عذر و مکر اور خیانت و غرور کے لیے (محض حیلہ، کہ پھر قدم پھسل جایا کرے) راہِ اسلام پر (اپنے جم جانے کے بعد، اور تم) جس کے نتیجے میں (چکھو برائی کو)، یعنی جو آخرت میں بڑے عذاب کی موجب ہو۔

مذکورہ بالا ارشاد میں قرآنِ مجید کے مخاطبین کو مخصوص قسموں کے توڑنے سے منع فرمانا مقصود ہے۔۔ الحاصل۔۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، ان کو قسم توڑنے یعنی بیعت کے توڑنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد یہ وعید ذکر فرمائی ہے کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں، یہ وعید کسی سابق عہد کے توڑنے پر نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی شریعت کو ماننے کے عہد کو توڑنے کے مناسب ہے۔ کیونکہ جس شخص نے اسلام کا عہد توڑ دیا، وہ بلند درجات

سے نیچے جا گرا، اور اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا کہ تم عذاب کو چکھو گے۔

(کیونکہ روک دیا تم نے) لوگوں کو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ جس شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دیا اور آپ کی شریعت کا انکار کر دیا، اس کا یہ فعل لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے مانع ہوا، کیونکہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ اگر اسلام برحق دین ہوتا، تو یہ لوگ اسلام قبول کر کے اور اس پر پکی بیعت کر کے اس بیعت کو نہ توڑتے، تو یوں ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام اور آپ کی شریعت کو ماننے کی بیعت کر کے اور اس پر موکد قسمیں کھا کر توڑ دینا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کا سبب بنا، اور آخرت میں ان کے بہت بڑے عذاب کا موجب ہوا۔ لہٰذا ان کو مخاطب کر کے فرما دیا گیا کہ ایسی حرکت نہ کرو،

(اور) ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرو جو (تمہارے لیے ہو بڑا عذاب) حشر کے دن۔

۔۔المختصر۔۔اس ارشاد میں مطلقاً قسم توڑنے کی بات نہیں، اس لیے کہ وہ اس قدر شدید عذاب کا موجب نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔اس کی تلافی قسم کا کفارہ ادا کر دینے سے ہو جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو یہ کہہ کر اور موکد فرمایا، کہ۔۔۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

اور نہ لو اللہ کے عہد کے عوض قیمت جیسی بے قدر چیز، کہ بلا شبہ جو اللہ کے پاس ہے، وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے،

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٥﴾

اگر دانا بنو●

(اور نہ لو اللہ) تعالیٰ (کے عہد کے عوض) اور اس کے بدلے میں (قیمت جیسی بے قدر چیز) یعنی تم کفار سے رشوت لے کر اسلام کی بیعت کر کے اس کو توڑ دیتے ہو۔ پس تم دُنیا کے قلیل مال کے عوض عہد شکنی نہ کرو اور اسلام کی بیعت کر کے اُسے نہ توڑو۔ کیونکہ مالِ دنیا خواہ کتنا زیادہ ہو، وہ آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلہ میں تھوڑا ہے، اس لیے کہ دنیا کا مال فانی ہے اور اُخروی اجر و ثواب باقی ہے۔ اور باقی رہنے والی چیز فانی سے بہر حال افضل ہے۔

تو جان لو **(کہ بلا شبہ جو اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے)** اُس سے

جو قریش تمہیں دینے کا وعدہ کرتے ہیں، جس کے چھن جانے، چوری ہو جانے اور ضائع ہو جانے کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔۔۔نیز۔۔۔جس کے ضائع ہو جانے پر آدمی دردوالم ورنج و بلا کا شکار ہو جاتا ہے۔۔الحتصر۔۔ ہر حال میں آخرت کی باقی رہنے والی نعمت دنیا کی فنا ہو جانے والی نعمت سے بہتر ہے (اگر دانا بنو) اور عقل و ہوش سے کام لو۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوٓا

جو تمہارے پاس ہے چک جائے گا، اور جو اللہ کے پاس ہے بچا ہی رہنے والا ہے۔ اور ہم ضرور دیں گے انہیں جنہوں نے صبر کیا،

أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

اُن کا ثواب اُن کے سب سے اچھے کام کے لائق ●

یادرکھو کہ (جو تمہارے پاس ہے) وہ (چک جائے گا) یعنی گزر جائے گا (اور جو اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے بچا ہی رہنے والا ہے۔ اور) یادرکھو (ہم ضرور دیں گے انہیں جنہوں نے) فقر و فاقہ پر ۔۔یا۔۔مشقت و تکالیف پر۔۔یا۔۔کفار کی ایذاء پر۔۔یا۔۔اپنے عہد و پیمان پر (صبر کیا) اور مستقل رہے ۔۔مثلاً: اہل بیتِ رسول ﷺ جنہوں نے محتاجی، تہی دستی پر صبر کیا اور عہد سے نہ پھرے، تو انہیں دیں گے ہم (ان کا ثواب ان کے سب سے اچھے کام کے لائق)، یعنی اگر ان میں سے ایک سو عبادتیں ایک قسم کی ہوں، جیسے نماز۔۔یا۔۔روزہ۔۔یا۔۔زکوٰۃ۔۔یا۔۔صدقہ اور ان سو میں سے ایک بہتر اور پوری ہو، تو اس ایک بہتر کا ثواب ہم پورا دیں گے اور باقی کو بھی ہم قبول کرلیں گے، اور ہر ایک کا ثواب اُس ایک بہتر کے ثواب کے برابر ہم دیں گے۔۔تو۔۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ

جس نے کام کیا لیاقت والے کا، مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان والا ہے، تو ضرور ہم اسے زندہ رکھیں گے

حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾

پاکیزہ زندگی کے ساتھ اور ضرور ہم دیں گے انہیں اُن کا ثواب، اُن کے سب سے اچھے کام کے لائق ●

(جس نے کام کیا لیاقت والے کا، مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہے) کیونکہ جو عمل ایمان کے ساتھ نہ ہو وہ ثواب کا استحقاق نہیں رکھتا، (تو ضرور ہم اُسے زندہ رکھیں گے) دنیا میں (پاکیزہ) اور رزقِ حلال والی (زندگی کے ساتھ)، تا کہ اس کے کھانے پینے کی چیزیں پاک ہوں اور اس کے خیالات

صاف ستھرے ہوں۔

بعض نے کہا حیاتِ طیبہ سے مراد عبادت کی حلاوت ہے۔۔یا۔۔کفاف پر قناعت۔۔یا۔۔نیک کام۔۔یا۔۔عافیت۔۔یا۔۔قضا پر رضا۔ایک قول یہ ہے کہ حیاتِ طیبہ بہشت میں ہوگی۔ اس واسطے کہ دنیا کی زندگی نقصان اور تفرقے کی آمیزش سے پاک نہیں ہے۔

محقق لوگ اس بات پر ہیں کہ حیاتِ طیبہ اُس شخص کو حاصل ہے جس میں یہ چار صفتیں ہوں۔﴿۱﴾۔۔خدا کی معرفت۔﴿۲﴾۔۔خدا کے ساتھ سچ بولنا۔﴿۳﴾۔۔امرِ الٰہی کی شاہراہ پر قائم رہنا۔﴿۴﴾۔۔خدا سے غافل کردینے والی چیزوں سے منہ پھیرنا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کے سبب سے ماسوی اللہ سے استغناء، حیاتِ طیبہ ہے۔

تو جو حیاتِ طیبہ (اور) پاکیزہ زندگی والے ہیں (ضرور ہم دیں گے انہیں ان کا ثواب ان کے سب سے اچھے کام کے لائق)۔

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق۔اِس مقام پر یہ خیال رہے کہ کافروں کی زندگی کے مقابلے میں مومن کی زندگی کی پاکیزگی اور برتری کی جو بات کی گئی ہے، یہ اس کی اپنی مثالی زندگی ہے، تو اب اگر کوئی مومن، مومن ہونے کے باوجود کافرانہ طرزِ حیات کو اختیار کرے اور اس کی زندگی میں نجاست اور ناپاکی دَر آئے، تو یہ ناپاکی اس کے ایمان کی وجہ سے نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔کافروں کی سی زندگی کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔۔۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور اس سے متصل پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ ہم ان کے کاموں کی اچھی جزا دیں گے۔اور یہ دو آیتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ قرآنِ مجید کو پڑھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔۔۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾

تو جب تم قرآن کی تلاوت کرو، تو پناہ مانگو اللہ کی، شیطان مردود سے●

(تو جب تم قران کی تلاوت کرو، تو پناہ مانگو اللہ) تعالیٰ (کی شیطان مردود سے)، تاکہ آپ کا قرآن پڑھنا شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ اور مامون ہو۔اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیُطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھیں تو

تمام مسلمان اِس حکم کے تحت داخل ہیں۔

تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ پڑھنا، بعض کے نزدیک مستحب ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، اور بعض کے نزدیک نبی کریم پر فرض ہے اور امت پر آپ کی سنت ہے۔

مذکورہ بالا ارشاد عربی اسلوب کے مطابق ہے، جس سے مراد یہی ہے کہ جب تم تلاوت کا ارادہ کرو، تو اللہ سے پناہ مانگو۔ یعنی پناہ تلاوت سے پہلے مانگنی ہے نہ کہ تلاوت کے بعد۔ یہ کلام بھی اسی طرح کا ہے جیسا کہ فرمایا گیا۔ "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو کرو"۔ حالانکہ وضو کے بعد نماز کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو، تو پہلے وضو کرلو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا، تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ شاید شیطان کو انسان کے بدنوں اور جسموں پر تصرف کرنے کی قدرت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ فرمایا اور ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

بلاشبہ نہیں ہے اُس کا قابو اُن پر جو ایمان لائے، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھیں●

(بلاشبہ نہیں ہے اس کا قابو) یعنی تسلط وغلبہ (ان پر جو ایمان لائے)، اس واسطے کہ وہ خدا کی پناہ لیتے ہیں (اور) ان کی شان یہ ہے کہ (اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھیں) شیطانی وسوسے دفع کرنے میں۔ اور رب پر توکل رکھیں۔۔ بلکہ۔۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ

اُس کا قابو اُن پر ہے جو اُس سے دوستی رکھیں، اور جو

۱۳ ع ۱۹ ۱۱ **هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع**

اللہ کا اُسے شریک ٹھہرائیں●

(اس کا قابو ان پر ہے جو اُس سے دوستی رکھیں) اور اُس کا وسوسہ مان لیں (اور جو اللہ) تعالیٰ (کا اُسے شریک ٹھہرائیں) یعنی شیطان کی اطاعت کے سبب سے غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرائیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ شیطان کے وسوسوں کو قبول کر کے اس کی اطاعت

کرتے ہیں، یعنی ان کے دل میں جب کسی بُرے کام کرنے کا۔۔یا۔۔گناہ کا خیال آتا ہے، تو وہ فوراً اس کے درپے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ساتھ یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے اس کو نہیں کرنا چاہیے، لیکن وہ گناہ اور برائی کی تحریک کو ترجیح دیتے ہیں اور گناہ سے منع کرنے والی آواز کو دبا دیتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شیطان کے گمراہ کرنے کے سبب سے مختلف چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیتے ہیں۔

جن پر شیطان کا غلبہ وتسلط ہو جاتا ہے تو ان کے غور وفکر کا انداز بھی عجیب ہو جاتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔قرآن کریم کے جب بعض احکام منسوخ ہوئے تو مکہ معظّمہ کے کافروں نے یہ بات کہی کہ مَعَاذَاللّٰہ محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' اپنے اصحاب کے ساتھ مسخراپن کرتا ہے، آج انہیں ایک حکم کرتا ہے اور کل منع کر دیتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے اور اپنے جی سے باتیں بنا کر کہہ دیتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ

اور جب ہم نے بدل دیا ایک آیت کو دوسری کی جگہ، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے،

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

تو کافر لوگ بولے، کہ تم بس من گڑھت کرنے والے ہو، بلکہ اُن کے بہتیرے نادان ہیں●

(اور جب ہم نے بدل دیا ایک آیت کو دوسری کی جگہ اور اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے) اس کی مصلحت وحکمت کو (جو کچھ نازل فرماتا ہے) اور اس سے اس کے پہلے والے حکم کو منسوخ کر دیتا ہے ۔۔الغرض۔۔جو نازل فرماتا ہے اُسے بھی جانتا ہے اور جسے کسی حکمت ومصلحت کے تحت منسوخ فرما دیتا ہے اُسے بھی جانتا ہے۔ لیکن جب خدا نے ایسا کیا، (تو کافر لوگ بولے کہ تم بس من گڑھت کرنے والے ہو)، یعنی تو مفتری ہے، خدا پر افترا کرتا ہے اور اپنی طرف سے باتیں بنالیتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے (بلکہ ان کے بہتیرے نادان ہیں)۔

وہ نہیں جانتے کہ منسوخ کر کے دوسرے احکام جاری کرنے کی حکمت کیا ہے؟ یعنی وہ حقیقتِ قرآن کو نہیں جانتے اور نہ ان کو نسخ اور تبدیل احکام کے فوائد کی خبر ہے۔ کیونکہ جس طرح مریض کے مرض کی کیفیت بدلنے کی وجہ سے حکیم اس کی دوائیں بدلتا رہتا ہے، کبھی ایک چیز کے

کھانے کا حکم دیتا ہے اور کبھی اُس چیز کے کھانے سے منع کر دیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مختلف حالات کے تحت مختلف احکام نازل فرماتا ہے۔۔تو۔۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جواب دو، کہ "اتارا ہے اُس کو روح القدس نے تمہارے پروردگار کی طرف سے بالکل ٹھیک"، تاکہ ثابت قدم کر دے انہیں جو ایمان لائے،

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور ہدایت وخوش خبری مسلمانوں کے لیے●

اَے محبوب! ان کافروں کو (جواب دو، کہ اُتارا ہے اس کو روح القدس) روحِ پاک یعنی جبرائیل علیہ السلام (نے تمہارے پروردگار کی طرف سے بالکل ٹھیک) یعنی حق کے ساتھ، (تاکہ ثابت قدم کر دے انہیں جو ایمان لائے) اور ان کے اعتقاد کو اس بات پر مضبوط کر دے کہ یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے، یعنی آیتِ ناسخ کو سنیں اور اس کی مصلحت اور حکمت کی رعایت میں غور اور فکر کریں تو ان کا دل مطمئن ہو جائے۔ (اور) قرآنِ کریم کا نازل ہونا (ہدایت) کے واسطے ہے (وخوشخبری) دینے والا ہے (مسلمانوں کے لیے) جنت کی۔

اس تعلق سے روایتیں تو بہت ہیں لیکن صحیح تر روایت یہ ہے کہ ابوفکیہ نام کا ایک شخص راتوں کو حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور قرآن کی تعلیم لیتا، اس پر کفارِ قریش کہتے تھے کہ توبہ توبہ محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' اِس غلام سے سیکھ کر ہم سے کہتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ بکتے ہیں، کہ "اُس کو ایک بشر سکھاتا ہے"، اس کی زبان جس کی طرف جھک مار کر لگاتے ہیں

يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

عجمی ہے، اور یہ زبان عربی روشن ہے●

(اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ بکتے ہیں، کہ اس کو ایک بشر سکھاتا ہے) اور صورتِ حال یہ ہے کہ (اس کی زبان جس کی طرف جھک مار کر لگاتے ہیں) یعنی جس کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں (عجمی ہے)۔ تو جس کی مادری زبان عربی نہ ہو، تو وہ کیا سکھائے گا۔ (اور) حقیقت یہ

ہے کہ (یہ)، یعنی قرآن کی (زبان عربی) ہے جو (روشن) وتابناک (ہے)۔عرب کے فصیح و بلیغ لوگ جس کی مثال لانے سے عاجز رہے، تو یہ دعویٰ کہ مردِ عجمی کچی زبان والا آنخضرت کواس فصاحت اور بلاغت کے ساتھ کلام سکھا دیتا ہے، صریح باطل ہے۔اور سن لو کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ

بے شک جو نہ مانیں اللہ کی آیتوں کو، تو نہیں راہ دیتا انہیں اللہ۔

وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾

اور اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(بے شک جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو) یعنی کتابِ الٰہی کی آیات کے تعلق سے تصدیق نہیں کرتے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں، (تو نہیں راہ دیتا انہیں اللہ) تعالیٰ نجات کی ۔۔یا۔۔ جنت کی (اوران کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے) آخرت میں قرآن کے ساتھ ان کے کفر کے سبب سے، اور آنخضرت 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' کی جانب افتراء کی نسبت کرنے سے، حالانکہ وہ کافر خود مفتری ہیں۔۔الحاصل۔۔

اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ

جھوٹ تو بس وہ گڑھیں، جو نہ مانیں اللہ کی آیتوں کو۔

وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾

اور وہی جھوٹے ہیں●

(جھوٹ تو بس وہ گڑھیں جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو) جبھی تو قرآن کریم کو نبی کریم کی اپنی خودساختہ کتاب قرار دیتے ہیں۔(اور وہی) مفتری لوگ پکے (جھوٹے ہیں) جو کہتے ہیں کہ نبی کریم کو کسی آدمی نے سکھایا اور حقیقت میں جھوٹ بولنا انہیں کی عادت ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں کفر پر وعید بیان فرمائی تھی، اور اِس آیت میں ان کا ذکر تھا جو مطلقاً ایمان نہیں لاتے، اور اِس اگلی آیت میں ان کا حکم بیان فرمایا ہے، جو فقط زبان سے کسی مجبوری کی وجہ سے کلمۂ کفر نکال دیتے ہیں، دل سے کفر نہیں کرتے، اوران کا حکم بیان فرمایا ہے جو زبان اور دل دونوں سے کفر کرتے ہیں۔ یہ آیت حضرت عمار بن

یاسر رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ مشرکین نے حضرت عمار کو اور ان کے والد یاسر کو، ان کی ماں سمیہ کو، اور حضرت صہیب کو، حضرت بلال کو اور حضرت خباب کو اور حضرت سالم کو پکڑلیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔

حضرت سمیہ کو انہوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور نیزہ ان کے اندام نہانی کے آر پار کردیا اور ان سے کہا کہ تم مردوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اسلام لائی ہو، سو اُن کو قتل کردیا اور ان کے خاوند یاسر کو بھی قتل کردیا۔ یہ دونوں وہ تھے جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہید کیا گیا۔ اور رہے عمار، تو ان سے انہوں نے جبر یہ کفر کا کلمہ کہلوایا۔

جب رسولِ کریم کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عمار نے کلمہ ٔکفر کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ بے شک عمار سَر سے پاؤں تک ایمان سے معمور ہے۔ اس کے گوشت اور خون میں ایمان رچ چکا ہے۔ پھر حضرت عمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں روتے ہوئے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے اور فرمارہے تھے، اگر وہ دوبارہ تم سے کلمہ ٔکفر کہلوائیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔ الحاصل ۔۔ ارشادِ خداوندی ہے، کہ ۔۔۔

مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ

جس نے انکار کردیا اللہ کا، اُس کو مان جانے کے بعد، بجز اس کے کہ مجبور کیا گیا ہے، اور اُس کا دِل

مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ وَ لٰکِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡکُفۡرِ صَدۡرًا

مطمئن ہے ایمان پر، لیکن ہاں جس نے کھول دیا کفر کے لیے سینہ،

فَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

تو اُن پر غضب ہے اللہ کا۔ اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے ●

(جس نے انکار کردیا اللہ) تعالیٰ (کا اس کو مان جانے کے بعد) یعنی مُرتد ہوگیا، جیسے ابن حنظل اور طعمہ، وغیرہ وغیرہ، وہ عذاب الٰہی میں ہے (بجز اس کے کہ مجبور کیا گیا ہے اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان پر) جیسے حضرت عمار وغیرہ، (لیکن ہاں جس نے کھول دیا کفر کے لیے سینہ) یعنی اپنے کفر پر پھر آئیں اور اس پر اعتقاد کرلیں، (تو ان پر غضب ہے اللہ) تعالیٰ (کا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے) مُرتد ہوجانے کے سبب سے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ

یہ اس لیے کہ انہوں نے اختیار کرلیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے سامنے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۰۷

اور بے شک اللہ نہیں راہ دیتا کافر قوم کو●

(یہ اس لیے کہ انہوں نے اختیار کرلیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے سامنے) یعنی آخرت کی نعمتوں پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اور راہِ حق سے اپنے کو دوُر کرلیا، تو خدا نے بھی انہیں دوُر ہونے دیا (اور) یہ اس لیے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا کافر قوم کو) یعنی مُرتدوں کو اپنی اس راہِ حق تک نہیں پہنچاتا، جو ایمان پر ثابت رہنے کا سبب ہو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ

وہ ہیں کہ چھاپ لگادی اللہ نے اُن کے دلوں پر، اور کان پر اور آنکھوں پر۔

وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۰۸

اور وہی لوگ غفلت والے ہیں●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کھلے دل کے ساتھ کفر کریں، تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔ اور اِس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا اور مرتد ہوگئے، تو ان کا یہ ارتداد اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دی تھی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ لوگ اپنے اختیار سے دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں گے اور ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کریں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت نہیں کی اور ان کے ارتداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگادی ہے، یعنی اب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان لانے اور ہدایت کے قابل نہیں رہے۔

اب اگر وہ۔۔بالفرض۔۔ایمان لانا بھی چاہیں، تو ان کو ایمان نصیب نہ ہوگا۔ اب وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ وہ لوگ اس قابل نہیں رہے کہ انہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں میں شمار کیا جائے۔ ذہن نشین رہے کہ اللہ

تعالیٰ نے تو ان کی رہنمائی کی تھی اور ان کی ہدایت کے لیے اپنے رسول کو بھیجا، ان کو انواع واقسام کے معجزات عطا کیے، قرآنِ مجید کو نازل کیا، لیکن انہوں نے اپنے اختیار سے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔ اور جب انہوں نے اس نعمت کی قدر نہیں کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی یہ سزادی کہ دنیا میں ان کے دلوں، کانوں، اور آنکھوں پر مہر لگادی اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب رکھا۔۔المختصر۔۔

یہ (وہ) لوگ (ہیں کہ چھاپ لگادی اللہ) تعالیٰ (نے ان کے دلوں پر) کیوں کہ انہوں نے حق بات نہ سمجھی (اور کان پر) کہ انہوں نے حق بات نہ سنی، (اور) ان کی (آنکھوں پر) کہ حق تعالیٰ کی قدرت کے آثار انہوں نے نہ دیکھے، (اور وہی لوگ غفلت والے ہیں) یعنی حق سے بے خبر ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

خواہ مخواہ وہ آخرت میں یقیناً دیوالیے ہیں●

تو (خواہ مخواہ) یعنی یہ ایسا سچ ہے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں، کہ (وہ آخرت میں یقیناً دیوالیے ہیں) اور نقصان پانے والے ہیں، اس لیے کہ عمر کا سرمایہ ضائع کر کے بازارِ دنیا میں کچھ فائدہ نہ حاصل کیا۔ اور اس مفلس کے پاس بازارِ آخرت میں ہاتھ خالی اور حسرت بھرے دل کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔۔۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا حال اور اُن کا حکم بیان فرمایا تھا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرح صدر سے کفر کیا اور جن لوگوں نے صرف جان بچانے کے لیے زبانی طور سے کفر کیا تھا، لیکن اُن کا دل اسلام پر مطمئن تھا۔ اب ان کا حکم بیان فرما رہا ہے جو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے اور صبر کیا، تو ان سے زبانی طور پر جو کفر سرزد ہوا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بخشنے والا مہربان ہے۔۔ یا یہ کہ۔۔ جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں مشکلات اٹھائیں اور کفار کے مظالم برداشت کیے اور ہجرت کی، اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا مہربان ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا

پھر بے شک تمہارا پروردگار، اُن کے لیے جنہوں نے ہجرت کی، بعد اِس کے کہ ستائے گئے، پھر جہاد کیا،

وَصَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

اور صبر کرتے رہے، بے شک تمہارا پروردگار اُس کے بعد ضرور مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے●

ع۲۰

(پھر بے شک تمہارا پروردگار ان کے لیے جنہوں نے ہجرت کی) مدینہ منورہ کی طرف۔۔مثلاً: خباب، صہیب، سالم، بلال رضی اللہ عنہم (بعد اس کے کہ ستائے گئے) یعنی کافروں سے بڑی ایذاء پا چکے، (پھر جہاد کیا) انہوں نے (اور) جہاد پر (صبر کرتے رہے)، تو (بے شک تمہارا پروردگار اس کے بعد) ہجرت، جہاد اور صبر کے بعد، یعنی ان اعمال واوصاف کی وجہ سے ان کی (مغفرت فرمانے والا) ہے اور ان کے گزرے ہوئے گناہوں کو معاف کردینے والا ہے اور (بخشنے والا ہے) اور مہربان ہے ان پر، کہ انہیں آئندہ عبادت کی توفیق دے گا۔

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا، ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور جن مسلمانوں نے جان کے خوف سے صرف زبان سے کلمۂ کفر کہا اور ان کے دل ایمان پر مطمئن تھے، اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا، اور اس اگلی آیت میں یہ بتایا کہ مرتدین پر غضب اور مومنین پر رحم کس دن ہوگا، اور وہ قیامت کا دن ہے۔

يَوْمَ تَأْتِىْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ

جس دن کہ آئے گا ہر کس وناکس اپنے آپ لڑتا جھگڑتا، اور پورا پورا دیا جائے گا جو ہر ایک نے

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

کر رکھا ہے، اور اُن پر ظلم نہ ہوگا●

(جس دن کہ آئے گا ہر کس وناکس اپنے آپ) سے (لڑتا جھگڑتا) یعنی اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ گنہگار کہے گا کہ میں نے کیوں گناہ کیا۔۔اور۔۔عبادت گزار کہے گا کہ میں نے عبادت زیادہ کیوں نہ کی۔۔یا۔۔ ہر ایک جھگڑے گا اپنے نفس کی رہائی کے واسطے اور نفسی نفسی کہے گا۔ (اور) اس دن (پورا پورا دیا جائے گا) بدلہ اس کا (جو ہر ایک) نفس (نے کر رکھا ہے، اور ان پر) جزا دینے میں (ظلم نہ ہوگا)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کو آخرت کی وعید شدید سے ڈرایا تھا اور اس اگلی آیت میں دنیا کی شدید آفتوں اور مصیبتوں سے ڈرایا ہے، کہ ان پر قحط مسلط کردیا جائے گا۔۔ چنانچہ۔۔اس تعلق سے ایک مثال۔۔۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور کہاوت بیان کی اللہ نے کہ ایک آبادی تھی، امن واطمینان سے آتی تھی

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَا

اُس کی روزی ہر جگہ سے بفراغت، پھر اس نے انکار کر دیا اللہ کی نعمتوں کا، پھر

قَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾

چکھایا اُسے اللہ نے بھوک اور خوف کے لباس سے، بدلہ اُن کے کرتوتوں کا●

(اور کہاوت بیان کی اللہ) تعالیٰ **(نے کہ ایک آبادی تھی)** جو **(امن واطمینان سے)** رہ رہی تھی۔ قیصروں اور جباروں کے حملوں سے مامون تھی اور نہایت آسودہ حال تھی، اس لیے کہ **(آتی تھی اس کی روزی ہر جگہ سے بفراغت)** یعنی اس بستی میں بستی والوں کا رزق اطراف وجوانب سے بکثرت پہنچ آتا تھا، **(پھر اس نے انکار کر دیا اللہ)** تعالیٰ **(کی نعمتوں کا)** یعنی کفر اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی، **(پھر چکھایا اسے)** یعنی اس بستی والوں کو **(اللہ)** تعالیٰ **(نے بھوک اور خوف کے لباس سے)** یعنی بھوک اور پیاس کا لباس ان کو پہنا دیا یعنی ان پر مسلط کر دیا، اور اس طرح اس پہناوے کا مزہ چکھایا **(بدلہ ان کے کرتوتوں کا)**۔

یہاں ضرر کے اثر کے ادراک کی تعبیر بطورِ استعارہ چکھنے سے کی ہے۔۔یوں ہی۔۔لباس سے بطورِ استعارہ وہ چیز مراد ہے جو کسی کو گھیر لے اور چھپا لے۔ یعنی حق تعالیٰ نے ایسا کیا کہ ان لوگوں نے بھوک اور ڈر کا اثر پایا جو انہیں گھیرے ہوئے تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ مثل مکہ معظّمہ کے لوگوں کے واسطے ہے کہ لوٹ مار سے امن میں تھے اور فراغت اور اَرزانی میں اوقات بسر کرتے تھے۔ چونکہ جناب رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعمتِ نبوت سے کافر ہو گئے اور شکر نہ کیا، تو حق تعالیٰ نے ان کی فراغت کو قحط سے بدل دیا۔

یہاں تک کہ سات برس تنگی اور خشک سالی میں مبتلا رہ کر بھوک کے مارے مُردار کھانے لگے اور خون پینے لگے۔ اور ان کی بے خوفی کو خوف سے بدل دیا، یعنی مسلمانوں کا خوف ان کے دلوں میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ سفرِ شام کا تردد اور ارادہ انہوں نے ترک کیا۔ ہر وقت ان کو اپنی جان اور مال کے ضائع ہو جانے کا خوف لگا رہتا۔۔۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے

اہل مکہ کی مثال دی تھی، کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اور وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں، تو اللہ ان پر خوف اور بھوک مسلط کر دیتا ہے۔ اب اگلی آیت میں انہیں اہل مکہ کا ذکر فرمایا ہے جن کے لیے مثال دی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا۔۔۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

اور بے شک آ گیا اُن کے پاس رسول انہیں سے، تو جھٹلایا اُسے، چنانچہ پکڑ لیا انہیں عذاب نے

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور وہ اندھیر مچا رہے تھے●

(اور بے شک آ گیا اُن کے پاس) عظیم **(رسول)** جو **(انہیں سے)** ہے۔ جس کے حسب نسب کو وہ خوب پہچانتے ہیں، اور اس کی گزاری ہوئی پوری زندگی سے وہ اچھی طرح واقف ہیں، جس کی امانت و صداقت میں انہیں کبھی شک نہیں رہا۔ **(تو)** ایسے جانے پہچانے امین و صادق کی دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا اور **(جھٹلایا اُسے، چنانچہ پکڑ لیا انہیں عذاب نے)** یعنی قحط اور خوف ان پر مسلط ہو گئے۔ **(اور)** ایسا کیوں نہ ہوتا، اس لیے کہ **(وہ)** بہت ہی **(اندھیر مچا رہے تھے)** خود اپنے اوپر شرک اور تکذیب کے سبب سے۔

جب قحط کی مذکورہ بالا صورت پیش آئی، تو قریش کی عورتوں نے کسی کو حضرت ﷺ کی خدمت سراپا رحمت میں بھیجا اور یہ بات عرض کی، کہ اگر ہمارے مَردوں نے آپ کے ساتھ دشمنی کی، تو مکے کی عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے، کہ قحط کی وجہ سے مرنے کے قریب ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اجازت دی، کہ وہ ان کے پاس غلہ لے جائیں۔۔ چنانچہ۔۔ ہر طرف سے غلے کی آمد شروع ہو گئی۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا

پس کھاؤ جو روزی فرمایا تمہیں اللہ نے، حلال پاکیزہ۔ اور شکر گزار ہو

نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اللہ کی نعمت سے، اگر اُسی کو معبود جانتے ہو●

(پس کھاؤ جو روزی فرمایا) ہے (تمہیں اللہ) تعالیٰ (نے حلال پاکیزہ) اللہ کے رسول ﷺ کے بھیجے ہوئے لوگوں کے ہاتھ سے۔

۔۔یا۔۔بعض قول کے پیش نظر اس میں خطاب مومنوں سے ہے، کہ انہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ حلال روزی کھاؤ۔

(اور شکر گزار رہو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت سے)۔یعنی نعمتِ الٰہی کا شکر کرتے رہو (اگر) تم (اسی کو معبود جانتے ہو)، یعنی اُسی کی عبادت کرتے ہو اور اسی کا حکم مانتے ہو۔

حلال وطیب کھانے کی اجازت کے بعد یہ مناسب ہے کہ بعض حرام غذاؤں کی بھی وضاحت کردی جائے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ

اُس نے بس یہی حرام فرمادیا تم پر، مردار اور خون اور سور کا گوشت، اور جو ذبح کیا جائے

لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

غیر اللہ کے لیے۔ پھر بھی جو ناچار ہو گیا، نہ سرکش ہے اور نہ حد سے بڑھا،

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٥﴾

تو بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اس نے) یعنی اللہ تعالیٰ نے (بس یہی حرام فرمادیا تم پر مردار اور خون) جو جاری ہو، (اور سور کا گوشت) اور جو کچھ اس میں سے آدمی کھا سکے، (اور جو ذبح کیا جائے غیر اللہ کے لیے) یعنی بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ بتوں سے تقرب حاصل کرنے کی نیت سے کفار ایسا کیا کرتے تھے، کہ بتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انہیں بتوں کے نام سے جانور کو قتل کردیا کرتے تھے۔ (پھر بھی جو ناچار ہو گیا) اور ایسا بے بس ہو گیا کہ اُسے حرام چیزوں میں سے کچھ کھانا ضروری ہو جائے، بشرطیکہ وہ تو (نہ سرکش ہے) کہ مزا اور لذت کے لیے کھا رہا ہو (اور نہ) ہی (حد سے بڑھا) ہوا ہو کہ ضرورت سے زیادہ کھا جائے، (تو) اس کو بوجہ ضرورتِ شدیدہ، یعنی جان بچانے کے لیے بقدرِ ضرورت کھالینے کی اجازت ہے۔ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ ایسے بے بس ولاچار کی (مغفرت فرمانے والا) ہے اور اس کے گناہ کو معاف فرمادینے والا ہے اور (بخشنے والا) مہربان (ہے) اُسے

اجازت دینے میں۔

اب اگلی آیت میں پہلی آیت کی تاکید ہے، یعنی یہی مذکورہ بالا چار[4] چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ مشرکین اپنی طرف سے ان چار[4] چیزوں کو حلال کہتے تھے، اور اپنی ہی طرف سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ 'بحیرہ' اُس اونٹنی کو کہتے تھے وہ جس کا دودھ دوھنا چھوڑ دیتے تھے، اور اس کو بتوں کے لیے نامزد کر دیتے تھے۔ 'سائبہ' اس اونٹنی کو کہتے تھے، جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اس کو وہ سواری کے لیے استعمال کرتے تھے نہ بار برداری کے لیے۔ اور 'وصیلہ' وہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوئی اور اس کے بعد دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی اور ان کے درمیان کوئی نر نہیں ہوتا تھا، ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اور 'حام' وہ اس نر اونٹ کو کہتے تھے جس سے کئی بچے ہو چکے ہوتے تھے اور جب اس سے کافی بچے ہو جاتے، تو وہ اس کو بھی آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے سواری اور بار برداری کا کام نہ لیتے۔

سب سے پہلے بتوں کے لیے جانور چھوڑنے کی ابتداء عمرو بن عامر الخزاعی نے کی تھی جس کے تعلق سے رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا۔۔ الحاصل۔۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، اور تم یہ کہہ کر کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ وہ ان چیزوں کے حرام کرنے اور حلال کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے، یہ ان کا دوسرا جرم تھا۔ خود کسی چیز کو حرام کرتے پھر کہتے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس طرح یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے۔ اسی طرح آج بھی کچھ لوگ سوئم، چالیسویں، برسی اور گیارھویں کے کھانے کو اپنی طرف سے حرام کہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص دنوں میں کھانے کی حرمت پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

ان مخصوص دنوں میں میت کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور ان دنوں کی یہ تعیین شرعی نہیں ہوتی کہ ان کے علاوہ کسی اور دن میں ایصال ثواب کرنا جائز نہ ہو، بلکہ لوگوں کے اجتماع کے لیے سہولت کی خاطر تاریخ معین کر لی جاتی ہے، جیسے جلسہ، منگنی اور شادی کی تاریخ معین کی جاتی ہے، اور جیسے مساجد میں نمازوں کے اوقات گھڑیوں کے حساب سے معین

کیے جاتے ہیں۔ایسے تمام لوگ اس آیت کے مصداق ہیں جو اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کہتے ہیں۔۔تو۔۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ

"اور مت کہہ دیا کرو جو تمہاری زبانیں جھوٹ بکتی ہیں، کہ یہ حلال ہے

وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور یہ حرام، تا کہ گڑھو اللہ پر جھوٹ"۔ بے شک جو لوگ

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ

گڑھیں اللہ پر جھوٹ، نا کام ہیں ● دنیا میں رہنا کم،

وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

اور اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے ●

اَے سمجھ والو! (اور) انصاف والو! (مت کہہ دیا کرو جو تمہاری زبانیں جھوٹ بکتی ہیں) یعنی جو جھوٹ تمہاری زبان پر آئے اُسے زبان سے نہ نکالو۔اور وہ جھوٹ بات یہ ہے جو مشرکین نے کہی (کہ یہ حلال ہے)،یعنی بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ حلال ہے ہمارے مَردوں پر (اور یہ حرام) ہے،یعنی وہی جو مذکور ہوا وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر۔اور یہ حلال وحرام اس لیے کہتے ہو کہ (تا کہ گڑھو) اور افتراء کرو (اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)،یعنی یہ سراسر جھوٹ ہے جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم فرمایا ہے۔تو کان کھول کر سن لو (بے شک جو لوگ گڑھیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) وہ (نا کام ہیں) جو عذابِ قیامت سے چھٹکارا نہ پاسکیں گے۔اور جس واسطے وہ افتراء کرتے ہیں وہ ایسی چیز ہے کہ (دنیا میں) جس کا (رہنا کم) ہے۔یعنی وہ فائدہ تھوڑا سا ہے دنیا میں جو جھٹ پٹ جاتا رہے گا، (اور) پھر (ان کے لیے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے) یعنی آخرت میں ہمیشہ رہنے والا۔۔۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ

اور جو یہودی ہوئے، ہم نے حرام فرما دیا تھا اُن پر جو ہم پہلے ظاہر فرما چکے ہیں تم پر۔

وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝۱۱۸

اور ہم نے اُن پر کچھ ظلم نہیں کیا، ہاں وہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے●

(اور جو یہودی ہوئے) یعنی دین یہود میں داخل ہوئے (ہم نے حرام فرمادیا تھا) صرف (ان پر) ان چیزوں کو (جو ہم پہلے) سورۂ انعام میں (ظاہر فرما چکے ہیں تم پر)، اور وہ اللہ جل شانہ کا یہ کلام ہے وَعَلَى الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا كُلَّ ذِىۡ ظُفُرٍ‌ۚ سے آخر آیت تک (اور ہم نے ان پر) ان چیزوں کے حرام کرنے کے سبب سے (کچھ ظلم نہیں کیا) اور کوئی زیادتی نہیں کی۔ (ہاں وہی) گناہوں کی کثرت کے سبب سے (اپنے اوپر ظلم کرتے تھے)۔

اس آیت کی تفسیر کے لیے النساء آیت ۱۶۰ اور الانعام آیت ۱۴۶ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔۔۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ عَمِلُوا السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ

پھر بے شک تمہارا پروردگار، اُن کے لیے جس نے برائی کی نادانی سے، پھر توبہ کرلی اُس کے بعد

ذٰ لِكَ وَاَصۡلَحُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۱۹ ع ۱۵ ۲۱

اور لائق ہو گئے، تو بلا شبہ تمہارا پروردگار اُس کے بعد ضرور مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(پھر بے شک تمہارا پروردگار ان کے لیے جس نے برائی کی نادانی سے) یعنی جس شخص نے کفر یا کوئی اور معصیت کی اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ اس پر کتنا شدید عذاب ہوگا۔۔یا۔۔ کتنی مدت عذاب ہوگا ۔۔یا۔۔اس کا گناہ ہونا تو معلوم تھا، لیکن گناہ کے ارتکاب کے وقت اس پر توجہ نہ تھی (پھر) بعد میں نادم ہوا اور اس گناہ سے (توبہ کرلی اس کے) ارتکاب کے (بعد، اور لائق ہو گئے) یعنی اپنے اعمال درست کر لیے (تو بلا شبہ تمہارا پروردگار اس) توبہ کر لینے (کے بعد ضرور مغفرت فرمانے والا) اور (بخشنے والا ہے) ان کے گناہوں کو توبہ کے سبب سے۔۔نیز۔۔ بڑا ہی مہربان ہے کہ بندوں سے توبہ قبول کر لیتا ہے۔۔۔

آگے کی آیات میں قریش کو توحید اور رسالتِ محمدی ﷺ کی حقانیت کو سمجھانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افکار و اعمال کو بطورِ دلیل پیش فرمایا۔ اس لیے کہ قریش اپنے آپ کو اُن کی طرف منسوب کرتے تھے اور کعبہ کی تولیت کے دعویدار تھے۔ تو اَے قریشیو! پھر انہی کے طریقے پر عمل کرو، تو سنو!۔۔۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ

بے شک ابراہیم تھے امام، اللہ کے پجاری، سب سے الگ تھلگ، اور

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ

مشرکین سے نہ تھے● شکر گزار اللہ کی نعمتوں کے، چن لیا اُن کو اور راہ دی انہیں،

إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾

سیدھے راستے کی طرف●

(بے شک ابراہیم تھے امام) یعنی جس کی اقتداء کی جائے۔

اس توحید کی روشنی میں آیت کریمہ میں مذکورہ لفظ **أُمَّةً** ماموم کے معنی میں ہے یعنی امام ۔۔امت کو قوم و جماعت کے معنی میں لینے کی صورت میں آیتِ کریمہ کے مختلف معنی ظاہر کیے گئے ہیں۔۔۔

﴿۱﴾۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو امت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قوم ۔۔یا۔۔ایک امت مل کر جتنے نیکی کے کام کرتی ۔۔یا۔۔جتنی عبادت کرتی، حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا اتنی عبادت کرتے تھے اور اتنے نیکی کے کام کرتے تھے۔

﴿۲﴾۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں صرف ایک مومن تھے اور باقی سب لوگ کافر تھے، اس لیے وہ اپنی ذات میں امت تھے۔

﴿۳﴾۔۔روئے زمین کبھی ایسے چودہ[۱۴] آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا ہے اور ان کی برکت کو ظاہر فرماتا ہے، سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے، کہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک مومن تھے۔

﴿۴﴾۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ان کی امت توحید اور دین حق میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوئی اور چونکہ وہ امت کے امتیاز کا سبب تھے، اسی وجہ سے ان کو امت کہا گیا۔

﴿۵﴾۔۔امت کا ایک معنی ہے نیکی اور خیر کی تعلیم دینے والا۔اس معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امت ہونا بالکل ظاہر ہے۔

--الحاصل--حضرت ابراہیم لوگوں کے امام اور (اللہ) تعالیٰ (کے پجاری) تھے۔(سب سے الگ تھلگ) رہ کر صرف اطاعتِ خداوندی اور عبادتِ الٰہی میں دن گزارنے والے اور اس عبادت و اطاعت میں سب سے الگ تھلگ شان رکھنے والے اور حکمِ الٰہی پر قائم رہنے والے تھے۔(اور مشرکین سے نہ تھے) جیسا کہ قریش کو گمان ہے اور تھا، اور وہ تھے (شکر گزار اللہ) تعالیٰ (کی نعمتوں کے) اور ناشکری کرنے والے نہ تھے--چنانچہ--(چن لیا ان کو) اللہ تعالیٰ نے (اور راہ دی انہیں سیدھے راستہ کی طرف) تا کہ وہ توحید کی دعوت پیش کرتے رہیں اور سیدھا راستہ دکھاتے رہیں۔

وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿١٢٢﴾

اور دی ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی۔اور بے شک وہ آخرت میں ضرور لیاقت والوں سے ہیں ●

(اور دی ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی) یعنی دنیا میں ان کا ذکرِ خیر ہوتا رہے گا--یا--اولادِ ابرار --یا--خلق کے دلوں میں محبت، کہ سب ملت والے انہیں دوست رکھتے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے ساتھ ان پر درود بھیجا جاتا ہے۔(اور بے شک وہ آخرت میں ضرور لیاقت والوں سے ہیں) یعنی درجاتِ عالی کے امام ہوں گے اور دنیا میں ان کی نیکیاں کم نہ ہوں گی، آخرت میں ان کی نیکیوں کے سبب سے۔ابراہیم علیہ السلام کے جمال وکمال اور شانِ امامت کو ظاہر کر دینے کے بعد--

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ

پھر وحی فرمائی ہم نے تمہاری طرف، کہ پیروی کرو دینِ ابراہیم کی، سب سے الگ ہو کر۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿١٢٣﴾

اور نہ تھے وہ مشرکوں سے ●

(پھر وحی فرمائی ہم نے تمہاری طرف کہ پیروی کرو دینِ ابراہیم کی سب سے الگ ہو کر) یعنی توحید میں پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی اس لیے کہ ساری ملتیں اس بات میں آپ ہی کی ملت کی طرف مائل رہیں--یا یہ--کہ خلق کو حق کی طرف دعوت دینے میں انہیں کی اتباع کیجیے، کہ جس طرح پر وہ نرمی کے ساتھ اور ایک کے بعد ایک دلیل لا کر اور ہر ایک سے اس کی فہم کے مطابق گفتگو اور بحث کر کے

دعوت کرتے تھے، اور آپ بھی اُسی طرح دعوت پیش کریں۔

اتباع کہتے ہیں متبوع کی راہ پر چلنے کو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع حضرت سید المرسلین کو اس سبب سے تھی، کہ آپ کے بعد مبعوث ہوئے۔ اس سبب سے نہیں کہ آپ ان سے کم تھے۔ اس واسطے کہ "اَنَا اَکْرَامُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ عَلَی اللّٰہِ" کے حکم سے یہ امر مقرر اور مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سب انبیاء علیہم السلام سے اکمل اور افضل ہے۔ اور فضیلت میں آپ کا حصہ سب اصفیاء سے زیادہ اور اشمل ہے۔

(اور نہ تھے وہ) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام **(مشرکوں سے)**۔ اس میں کفار قریش کا رَد ہے جو کہتے تھے کہ ہم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین رکھتے ہیں۔ ان مشرکین کے مورثین کا بھی یہ حال تھا کہ وہ اپنے عہد کے پیغمبر کے حکم کے خلاف اپنی من مانی چلاتے تھے اور اپنی بات منوانے کے درپے ہو جاتے تھے، اور پھر اگر از راہِ کرم ان کی خواہش کے مطابق بھی بعض حکم دے دیا جاتا تھا، تو اس پر بھی عمل کرنے سے گریز کرنے لگتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ

سنیچر کی مان دان فرض کی گئی ہے اُن پر جنھوں نے اس میں جھگڑا کیا تھا۔ اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور فیصلہ فرمائے گا

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۱۲۴

ان کے درمیان قیامت کے دن، جس بارے میں جھگڑا کرتے تھے ●

(سنیچر کی مان دان فرض کی گئی ان پر) جب کہ انہوں نے جمعہ کے دن کو عبادت کے لیے مخصوص کرنے سے انکار کیا۔ تو ان کی خواہش پر سنیچر کے دن کی تعظیم ان پر فرض کر دی گئی۔

جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ جمعہ کے دن کام چھوڑ کر خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ جب بنی اسرائیل کو حکم پہنچا، تو کچھ لوگوں نے قبول کیا اور بہتوں نے سرکشی کی، اور ان میں بھی اختلاف پڑا، ایک جماعت بولی ہم ہفتے کا دن اختیار کرتے ہیں، اس واسطے کہ اس دن حق تعالیٰ نے خلق کو پیدا کرنے سے فراغت پائی۔ اور ایک گروہ نے اپنا یہ رجحان پیش کیا، کہ اس کے لیے اتوار کا دن اولیٰ ہے، اس واسطے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کرنا شروع کیا۔ حق تعالیٰ

نے ان کی مخالفت اور نافرمانی کی شامت سے ہفتے کے دن کی تعظیم ان پر فرض کردی۔ اور اس بارے میں بڑی تاکید اور تشدید فرمائی۔ کن پر فرض کی؟۔۔۔

ان پر (**جنہوں نے اس میں جھگڑا کیا تھا**) یعنی اس دن کے تعلق سے اختلاف کیا تھا۔ ہفتے کے دن کی تعظیم یہ تھی کہ اُس دن کمائی نہ کریں، کسی کام میں مشغول نہ ہوں۔ اُس روز کو عید ٹھہرالیں اور اللہ جل شانہ کی عبادت کے سوا اور کچھ نہ کریں اور یہ حکم ان پر نہایت ہی شاق تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس دن ایک شخص کو دیکھا کہ مال اٹھائے ہوئے کسی جگہ لیے جاتا ہے، تو ان کے حکم سے لوگوں نے اس کی گردن ماردی اور اس کی نعش ایسے مقام پر پھینک دی کہ مردار خور جانور اُسے نوچ نوچ کر کھالیں۔۔لہٰذا۔۔ یہ جانور اُسے نوچ نوچ کر کھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ ختم ہوگیا۔۔المختصر۔۔ یہ بے جا اختلاف کرنے والے کس خوش فہمی میں ہیں۔

اَے محبوب! ان پر واضح کردو (اور) بتادو کہ (**بے شک تمہارا پروردگار ضرور فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جس بارے میں جھگڑا کرتے تھے**)۔

پہلے ایک جماعت کو حکم کیا تھا کہ جمعہ کے دن عبادت کیا کرے، اس نے اُس دن میں اختلاف کیا۔ حق تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت کردی تو ہمارے واسطے آج کا دن ہے، یعنی جمعہ اور یہود کے واسطے کل یعنی ہفتہ اور نصاریٰ کے لیے پرسوں یعنی اتوار۔۔۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ مشرکین رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے اور وہ جو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، اس کا انکار کرتے تھے اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے جس کی وجہ سے رسولوں کو ان کی گمراہی پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ کر وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہوجاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دینے کے لیے بہت مستحکم دلائل قائم کیے اور بہت عام فہم مثالیں بیان فرمائیں اور اسی نہج پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دینے کے لیے ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ

بلاؤ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف مضبوط تدبیر، اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ اور بحث کرو اُن سے سب سے

هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

بہتر انداز سے۔ بے شک تمہارا پروردگار، وہ خوب جانتا ہے، کہ کون بے راہ ہوا اُس کی راہ سے،

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو●

اَے محبوب! (**بلاؤ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف مضبوط تدبیر**) یعنی ایسی دلیل جو حق کو ثابت کرے اور شبہے کو زائل کردے۔ (**اور اچھی نصیحت کے ساتھ**) یعنی فائدہ دینے والے خطاب نفع بخش حکایتوں کے ساتھ۔ (**اور بحث کروان سے سب سے بہتر انداز سے**) یعنی نرمی اور خوش خوئی کے ساتھ اور ظاہری مقدمات کو ترتیب وار پیش کر کے۔

بعضوں کے نزدیک حکمت، دعوتِ خواص کے لیے اور موعظتِ حسنہ، ہدایتِ عوام کے لیے ہے، اور جدال و بحث و مباحثہ معاندوں کو دفع کرنے کے واسطے ہے۔

تو اَے محبوب! (**بے شک تمہارا پروردگار وہ خوب جانتا ہے کہ کون بے راہ ہوا اس کی راہ سے، اور وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو**)۔۔لہٰذا۔۔اَے محبوب! خدا کی طرف سے بلانے اور احکام پہنچانے کے سوا اور کچھ تم پر لازم نہیں۔ اور اَے محبوب! جنگ اُحد میں کفار اشرار نے آپ کے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کا جو مُثلہ کیا، اس سے آپ ضرور مغموم وملول ہوئے ہوں گے۔ آپ کے غم والم کو دیکھ کر آپ کے چاہنے والوں سے کسی کے دل میں یہ خیال آسکتا ہے، کہ اگر اُسے کسی جہاد میں فتح ملی، تو درجنوں کافروں کا اس کے بدلے میں مُثلہ کروں گا۔ تو اَے محبوب! اپنے چاہنے والوں کو بتادو کہ کسی بھی حال میں عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑو۔۔۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

اور اگر تم جرم کی سزا دو، تو ایسی دو، جیسا جرم تمہارا کیا گیا ہے۔ اور اگر تم نے صبر سے کام لیا، تو بلا شبہ وہ بہتر ہے

خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

صبر کرنے والوں کے لیے●

(اور) ہر حال میں اس کا خیال رکھو، کہ (اگر تم جرم کی سزا دو، تو ایسی دو جیسا جرم تمہارا کیا گیا ہے) یعنی اگر انہوں نے تمہارے ایک آدمی کا مثلہ کیا ہے، تو تم بھی ان کے ایک ہی آدمی کا مُثلہ کرو اس سے زیادہ کا نہیں۔ (اور اگر تم نے صبر سے کام لیا) اور ان پر عقوبت کرنے سے درگزرے، (تو بلاشبہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے) اللہ تعالیٰ ایسے صابرین کی تعریف و تحسین فرماتا ہے اور یہ کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے۔۔تو۔۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ

تم صبر کرو اور نہیں ہے تمہارا صبر، مگر اللہ کے کرم سے، اور نہ رنج کرو اُن کا، اور دِل تنگ نہ ہو

فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اُن کے داؤں پیچ سے●

اَے محبوب! (تم صبر کرو اور نہیں ہے تمہارا صبر مگر اللہ) تعالیٰ (کے کرم سے)، یعنی جنگ اُحد میں تمہیں جو تکلیف پہنچی اس پر صبر کرنا خدا کی طرف سے توفیق خیر اور مدِ الٰہی کا ثمرہ ہے۔ (اور) اَے محبوب! (نہ رنج کرو ان کا) یعنی ان باتوں کا کہ کافروں نے تجھ سے منہ پھیرا۔۔یا۔۔وہ تیرے لشکر پر غالب ہو گئے۔ (اور دل تنگ نہ ہو ان کے داؤں پیچ سے) کیونکہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ / ۹ / ۲۲

بے شک اللہ ہے ان کے ساتھ جو ڈرے، اور جو نیکیاں کرنے والے ہیں●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (ہے ان کے ساتھ جو ڈرے) اللہ تعالیٰ سے اور شرک و معصیت سے پرہیز کرے، (اور) ان لوگوں کے ساتھ (جو نیکیاں کرنے والے ہیں) یعنی موحد اور مخلص لوگ ہیں۔

بعضوں نے کہا کہ 'تقویٰ' امرِ الٰہی کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے، اور 'احسان' خلقِ خدا پر شفقت کرنے کا اشارہ ہے۔ اور اسلام و ایمان کا مدار انہی دو صفتوں پر ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے

چودھویں پارے اور سورۂ نحل کی تفسیر آج بتاریخ

۲؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲؍ستمبر ۲۰۱۰ء

بروز یکشنبہ مکمل ہوگئی۔ دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ

اپنے فضل وکرم سے پورے قرآنِ کریم کی تفسیر

مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بِجاہِ سَیِّدَالمُرسلِین صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیہِ وَالِہٖ وَسَلَّمَ

۱۵

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۹؍اکتوبر ۲۰۱۰ء، بروز شنبہ

سورۂ بنی اسرائیل اور پندرھویں ۱۵ پارے کی تفسیر کا آغاز کر دیا۔

مولیٰ تعالیٰ اِن کی تکمیل اور باقی قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر کرنے کی

سعادت عطا فرمائے، اور فکر و قلم کی حفاظت فرماتا رہے۔

اٰمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

صَلَّی اللہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ

سُورَۃُ الاسراء ١٧ مکیۃ ٥٠ — اٰیاتہا ١١١ رکوعاتہا ١٢

سُورَۃُ بَنِیٓ اِسرَآءِیل

سورۂ بنی اسرائیل مکیۃ آیات ١١١ رکوع ١٢

اِس سورۂ مبارکہ کا نام 'سورۂ بنی اسرائیل' ہے، کیونکہ اِس سورہ میں بنی اسرائیل کا ذکر ہےاور نام رکھنے کے لیے اِتنی ہی مناسبت کافی ہے۔ اِس کا دوسرا نام سورہ "الاسراء" ہے، اس لیے کہ اِس سورت کی پہلی آیت میں "اَسرٰی" کا لفظ ہےاور اِس میں رات میں ہونے والے ایک سفر کا ذکر ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے۔ البتہ تین آیتوں یعنی آیت ٧٦، آیت ٨٠ اور آیت ٦٠ کا استثناء کیا گیا ہے۔ ایک قول کے بنیاد پر آیت ١٠٧ کا بھی استثناء کیا گیا ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ 'سورۂ قصص' کے بعد اور 'سورۂ یونس' سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور تعدادِ نزول کے اعتبار سے یہ پچاسوٰیں سورہ ہے۔ کوفہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اِس کی ایک سو گیارہ ١١١ آیتیں ہیں۔ یہ سورہ واقعۂ معراج کے فوراً بعد۔۔یا۔۔ کچھ مدت کے بعد نازل ہوئی۔

'سورہ النحل' کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا کہ "آپ مشرکین کے مظالم اور اُن کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کریں"، اور اِس سورہ کی ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور شان کی بلندی بیان فرمائی ہے۔۔ بایں طور۔۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو واقعۂ معراج سے فضیلت عطا فرمائی اور آپ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا، کہ آپ رات کے ایک لمحے میں مکہ سے مسجدِ اقصیٰ پہنچ گئے، اور اُس رات اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری فضیلتیں عطا فرمائیں، اور عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کرایا۔ ایسی عظیم الشان سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مومنین کی غلطیوں کا (بخشنے والا) ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

پاکی اس کی، جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات، مسجد حرام سے

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ

مسجد اقصیٰ تک، کہ برکت رکھی ہے ہم نے جس کے گرداگرد، تاکہ ان کی چشم دید کردیں اپنی نشانیاں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے●

(پاکی) ہے (اُس کی) اِس بات سے، کہ وہ رات کے ایک لمحہ میں اتنی عظیم سیر نہ کرا سکے ۔۔المختصر۔۔ ہر طرح کی عاجزی، لاچاری اور بے قدرتی سے پاک ومنزہ ہے وہ، (جو لے گیا اپنے ایک مکرم (بندہ کو) اُس کے جسم وروح کے ساتھ عالمِ بیداری میں (راتوں رات)، یعنی رات کے ایک حصے میں (مسجدِ حرام سے) جو حرمِ کعبہ کو محیط ہے۔

۔۔یا۔۔ حضرت اُمِّ ہانی کے گھر سے، اس واسطے کہ مکہ اور اُس کی حریم سب مسجد ہے۔ اس رات آپ حضرت اُمِّ ہانی کے مکان پر آرام فرما تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام وہاں سے بیدار کر کے حرمِ کعبہ کے پاس لے آئے۔۔۔

اور پھر یہاں سے ربِّ قدیر (مسجدِ اقصیٰ تک) لے گیا۔ جو مسجد اہلِ مکہ سے بہت دور ہے، اور اُس وقت اِس کے آگے کوئی مسجد نہ تھی، تو وہ آخری اور انتہائی مسجد بھی قرار پائی۔

ایسی مسجد، (کہ برکت رکھی ہے ہم نے جس کے گرداگرد)۔ دینی برکت بھی اور دنیوی برکت بھی۔ دینی برکت یہ ہے کہ ہم نے ملکِ شام کی اِس زمین کو وحی اترنے کی جگہ اور انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ بنایا، اور دنیوی برکت یہ کہ وہ زمین درختوں اور نہروں سے گھری ہوئی ہے۔ میووں کی کثرت، فراخیٔ معیشت اور ارزانی کے سبب سے مالا مال ہے، تو اِس جگہ ہم محمد ﷺ کو لے گئے (تاکہ اُن کی چشم دید کردیں) اور کھلی آنکھوں سے دکھادیں (اپنی) قدرت کی (نشانیاں) اور دلیلیں۔

یہ کس قدر واضح قدرتِ خداوندی کی دلیل اور نشانی ہے، کہ تھوڑی دیر میں مکہ معظمہ سے ملکِ شام پہنچ گئے اور بیت المقدس کا مشاہدہ فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کو دیکھ کر اُن کے مقاموں پر ٹھہرے اور آسمانوں کے عجائب وغرائب پر مطلع ہوئے۔

اکثر علماء اِس بات پر ہیں، کہ معراج شریف بعثت کے بارھویں (۱۲) برس ہوئی اور معراج کے مہینے میں اختلاف ہے، کہ ربیع الاوّل ہے ۔۔یا۔۔ ربیع الآخر ۔۔یا۔۔ رمضان ۔۔یا۔۔ شوال ۔۔یا۔۔ رجب کی ستائیسویں (۲۷) شب۔ رجب کی ستائیسویں (۲۷) شب بہت مشہور ہے۔

مکہ معظّمہ سے بیت المقدس کو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لے جانا، 'نص قرآنی' سے ثابت ہے۔ اِس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں پر چڑھنا اور مرتبہءِ قُرب پر پہنچنا اُن احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے، جو 'حدِ تواتر' کے قریب ہیں۔ جو اِس کا منکر ہو وہ گمراہ اور مبتدع ہے۔ اکثر اہلِ اسلام کا اعتقاد اِس پر ہے، کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عروج جسم وروح کے ساتھ جاگتے میں واقع ہوا، جبھی تو کفار کو حیرت بھی ہوئی اور اُس کے منکر بھی ہوئے۔ اگر یہ خواب وخیال کی بات ہوتی، تو اُس پر حیرت کا اظہار کون کرتا؟ تو جو لوگ اِس قصے میں جسم کے ثقل کو بلند ہونے سے مانع جانتے ہیں، وہ اہلِ بدعت اور منکرِ قدرت ہیں۔

اِس شب کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل ملائکہ علیہم السلام کے ایک گروہ کے ساتھ حاضر ہوئے اور رسولِ مقبول ﷺ کو اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے حجرے سے مسجدِ حرام میں لے گئے، سینہء مبارک شق کیا، دلِ 'حق منزل' کو دھو کر پھر اپنے مقام پر رکھ دیا، پھر براق پر سوار کیا اور تھوڑی ہی دیر میں بیت المقدس پہنچا دیا۔ حضرت سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلوۃ والثناء نے بیت المقدس میں ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اور اُن کی امامت فرمائی، پھر 'صخرۂ معظم' پر سے 'براق پر --یا-- معراج نام کے زینے' کے ذریعہ --یا-- شہپرِ جبرائیل پر سوار ہو کر آسمانی سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔

پہلے آسمان پر حضرت آدم، دوسرے پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ، تیسرے پر حضرت یوسف، چوتھے پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون، چھٹے پر حضرت موسیٰ، ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا اور اُن کو سلام کیا، اعزاز واکرام کے ساتھ سبھوں نے جواب دیا۔۔۔ سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور، حوضِ کوثر، نہر الرحمۃ، نظرِ مبارک سے گزریں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام 'حجابِ نور' کے قریب آپ کی رفاقت سے باز رہے اور عرض کی کہ "اگر اب ایک ذرّہ بھی بڑھوں تو جل جاؤں"۔

وہاں سے تنہا نورانی حجابات قطع فرماتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچے کہ 'براق' بھی چلنے سے باز رہا، پھر 'رفرف' پر آپ سوار ہوئے اور پایۂ عرش کے قریب پہنچے اور ہزار بار درگاہِ الٰہی سے --"اُدْنُ مِنِّیْ"-- "قریب ہو جا مجھ سے" کا خطاب سنا اور ہر بار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اور ہی ترقی حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ مقام **دَنَا** پر قدمِ مبارک رکھا اور وہاں سے **فَتَدَلّٰی** کی نظر گاہ پر پہنچے۔ پھر **کَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی** کی خلوتِ خاص میں داخل

ہوئے، **فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی** کے اسرار سنے۔

اِسی مقامِ قرب پر "اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ" کے پاکیزہ کلمات سے ثنائے الٰہی ادا کی، اور "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ" کے خطاب سے اعزاز واکرام پایا، اور اس سلام کی خلعت میں اپنی امت کو داخل فرمایا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ" اور پھرتے وقت جنت اور اُس کے درجات اور دوزخ اور اُس کے درکات آپ کو دکھائے گئے، اور نماز کا ہدیہ امتِ مرحومہ کے واسطے معین ہوا، اور آپ بیت المقدس میں پھر آئے اور مکہ معظّمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ راہ میں قریش کے قافلے دیکھے۔

یہ سارا سفر مکہ شریف کی رات کے ایک مختصر سے حصے میں پورا ہو گیا، عقلِ انسانی جس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اِسی لیے جب رات گزری اور صبح ہوئی، تو آپ ﷺ نے معراج کا قصہ بیان فرمایا۔ مسلمانوں نے تصدیق کی اور کافروں نے کہا کہ "یہ بات عقل سے بہت بعید ہے"۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے آپ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں۔ فوراً وہ مسجد حضورِ انور ﷺ کے سامنے صورت پکڑے موجود تھی۔ جو کچھ کفار پوچھتے، آنحضرت ﷺ بے تکلف بتا دیتے۔ کافروں نے اپنے قافلوں کی خبر پوچھی، آپ نے مفصل کہہ دی۔ توفیق الٰہی جس کے شاملِ حال نہ ہوئی، اُس نے انکار اور تکذیب میں مبالغہ کیا۔

غرض کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج پر بلایا تا کہ آپ ملک اور ملکوت کی نشانیاں دیکھیں اور اُن کا حال اہلِ عالم سے کہیں۔ اور مطلب یہ تھا کہ منکروں کی تکذیب اور اقرار کرنے والوں کی تصدیق ظاہر ہو جائے، اور منافق موافق میں امتیاز ہو جائے۔ ایمان والوں نے تصدیق کی، تو اُن کے ایمان کی معراج ہو گئی اور کافروں نے تکذیب کی، تو اُن کے کفر کی معراج ہو گئی۔

(بے شک وہ)، یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کی تکذیب کی باتوں کو **(سنتا)** ہے اور تصدیق کے باب میں مسلمانوں کے حال کو **(دیکھتا ہے)**۔۔یا یہ کہ۔۔وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا کلام سنانے والا اور اپنی قدرتِ لازوال کی نشانیاں دکھانے والا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔بے شک محمد ﷺ وہ خطاب سنتے تھے جو اُن سے کہا اور وہ چیز دیکھتے تھے جو نہیں دکھائی۔۔یا یہ کہ۔۔ہم نے محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' کو وہ نشانیاں دکھائیں جو ہمارے جلال اور جمال کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بے شک وہ سمیع ہیں، ہماری سمع سے اور بصیر

ہیں ہماری بصر سے۔۔یا یہ کہ۔۔معراج میں اِسی بندۂ مکرم کا سفر بارگاہِ خداوندی کی طرف ہو رہا تھا اور خدا ہی اِس بندے کو لے جا رہا تھا، تو مکہ سے رخصت ہوتے وقت یہ کلمۂ محبت ارشاد فرمایا جو اعزہ و احباب اپنے کسی عزیز کو سفر کے لیے رخصت کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ "جاؤ خدا تمہارا حافظ و نگہبان ہے"۔

چونکہ معراج کی رات سب احباب واعزہ سو رہے تھے اور کوئی یہ کلمہ کہہ کر رخصت کرنے والا نہ تھا، تو خود خدائے عزوجل نے اِس کلمہ کو ارشاد فرما کر آپ کے اعزاز کو اور بھی بڑھا دیا کہ "اے محبوب! بے خطر ہو کر سفر پر روانہ ہو جاؤ، اس لیے کہ خدائے عزیز و قدیر تمہارا حافظ و نگہبان ہے"۔

وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اور دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، اور کر دیا ہم نے اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے،

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ﴿۲﴾

کہ نہ بناؤ مجھ کو چھوڑ کر کوئی کارساز●

سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ اُس نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی فضیلت عطا فرمائی، اور اِس اگلی آیت میں یہ بتایا ہے، کہ اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توارت نازل فرما کر اُن کو فضیلت عطا فرمائی تھی ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا:

(اور) بیان فرمایا، کہ (دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب) توریت۔

پھر توریت کے متعلق یہ فرمایا، کہ۔۔۔

(اور) واضح کر دیا کہ (کر دیا ہم نے اُسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے)، یعنی فرزندانِ حضرت یعقوب کے واسطے۔اور کہا ہم نے ان سے (کہ نہ بناؤ مجھ کو چھوڑ کر کوئی کارساز) اور پروردگار۔یعنی تم اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کرنا اور غیر اللہ پر اعتماد نہ کرنا۔یہی توحید ہے۔

معراج کے بعد اِس کا ذکر فرمایا۔اِس کا حاصل یہ ہے کہ بندے کے لیے اِس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ اور کوئی معراج نہیں ہے، کہ وہ بحرِ توحید میں اس طرح مستغرق ہو جائے، کہ وہ اپنے تمام مقاصد اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرے۔اگر وہ زبان سے کچھ بولے، تو اللہ تعالیٰ کے متعلق بات کرے۔اگر وہ سوچے اور غور و فکر کرے، تو اللہ تعالیٰ

کی صفات کے متعلق سوچے اور غور وفکر کرے۔

یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس کو کتنی عظیم اور کتنی کثیر نعمتیں عطا کی ہیں اور اُس نے اِن نعمتوں کی کتنی ناشکری کی ہے۔ اُس کی اطاعت کرنے کی بجائے، کتنے گناہ کیے۔ پھر اپنی تقصیر اور کوتاہیوں پر نادم اور شرمسار ہو اور اشک ندامت بہائے۔ اگر اُسے کسی چیز کی طلب ہو، تو صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اور اگر کسی چیز سے پناہ مانگنی ہو، تو صرف اللہ سے پناہ مانگے اور اپنے کل اغراض و مقاصد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے، اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اُس کی نظر نہیں ہوگی اور صرف اُس کی ذات ہی اس کا مطمحِ نظر ہوگی، تو پھر یہ معنی صادق آئے گا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا وکیل نہیں بناتا اور اُسی کو حقیقی طور پر اپنی ضروریات کو پوری کرنے والا، اپنے رزق کا کفیل، اور اپنا ضامن سمجھتا ہے۔ اِس کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز میں اُس پر توکل کیا گیا ہے، وہ اُس کو مہیا کرنے میں مستقل ہے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا ان کی کشتی پر سوار ہونے والوں کی اولاد کو مخاطب فرما کر، کہ۔۔۔

ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾

اَے اُن کی اولاد جن کو ہم نے کشتی پر سوار کرایا نوح کے ساتھ، بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے●

(اَے اُن کی اولاد جن کو ہم نے کشتی پر سوار کرایا نوح کے ساتھ، بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے)۔

یعنی اَے سامیو! تمہارے بزرگوں کو طوفان سے نجات کی نعمت جو ہم نے عطا فرمائی، اُسے یاد کرو اور اس کا شکر بجالاؤ۔ اور شکر گزاری میں حضرت نوح علیہ السلام کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔ اس واسطے کہ ہر وقت، کھاتے پیتے، پہنتے اوڑھتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، حضرت نوح علیہ السلام خدا کا شکر کرتے تھے، تو یہ اُن کی ذریت کو ترغیب ہے کہ اپنے دادا کی پیروی میں نعمتِ الٰہی کا شکر ادا کرتے رہیں، اس لیے کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ

"اگر شکر کرو گے تو ضرور زیادہ کروں گا میں تمہارے واسطے"۔

اِس پورے کلام کا حاصل یہ ہے، کہ حضرت نوح علیہ السلام بہت شکر کرتے تھے، کیونکہ وہ 'موحد' تھے۔ اور اُن کو جو نعمت بھی ملتی تھی، اس کے متعلق اُن کو یقین تھا، کہ وہ نعمت اللہ تعالیٰ

نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی ہے۔اور تم سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہو، سوتم بھی اُن کی اقتداء کرو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ، اور اُس کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرو، اور ہر نعمت پر اُس کا شکر ادا کرو۔

وَ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ

اور پیغام بھیج دیا ہم نے بنی اسرائیل کی طرف کتاب میں، کہ ضرور فساد مچاؤ گے تم زمین میں دوبار،

وَ لَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۴﴾

اور ضرور مغرور ہو جاؤ گے بڑے متکبر●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور مقرب بندوں پر کیے ہوئے انعامات کا ذکر فرمایا تھا، کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ معراج سے نوازا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل فرمائی اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ منکروں، نافرمانوں اور سرکشوں پر اللہ تعالیٰ نے مختلف مصائب نازل فرمائے اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر کے ان کو ذلیل وخوار کر دیا اور اِس میں یہ تنبیہ فرمائی، کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہر قسم کی عزت اور کرامت اور دنیا و آخرت میں سعادت اور سرفرازی کا موجب ہے۔اور اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی، ذلت اور خواری کا سبب ہے۔بنی اسرائیل نے ۲ دومرتبہ سرکشی اور نافرمانی کی، تو وہ ۲ دومرتبہ ذلیل کیے گئے۔پہلی بار جالوت نے اُن پر حملہ کر کے اُن کو غلام بنالیا اور دوسری بار مجوسیوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو اپنا غلام بنالیا۔۔۔

اِن واقعات (اور) حادثات کے تعلق سے ارشادِ ربانی ہے، کہ (پیغام بھیج دیا ہم نے بنی اسرائیل کی طرف کتاب) تورات (میں)، اور بیان کر دیا ہم نے (کہ ضرور فساد مچاؤ گے تم زمین میں دوبار)، یعنی سرزمین شام پر تم ۲ دومرتبہ فساد برپا کرنے کا ارتکاب کرو گے۔

اُن کا پہلا فساد تو یہ ہوا کہ انہوں نے احکامِ تورات کی مخالفت کی اور ارمیا علیہ السلام جو اُن کے پیغمبر تھے، ان کا حکم نہ سنا۔اور دوسرا فساد یہ ہوا، کہ انہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا، تو حق تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ تم ۲ دوبار فساد کرو گے۔۔۔

(اور ضرور مغرور ہو جاؤ گے بڑے متکبر)، یعنی میری طاعت سے سرکشی کرو گے اور میری خالقیت سے تکبر کرو گے۔پھر دونوں بار تمہیں تمہارے فساد کی بدانجامی کا مزا چکھا دیا جائے گا۔۔۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ

چنانچہ جب آ گیا اُن میں کا پہلا وعدہ، بھیج دیا ہم نے تم پر اپنے کچھ بندوں کو سخت جنگجو،

فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِؕ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝٥

تو وہ تلاشی کو گھس پڑے شہروں کے اندر، اور یہ طے شدہ وعدہ تھا●

(چنانچہ جب آ گیا اُن میں کا پہلا وعدہ)، تو **(بھیج دیا ہم نے تم پر اپنے کچھ بندوں کو)** یعنی اپنے پیدا کیے ہوئے بندوں کو، "نہ کہ اپنے مخصوص ومقرب بندوں کو" جو **(سخت جنگجو)** تھے۔

یعنی بخت نِصر۔۔یا۔۔جالوت۔۔یا۔۔سنجاریب۔۔یا۔۔عمالقہ کے رئیس کے لشکریوں کو، جو بہت ہی جنگجو تھے اور سخت لڑائی کرنے والے تھے۔ جن کی آواز 'رعد' کی طرح مہیب تھی اور اُن کی آنکھوں میں بجلی جیسی چمک تھی۔

(تو) حملہ آور ہو کر **(وہ تلاشی کو گھس پڑے شہروں کے اندر)** تا کہ لوٹ مار کر کے ہر ہر گھر کو خراب و برباد کر دیں، اور ان میں رہنے والوں کو اپنا قیدی بنا لیں۔ اور ایسا تو ہونا ہی تھا، اس لیے کہ **(یہ طے شدہ وعدہ تھا)**۔۔ چنانچہ۔۔ وہ ہو کے رہا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اِس بات کے جاننے میں کوئی فائدہ نہیں اور کوئی غرض علمی نہیں ہے، کہ بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والے کون تھے۔ مقصود صرف یہ ہے، کہ جب بنی اسرائیل نے شورش اور فساد کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو اُن پر مسلط کر دیا اور انہوں نے اُن کو ہلاک اور برباد کر دیا۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ

پھر واپس لائے ہم تمہیں دوبارہ اُن پر، اور مدد فرمائی تمہاری مال و اولاد سے،

وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِیْرًا ۝٦

اور کر دیا ہم نے تمہیں بڑے جتھے والا●

(پھر واپس لائے ہم تمہیں دوبارہ اُن پر) جنہوں نے تمہیں لوٹا مارا تھا۔ یعنی ہم نے تم کو غلبہ وطاقت بخشی، تا کہ تم انہیں مغلوب ومقہور کر دو۔ **(اور مدد فرمائی تمہاری، مال و اولاد سے)** یعنی ہر قسم کے مال اور بیٹوں کی کثرت سے نوازا **(اور کر دیا ہم نے تمہیں بڑے جتھے والا)** یعنی گنتی کے رو سے زیادہ

سے زیادہ، یعنی قتل ہونے سے پہلے تم لوگ جس قدر تھے اُس سے زیادہ ہم نے تمہیں کر دیا، تاکہ مجتمع ہو کر دشمنوں سے مقابلہ کر سکو۔ اور یاد رکھو!۔۔۔

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ

اگر تم نے بھلائی کی، تو اپنی بھلائی کی۔۔۔ اور اگر برائی کی، تو اپنے لیے کی۔ پھر جب آ گیا دوسرے

وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِیَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَکُمۡ وَلِیَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ کَمَا دَخَلُوۡهُ

فساد کا وعدہ، تاکہ دشمن بگاڑ دیں تمہارے چہرے، اور تاکہ داخل ہوں مسجد میں جس طرح داخل ہوئے تھے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِیُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِیۡرًا ۟

پہلی بار، اور تاکہ خوب ہی تباہ کر دیں جس چیز پر قابو پائیں ●

(اگر تم نے بھلائی کی، تو اپنی بھلائی کی)۔ اس واسطے کہ اُس بھلائی کا ثواب تم ہی کو تو پہنچے گا **(اور اگر برائی کی، تو اپنے لیے کی)** کیونکہ اُس کا وبال تمہاری ہی جانوں کے واسطے ہو گا۔

۔۔الغرض۔۔ کوئی انسان کسی کے ساتھ حقیقی معنوں میں نہ تو کوئی بھلائی کرتا ہے اور نہ ہی برائی۔۔ بلکہ۔۔ جو کچھ کرتا ہے نتیجے کے لحاظ سے وہ اپنے ہی ساتھ کرتا ہے۔

(پھر جب آ گیا دوسرے فساد کا وعدہ)۔ دونوں فسادوں کے درمیان دو سو تیئس[۲۲۳] برس کا وقفہ تھا۔۔ الغرض۔۔ جب اُس دوسری سختی کرنے کا وعدہ آ پہنچا، **(تاکہ دشمن بگاڑ دیں تمہارے چہرے)**، یعنی تمہارے چہروں پر رنج و غم کے آثار ظاہر کر دیں **(اور تاکہ داخل ہوں مسجد)** یعنی بیت المقدس **(میں، جس طرح داخل ہوئے تھے پہلی بار)** 'بخت نصر' کے ساتھ اور مسجد کو خراب کر دیا تھا۔ اِسی طرح 'طرطوس' کا لشکر بھی داخل ہو **(اور)** یہ اس لیے **(تاکہ)** داخل ہو کر **(خوب ہی تباہ کر دیں جس چیز پر قابو پائیں)**۔

ذہن نشین رہے کہ اِس قصہ میں بڑا اختلاف ہے۔ جس مفسر کو جو روایت پہنچی، اُس نے اس کی تفسیر میں وہی لکھ دیا۔ اِس سلسلے میں اِس کو صحیح قول قرار دیا گیا ہے کہ ولایت شام میں بنی اسرائیل کی سلطنت جب 'صدیقہ' نامی ایک مردِ ضعیف کو پہنچی، جو 'سلما' کی اولاد میں سے تھا، تو اطراف و جوانب کے بادشاہ ولایتِ 'ایلیا' کی طمع کر کے اُدھر متوجہ ہوئے۔ پہلے 'سنجاریب' موصل کا بادشاہ آیا، اُس کے پیچھے 'سلما' آذربائیجان کا بادشاہ آیا، اور دونوں نے بیت المقدس کو تلاش کر کے باہم لڑائی شروع کی اور بڑی لڑائی ہوئی، آخر ہیبتِ الٰہی ظاہر ہوئی اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے بھاگ گئے، اور اُن کی غنیمتیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں۔

اور دوبارہ 'روم' اور 'صفالیہ' اور 'اندلس' کے بادشاہ لشکرِ جرار لے کر بیت المقدس پر جمع ہوئے، اور چونکہ سلطنت میں شرکت نہیں ہوتی، اس لیے یہ بادشاہ بھی باہم جنگ وجدال کرتے رہے۔ بنی اسرائیل نے دُعا مانگنی شروع کی کہ "یا اللہ یہ ظالم آپس میں لڑ مریں اور ہم صحیح وسلامت رہ کر ان کا مال لوٹیں"۔ خدا نے اُن کی دُعا قبول کی، وہ بادشاہ بھی آپس میں شکست کھا کے بھاگ گئے۔ اُن کا مال بھی بنی اسرائیل کے ہاتھ لگا۔

--چونکہ-- پانچ لشکروں کا مال بطورِ غنیمت اُن کے قبضہ وتصرف میں آیا--لہٰذا--اُن کے سروں میں تکبر سمایا، جبر اور گناہ کرنا شروع کیا، توریت کے احکام بالائے طاق رکھے۔ ارمیا پیغمبر نے ہر چند نصیحت کی اور توریت کے احکام سنائے اور کہا کہ یہ جو تم کرتے ہو پہلا فساد ہے، اپنے تئیں خدا کے غضب میں مبتلا نہ کرو، مگر اُن نئے مالداروں نے کچھ نہ سنا، پس حق تعالیٰ نے بخت نصر مجوسی بادشاہ کو اُن پر مسلط کر دیا۔ اُس نے اُن پر چڑھائی کی اور لڑ کر بڑی شکست دی اور مسجد کو خراب کیا، توریت کو جلا دیا، بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار آدمیوں کو گرفتار کر لایا اور ان کو لونڈی اور غلام بنایا، اور یہ اُن پر پہلی سختی اور عقوبت تھی۔

اور 'بخت نصر' کی کیفیت یہ ہے، کہ وہ 'سنجاریب' بادشاہ کا منشی تھا، جب بادشاہ مرنے لگا تو یہ وصیت کی، کہ میرے بعد 'بخت نصر' بادشاہ ہو۔ اُس کی وصیت کے موافق بخت نصر کو سلطنت ملی۔ اِس خرابی اور عقوبت کے بعد 'گورش ہمدانی' جس کے گھر میں بنی اسرائیل کی ایک عورت تھی، اُس نے اِس خرابی کا حال سنا۔ بہت سا مال اور تیس ہزار معمار ومزدور اپنے ساتھ لا کر تیس برس تک ولایتِ ایلیا بنواتا رہا، یہاں تک کہ مثلِ سابق آبادی ہوگئی اور دوبارہ بنی اسرائیل خوش وقت اور مرفہ الحال ہوئے اور اُن کے مال اور اولاد میں کثرت ہوئی۔ پھر اُن کے دماغوں میں سودائے مخالفت سمایا۔

--چنانچہ-- یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالا اور عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو دوسری سختی اور عقوبت پہنچی۔ 'طرطوس رومی' اُن پر غالب ہوگیا اور دوبارہ مسجد کو خراب کیا اور بنی اسرائیل کا مال اور اسباب لوٹ لیا۔ اور حق تعالیٰ نے توریت میں دونوں عقوبتوں کے وعدے کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا، کہ---

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ۚ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ

ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار اَب بھی تم پر رحم فرمائے۔ اور اگر پھر شرارت پر پلٹے، تو ہم بھی عذاب کو پھر لائے---

وَّ جَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ﴿۸﴾

اور بنادیا ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ●

(ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار اَب بھی تم پر رحم فرمائے) اور پھر تمہیں نعمت دے، بشرطیکہ اِس دوسری سختی کے بعد تم توبہ کرلو، (اور) سن لو! کہ (اگر پھر) دوبارہ (شرارت پر پلٹے) اور نافرمانی پر اتر آئے، تو جب جب ایسی صورت پیش آئی (تو ہم بھی عذاب کو پھر) دوبارہ (لائے)۔۔الغرض۔۔اگر تم پھرو گے دوبارہ نافرمانی کی طرف، تو پھریں گے ہم تیسری بار سختی کی طرف۔۔چنانچہ۔۔تیسری بار حضرت سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی، تو حق تعالیٰ نے قتل اور جلاوطنی اور جزیہ میں مبتلا کر کے اُن پر عقوبت اور تعذیب کی۔اور یہ تو رہا معاملہ دنیا میں عقوبت کا، (اور) اب رہ گیا آخرت کا معاملہ، تو (بنادیا ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ) کہ وہاں روک رکھے جائیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

۔۔الحاصل۔۔ ہر دور میں اُس عہد کے رسول کی اطاعت ہر قسم کی عزت اور کرامت اور دنیا اور آخرت میں سعادت اور سرفرازی کا موجب ہے، اور اس کی نافرمانی ذلت وخواری کا سبب ہے۔۔لہٰذا۔۔عہدِ حاضر میں رسولِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ اتباع اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآنِ کریم کے 'اوامر' کی بجا آوری اور 'نواہی' سے اجتناب ہی میں دارین کی صلاح وفلاح اور سرخروئی وفیروز بختی ہے۔اس لیے کہ۔۔۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ

بے شک یہ قرآن راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے، اور مژدہ دیتا ہے اپنے ماننے والوں کو،

يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا كَبِيۡرًا ۙ‏ ﴿۹﴾

جو عمل کریں لیاقت والا، کہ بے شک اُن کے لیے بڑا ثواب ہے●

(بے شک یہ قرآن راہ دکھاتا ہے) وہ (جو سب سے زیادہ سیدھی ہے)، یعنی یہ قرآن اُس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور مستحکم ہے۔

تمام دین 'قویم' اور سیدھے ہیں اور دین اسلام **اَقۡوَمُ** ہے اور سب سے زیادہ سیدھا ہے۔۔الغرض۔۔قرآن اُس ملت۔۔یا۔۔اُس شریعت۔۔یا۔۔اُس طریقے کی ہدایت دیتا ہے، جو سب سے زیادہ قدیم اور مستحکم ہے، اور جو لوگ اِس شریعت پر عمل کریں گے اُن کو

اللہ تعالیٰ بہت بڑا اَجر عطا فرمائے گا، اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے، خواہ سرے ہی سے آخرت کا انکار کرے۔۔یا۔جسمانی ثواب اور عذاب کا انکار کردیں۔۔یا یہ۔۔کہیں کہ ہمیں دوزخ کی آگ صرف چند دن چھوئے گی۔۔المختصر۔آخرت میں ہونے والے لازمی احوال کا انکار کریں، ان سب کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔۔المختصر۔۔یہ قرآن سب کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔۔۔

(اور مژدہ دیتا ہے اپنے ماننے والوں کو جو عمل کریں لیاقت والا، کہ بے شک اُن کے لیے بڑا ثواب ہے) یعنی ایمان والوں کو بہشت کی خوش خبری دیتا۔۔۔

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠ ع

اور بے شک جو نہ مانیں آخرت کو، مہیا فرمالیا ہم نے اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ●

(اور) انہیں اِس بات کی بھی خوشخبری دیتا ہے، کہ (بے شک جو نہ مانیں آخرت کو، مہیا فرمالیا ہم نے اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب)، یعنی دوزخ کی آگ۔۔المختصر۔۔مومنوں کے واسطے دو بشارتیں ہیں۔اپنا ثواب اور اپنے دشمنوں کا عذاب۔

سابقہ آیت میں مومنوں کے لیے دو بشارت کا ذِکر فرمایا اور اب عام انسانی نفسیات کا تذکرہ فرمارہا ہے۔۔۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝١١

اور کوستے ہیں بعض لوگ تباہی کے لیے جیسے دُعا ہو بھلائی کے لیے۔اور انسان بڑا جلد باز ہے ●

(اور) وضاحت فرمارہا ہے، کہ (کوستے ہیں بعض لوگ تباہی کے لیے جیسے دُعا ہو بھلائی کے لیے)، یعنی بعض دُعا مانگنے والا شر کی دُعا ایسے مانگتا ہے، جیسے وہ خیر کی دُعا مانگتا ہے۔یعنی جیسے وہ اپنی بھلائی۔۔مثلاً: رزق، عافیت اور رحمت کے لیے دلچسپی سے دُعا مانگتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دُعا جلد مستجاب ہوجائے، ایسے ہی وہ شر کی دُعا میں بھی دلچسپی رکھتا۔

۔۔یا۔۔اُس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی دُعائے شر کو خیر مانتا ہے، جبھی تو نضر بن حارث بر ملا کہتا تھا "برسا ہم پر پتھر آسمان سے"، اور اِس طرح دُعا کر کے وہ خدا سے عذاب مانگتا تھا، حالانکہ اِس طرح کی دُعا، دُعا کرنے والوں کے لیے شر ہے، نہ کہ خیر۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اپنی جبلی (اور) فطری عادت کے مطابق (انسان بڑا جلد باز ہے)۔

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ عجلت شیطانی عمل ہے۔۔ہاں۔۔چند مقامات ایسے ہیں جہاں عجلت ضروری ہے:

﴿۱﴾۔۔نماز کی ادائیگی میں، جب کہ اُس کا وقت ہو جائے۔

﴿۲﴾۔۔جب لڑکی بالغ ہو جائے، تو اُس کے بیاہ میں جلدی کی جائے۔

﴿۳﴾۔۔قرض کو بھی جلد ادا کیا جائے، جب ادائیگی کی طاقت حاصل ہو۔

﴿۴﴾۔۔جب مہمان تشریف لائے، تو کھانا جلد کھلایا جائے۔

﴿۵﴾۔۔جب گناہِ صغیرہ۔۔یا۔۔کبیرہ کا ارتکاب ہو جائے، تو توبہ میں عجلت کی جائے۔

﴿۶﴾۔۔جب کوئی فوت ہو جائے، تو دفن میں جلدی کی جائے۔

۔۔الختصر۔۔شریعتِ مطہرہ جن جن امور کو بعجلت ادا کرنے کی ہدایت فرمائے، بس اُسی میں عجلت سے کام لیا جائے۔۔نیز۔۔دُعا کرنے میں اُس کے انجام کو سوچے سمجھے بغیر جلدی نہ کی جائے۔'انسان جلد باز ہے'، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسان ایک حال سے دوسرا حال بدل جانے میں جلدی کرتا ہے، نہ خوشی کا تحمل رکھتا ہے، نہ رنج کا۔۔۔نہ گرمی میں اُسے صبر ہے، نہ جاڑے میں۔

اب آگے اُن 'آیاتِ تکوینیہ' کو بیان کیا جاتا ہے جن سے بندے کو غور وفکر کرنے پر ہدایت نصیب ہوتی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ

اور بنایا ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں، چنانچہ مٹی مٹی دھندلی رکھی ہم نے رات کی نشانی، اور کر دیا دن کی نشانی کو

مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ

کھلتی دکھاتی، تاکہ تلاش کرو اپنے پروردگار کا فضل، اور تاکہ جانتے رہو ہر سال کے شمار کو اور حساب کو۔

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

اور ہر چیز کی ہم نے الگ الگ تفصیل کر دی ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (بنایا ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں) کہ ایک کے بعد ایک آکر حکیم مطلق جل جلالہ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتی ہیں۔(چنانچہ مٹی مٹی دھندلی رکھی ہم نے رات کی نشانی)

یعنی رات کی نشانی اندھیرا ہے، جس کو آفتاب نکال کر ہم نے مٹایا اور دن کی نشانی روشنی ہے، تو (کر دیا دن کی نشانی کو کھلتی دکھاتی) کہ اس میں سب چیزیں دکھائی دیتی ہیں (تا کہ تلاش کرو) اِس کی روشنی میں (اپنے پروردگار کا فضل)، یعنی معاش میں زیادتی اپنے رب سے۔

بعضوں نے کہا ہے، کہ دن کی نشانی آفتاب ہے اور رات کی نشانی ماہتاب ہے۔ اور رات کی نشانی مِٹ جانا، بدرِ کامل ہونے کے بعد چاند کی روشنی کا گھٹ جانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ سابق میں چاند سورج روشنی میں یکساں تھے، اِسی سبب سے دن رات میں امتیاز نہ تھا، تو حق تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے اپنے پَر چاند پر ملے، تو اس کا نور محو ہو گیا اور سورج جیسا تھا ویسا ہی رہا، تو اِس روایت کے مطابق اِس آیت کی تفسیر یہ ہوئی، کہ چاند کی روشنی ہم نے مٹا دی اور سورج کو روشن رکھا، تا کہ تم لوگ دن میں اپنی روزی کمانے جاؤ۔۔۔

(اور تا کہ جانتے رہو) چاند سورج کی گردش کے مختلف ہونے کے سبب سے (ہر ہر سال کے شمار کو، اور) وقتوں اور موسم کے کاموں کے (حساب کو)۔ (اور) یاد رکھو! کہ (ہر چیز کی) جس کے تم محتاج ہو، دینی کام ہو یا دنیوی، (ہم نے) قرآنِ کریم میں (الگ الگ تفصیل کر دی ہے)، یعنی حسبِ ضرورت ان کا مفصل بیان کر دیا ہے۔

وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ

اور سارے انسان، ہم نے اُن کی قسمت کو اُن کے گلے میں پھندا کر دیا۔ اور برآمد کریں گے اُس کے لیے قیامت کے دن

كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا ۝۱۳

نوشتہ، جسے پائے گا کُھلا ہوا●

(اور سارے انسان) خواہ مومن ہوں ۔۔یا۔۔ کافر، (ہم نے اُن کی قسمت کو) اور نوشتۂ تقدیر کو (اُن کے گلے میں پھندا کر دیا ہے)، کہ وہ کام کیے بغیر اُسے چارہ ہی نہیں، اور وہ تقدیر کا لکھا اُس کی گردن کا طوق ہیں۔

روایت ہے، کہ جو لڑکا پیدا ہوتا ہے اُس کی تقدیر کا لکھا اُس کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ وہ لڑکا سعید ہے ۔۔یا۔۔ شقی اور بعضے اِس بات پر ہیں، کہ عرب کے لوگ سابق میں جانور اُڑا کر فال لیتے تھے، اگر جانور داہنی جانب اُڑا، تو سعادت اور برکت

کی علامت جانتے تھے اور اگر بائیں طرف اُڑا، تو شامت اور شقاوت کی نشانی سمجھتے تھے، تو ان کی عادتِ قدیم کے موافق حق تعالیٰ نے یہاں **طٰٓئِرَهٗ** کو استعارہ کیا ہے اُس چیز کے ساتھ جو خیر اور شر کا سبب ہو۔ یہ بھی قول ہے کہ **طٰٓئِرَهٗ** وہ کتاب ہے، جو قیامت کے دن اُڑتی ہوئی بندوں کے ہاتھوں میں آئے گی اور اب **فِيْ عُنُقِهٖ** کا معنی یہ ہیں، کہ اُس کا عمل اس کی گردن پر ہے۔۔۔

(اور برآمد کریں گے اُس کے لیے قیامت کے دن نوشتہ، جسے پائے گا) وہ (کھلا ہوا)، یعنی دیکھے گا اُس لکھے ہوئے کو ہاتھ میں کھلا ہوا۔

روایت ہے کہ آدمی کو جب سکرات ہوتی ہے، تو اس کا اعمال نامہ لپیٹ لیتے ہیں، پھر جب قیامت کے دن اٹھے گا، تو نامۂ اعمال کو کھول کر اُس کے ہاتھ میں دیں گے۔۔۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝۱۴ۭ

کہ پڑھ، اپنا نامۂ اعمال۔ کافی ہے تو ہی آج اپنے اوپر حساب کرنے کو●

اور کہیں گے **(کہ پڑھ اپنا نامۂ اعمال)**۔ اُس روز سب آدمی پڑھنے والے ہوں گے اور ہر ایک سے خطاب ہوگا، کہ اعمال نامہ اپنا لکھا ہوا پڑھ۔ **(کافی ہے تو ہی آج اپنے اوپر حساب کرنے کو)**، یعنی تو خود دیکھ، کہ تو نے کیا کیا ہے؟ اور تو کیسی جزا کا مستحق ہے؟۔۔ *المختصر*۔۔ آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو۔ تو اے ہوش وخرد والے! آج اپنے دفترِ اعمال پر نظر کر، کہ نیک بد کیا کیا اور چونکہ فرصت رکھتا ہے اپنے اعمال کے تدارک میں کوشش کر، کہ کل قیامت کے دن تدارک اور تلافی کی مجال نہ ہوگی۔ آج عمل بے حساب ہے اور کل حساب بے عمل ہوگا۔

منقول ہے، کہ ایک باپ نے اپنے بیٹے سے کہا، کہ آج جو کچھ لوگوں سے کہے اور اُن سے سنے اور جو کام شام تک تو کرے، مجھ سے کہنا اور اپنے سب حرکات وسکنات مجھ سے عرض کرنا۔ اُس بیٹے نے مغرب کی نماز بڑی کلفت کے ساتھ اُس روز ادا کی اور اپنے قول و فعل سب باپ سے بیان کیے۔ باپ نے دوسرے دن بھی بیٹے کو وہی حکم کیا۔ بیٹا بولا، کہ قبلہ وکعبہ اور جو کچھ رنج وکلفت آپ کو منظور ہو مجھے گوارا ہے، اِس حکم سے معاف رکھیے، کہ اِس کی طاقت مجھ میں نہیں۔ باپ بولا، کہ بیٹا یہ کام دے کر میں نے تجھے نصیحت کی، تاکہ تو ہوشیار رہے اور روزِ حساب سے غافل نہ ہو جائے۔ جب اپنے باپ کو ایک دن کا حساب

دینے کی طاقت تجھے نہیں، تو تمام عمر کا حساب حق تعالیٰ کو کیونکر دے گا۔۔الحاصل۔۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

جس نے راہ پائی، تو اپنے ہی لیے پائی۔اور جس نے بے راہی کی، تو اپنے بُرے کو

عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ

بے راہی کی۔اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔اور ہم نہیں ہیں عذاب بھیجنے والے

حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

یہاں تک کہ بھیج لیں رسول کو●

(جس نے راہ پائی) اور سیدھی راہ چلا، (تو اپنے ہی لیے پائی)، یعنی اُس کا فائدہ اُسی کو حاصل ہوگا اور اُس راہ پر چلنے سے اُسی کی نجات ہوگی۔ (اور جس نے بے راہی کی) اور گمراہی اختیار کی، (تو اپنے) ہی (بُرے کو بے راہی کی)۔اُس کی گمراہی کا وبال اُسی کی جان کو اٹھانا ہے، یعنی اُس کی گمراہی اُسی کو ہلاک کرے گی۔ (اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی)۔

۔۔لہٰذا۔۔ولید ابن مغیرہ کا کافروں سے یہ بکواس کرنا، کہ تم میری متابعت کرو، میں تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالوں گا، اُس کی بے عقلی کی واضح دلیل ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدائی نظامِ عدل سے بے خبر ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد (اور) فرمان ہے کہ (ہم نہیں ہیں عذاب بھیجنے والے، یہاں تک کہ بھیج لیں رسول کو) جو رسول اُس قوم کو سیدھی راہ کی طرف بُلائے اور اُسے دلیل اور معجزہ دکھائے۔۔الختصر۔۔ اتمامِ حجت کیے بغیر ہم کسی کو تباہ اور ہلاک نہیں کرتے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا

اور جب ہم نے چاہا کہ تباہ کردیں کسی آبادی کو، تو حکم دیا ہم نے اُس کے عیش والوں کو، تو انہوں نے اُس میں نافرمانی کی،

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

تو درست ہوگئی اُن پر بات، تو ہم نے تباہ کردیا برباد کرکے●

ہماری سنت (اور) عادتِ کریمہ یہ ہے، کہ (جب ہم نے چاہا کہ تباہ کردیں کسی آبادی) یعنی

کسی شہر۔۔یا۔۔گاؤں کے رہنے والوں (کو،تو حکم دیا ہم نے اس کے عیش والوں کو) یعنی دولت مندوں کو۔۔یا۔۔حکم کرتے ہیں ہم اُس شہر کے جابروں اور سرکشوں کو اُس رسول کی فرمانبرداری کا جوان کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہے، (تو انہوں نے اس میں نافرمانی کی) اور رسول کے حکم سے باہر ہو گئے اور تمرد و سرکشی اختیار کیا، (تو درست ہوگئی اُن پر بات)، یعنی اُس بستی والوں پر عذاب کا کلمہ جو حکمِ ازلی میں پہلے ہو چکا ہے، یعنی تمرد کرنے کے سبب سے وہ لوگ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، (تو ہم نے) ایسوں کو (تباہ کر دیا برباد کر کے)، یعنی ہم انہیں جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں اور خراب کر دیتے ہیں ان کے گھروں کو الٹ پلٹ کر کے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

اور کتنے تباہ کر دیے ہم نے طبقے نوح کے بعد۔اور تمہارا پروردگار

بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار و نگراں ہے●

پچھلی قوموں کے حالات سے سبق حاصل کرو (اور) غور کرو، کہ (کتنے تباہ کر دیے ہم نے طبقے نوح کے بعد)، یعنی حضرت نوح کی وفات کے بعد، جیسے قومِ عاد، قومِ ثمود اور اُن کے مثل۔

ایک قرن ایک سو بیس ۱۲۰ برس کا ہوتا ہے۔۔یا۔۔چالیس ۴۰ برس کا۔۔یا۔۔اسی ۸۰ برس کا۔۔یا۔۔ اِتنی مدت کو قرن کہتے ہیں، کہ جس مدت سے زیادہ اس زمانہ کے لوگوں کی عمر نہ ہوتی ہو۔عدل وانصاف کو نافذ کرنے کے لیے علم وخبر کی بنیادی حیثیت ہے۔۔۔

تو سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار و نگراں ہے)۔وہ اُن کے چھپے ہوئے گناہوں کو جانتا ہے اور کھلے ہوئے گناہوں کو دیکھتا ہے۔اس کے علم وخبر کا حال یہ ہے، کہ وہ جہاد میں شریک ہونے والوں کی دلی کیفیتوں اور اُن کے قلبی احساسات سے بھی بخوبی واقف ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ مومنوں کے ساتھ جہاد کے ارادے سے نکلنے والے منافقین میں سے جس۔۔۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ

جس نے جلد والی دنیا چاہی، ہم نے جلدی کر دی اُس کے لیے اس میں، جو چاہیں جس کے لیے چاہیں،

ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰىهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿۱۸﴾

پھر کردیا ہم نے اُس کے لیے جہنم۔ کہ جائے وہاں بُرا کہلاتا، راندۂ درگاہ●

(جس نے جلد والی دنیا چاہی)، یعنی صرف مالِ غنیمت کے حصول کے لیے شریکِ جہاد ہوا اور اُن دنیاوی لذتوں کی خواہش میں رہا جو جلد ختم ہوجانے والی ہیں، (تو ہم نے جلدی کردی اُس کے لیے اس میں) سے (جو چاہیں جس کے لیے چاہیں)، یعنی دنیا کی نعمتوں میں سے، دنیا کے طلبگاروں میں سے، جس کو جتنا اور جب چاہتے دے دیتے ہیں۔ (پھر) اِس کا انجام کار یہ ہوا، کہ (کردیا ہم نے اُس کے لیے جہنم) دائمی ٹھکانہ، (کہ جائے وہاں بُرا کہلاتا، راندۂ درگاہ) یعنی بدحال اور رحمتِ الٰہی سے دور۔

وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ

اور جس نے چاہا آخرت کو اور اس کے لیے کوشش کی اس کے قابل، اور وہ ایمان والا،

فَاُولٰۤئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿۱۹﴾

تو وہ ہیں کہ جن کی کوشش قابلِ قدر ہے●

(اور) اُس کے برعکس (جس نے چاہا آخرت) کی بھلائی، یعنی بہشت (کو، اور اُس کے لیے کوشش کی اُس کے قابل) جو کوشش کرنے کا حق ہے، یعنی نیک اعمال انجام دیتا رہا (اور) اِس حال میں کہ (وہ ایمان والا) بھی ہے، یعنی اُس کے ایمان میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو، (تو) ایسے لوگ (وہ ہیں کہ جن کی کوشش قابلِ قدر ہے)، یعنی مقبول اور خدا کے نزدیک پسندیدہ۔ یہ شان ان کی ہے جو طالبِ آخرت، اعمالِ صالحہ والے اور مخلصانہ کھرے ایمان والے ہیں۔۔ یوں۔۔ تو کوئی طالبِ دنیا ہو کہ طالبِ آخرت۔۔۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَاۤءِ وَهٰۤؤُلَاۤءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ

سبھی کی ہم مدد فرماتے ہیں، ان کی اور اُن کی، تمہارے پروردگار کی عطا سے۔ اور نہیں ہے

عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ﴿۲۰﴾

تمہارے پروردگار کی عطا پر پابندی●

(سبھی کی ہم مدد فرماتے ہیں، اِن کی اور اُن کی، تمہارے پروردگار کی عطا سے۔ اور نہیں ہے تمہارے پروردگار کی عطا پر پابندی)۔ یعنی ربِّ کریم کی عطا مومن و کافر سبھی کے لیے عام ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ طالبِ دُنیا کو دُنیا کی عارضی اور فنا ہو جانے والی نعمتوں میں سے 'بقدرِ کفایت' دیتا ہے، اور طالبِ آخرت کو آخرت کی دائمی اور لافانی نعمتوں میں سے 'بقدر ہمت' دیتا ہے۔ الغرض۔۔ وہ کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ نگاہِ عبرت سے۔۔۔

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ وَ لَلۡاٰخِرَۃُ اَکۡبَرُ دَرَجٰتٍ

دیکھ لو کہ کیسا بڑھا رکھا ہے ہم نے بعض کو بعض پر۔ اور بلاشبہ آخرت سب درجوں میں بڑی ہے،

وَّ اَکۡبَرُ تَفۡضِیۡلًا ﴿۲۱﴾

اور بڑائی میں سب سے بڑی ہے●

(دیکھ لو، کہ) از راہِ حکمت (کیسا بڑھا رکھا ہے ہم نے بعض کو بعض پر)۔ یعنی آپ دیکھئے کہ کس طرح ہماری عطا دین اور دنیا پر محیط ہے۔ ہم ایک مومن تک اپنی نعمتیں پہنچاتے ہیں اور دوسرے مومن پر دنیا تنگ کر دیتے ہیں۔ اِسی طرح ہم ایک کافر پر اپنی نعمتیں کھول دیتے ہیں اور دوسرے کافر پر اپنی نعمتیں بند کر دیتے ہیں، تاکہ بعض دوسروں کو اپنا ماتحت اور تابعدار بنا سکیں۔ یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے اس لیے یہ فرق رکھا ہے، تاکہ زیادہ مال والا کم مال والے کو، بلند منصب والا کم منصب والے کو، اور زیادہ عقل والا کم عقل والے کو، اپنا ماتحت بنا سکے اور زیادہ مالدار تنگدستوں سے کام لے سکے۔

اللہ تعالیٰ کی اِس حکمتِ بالغہ سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اگر سب برابر ہوتے، تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔۔ المختصر۔۔ اِس کائنات کے نظام کے لیے سب قسم کے لوگ ناگزیر ہیں اور اگر سب لوگ ایک درجے کے ہوتے، تو یہ نظامِ کائنات چل ہی نہیں سکتا تھا۔۔ الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کی مساوی تقسیم نہیں کی۔ اُس کی ایک حکمت دنیا کے اعتبار سے ہے اور دوسری حکمت آخرت کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو زیادہ مال دیا ہے وہ عموماً مال و دولت کی بنا پر عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں پڑ کر گناہ کرتے ہیں اور آخرت کھو دیتے ہیں، اور جن کو کم مال دیا ہے وہ اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں اور عبادت میں زیادہ کوشش کر کے اپنی آخرت بنا لیتے ہیں۔

(اور بلاشبہ آخرت سب درجوں میں بڑی ہے اور بڑائی میں سب سے بڑی ہے)۔

دنیا میں مخلوق کی ایک دوسرے پر فضیلت 'محسوس اور مشاہد' ہے، اور آخرت میں اُن کی ایک دوسرے پر فضیلت 'غیب' ہے، اور جس طرح آخرت کی دنیا پر بے انتہا فضیلت ہے، حتیٰ کہ ہم یہاں اِس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اِسی طرح اُخروی درجات کی جو دنیاوی درجات پر فضیلت ہے، وہ بھی بے حد وحساب ہے۔ سو انسان کو چاہیے کہ وہ دنیاوی بڑائی کے حصول کی بجائے، اخروی بڑائی کے حصول کی کوشش کرے۔۔ الختصر۔۔ بہشت میں تفاوت درجوں کے سبب سے ہے اور ایک کمتر اور دوسرے برتر درجے میں زمین آسمان کا تفاوت اور مسافت ہے اور دوزخ میں درکات کے سبب سے تفاوت ہے۔ اس میں بھی نیچے والے "درکے" سے اُس کے اوپر والے "درکے" تک اُسی قدر تفاوت اور مسافت ہے۔

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگوں کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق دنیا کا طالب ہے اور وہ عتاب اور عذاب کا مستحق ہے اور دوسرا فریق وہ ہے جو آخرت کا طالب ہے اور وہ اطاعت گزار ہے۔ پھر آخرت کے طالب کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ وہ صاحبِ ایمان ہو اور ایسے عمل کرے جن سے اللہ تعالیٰ کا صحیح تقرب حاصل ہو اور اس کی نیت صحیح ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان اور پھر تقرب کے صحیح طریقہ کی ضرورت کو بیان فرمایا، اور اُس کے بعد پھر فرمایا کہ مومن صالح کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال میں کسی موقع پر بھی شرک کو دَر انداز ہونے کا موقع نہ دے۔ اس لیے فرمایا، کہ اَے سننے والو!۔۔

ع ۲ ۱۲ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

مت گڑھو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود، کہ بیٹھے رہ جاؤ برے کہلاتے رسوا●

(مت گڑھو اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرا معبود، کہ بیٹھے رہ جاؤ بُرے کہلاتے رسوا)۔۔ الختصر۔ اپنے کو حقیقی مذمت اور رسوائی کا مستحق ہونے سے بچاؤ اور اپنے کو ساری نیکیوں سے محروم نہ بناؤ۔

سابقہ آیت میں ایمان پر قائم رہنے اور شرک نہ کرنے کا حکم تھا، اور اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، جو کہ ایمان کے شعائر ہیں اور ایمان کی شرائط ہیں، اور اُن کی کئی اقسام ہیں اور اُس میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔۔ چنانچہ۔۔

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ

اور فیصلہ فرمادیا تمہارے پروردگار نے، کہ نہ پوجو مگر اُسی کو، اور ماں باپ سے بھلائی کرنے کا،

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ

اگر پہنچ جائیں تمہارے سامنے بڑھاپے کو، اُن میں کا ایک یا دونوں، تو مت کہنا انہیں، "ہاں کا ہوں،

وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾

اور نہ انہیں جھڑکنا، اور بولنا اُن سے عزت کرنے والی بولی●

اَے محبوب! سارے مکلفوں کو حکم دے دیا (**اور فیصلہ فرمادیا تمہارے پروردگار نے، کہ نہ پوجو مگر اُسی کو**) کیونکہ پوجنا اور عبادت اس فعل کو کہتے ہیں جو نہایت تعظیم پر مشتمل ہو، جس کے اوپر تعظیم کا کوئی درجہ ہی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اُسی ہستی کی نہایت اور انتہا درجہ کی تعظیم لائق ہے، جس نے نہایت انعام کیا ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وجود، قدرت، حیات اور عقل عطا کرنا، نہایت انعام ہے کیونکہ دلائل سے ثابت ہے، کہ وجود، حیات، عقل اور قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عطا نہیں کرسکتا۔ اور جب یہ تمام نعمتیں اللہ کے سوا اور کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے، تو پھر عبادت کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

تو صرف اُسی کو پوجو (**اور**) صرف اُسی کی عبادت کے حکم کے ساتھ (**ماں باپ سے بھلائی کرنے کا**) حکم فرمادیا۔

حق تعالیٰ نے اپنی عبادت کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے سے ملا کر بیان فرمایا، اس واسطے کہ ماں باپ اولاد کی پیدائش اور تربیت کے واسطے بہت قریب ہیں۔ ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا تقاضا یہ ہے، کہ نہ براہِ راست اُن کی گستاخی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے، جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔ المختصر۔ اغراضِ صحیحہ اور جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے جب کہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

تو (**اگر پہنچ جائیں تمہارے سامنے بڑھاپے کو، ان میں کا ایک یا دونوں، تو مت کہنا انہیں 'ہاں کا ہوں'**)، یعنی اُن کی اطاعت میں جہاں "ہاں" کہنا چاہیے، وہاں ان کی بات کا انکار کرنے کے لیے "ہوں" نہ کہہ دینا۔ الغرض۔ اپنے حرکات وسکنات اور قول وفعل میں ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرنا جو

ان کی بات نہ ماننے اور نافرمانی کا اشاریہ ہو۔

اس مقام پر یہ نکتہ ذہن نشین رہے، کہ اِس آیت میں اوراس کے آگے پیچھے کی آیات میں بظاہر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کلام کے مخاطب ہیں، لیکن اِن تمام آیات میں درحقیقت سارے انسانوں کے پیغمبر کے توسط سے انسان مخاطب ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے، کیوں کہ اِس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب نہیں ہوسکتا، کیونکہ آپ کی زندگی میں آپ کے ماں باپ میں سے کوئی بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچے۔ والدِ گرامی تو آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہوچکے تھے اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُس وقت فوت ہوگئی تھیں جب کہ آپ کی عمر شریف چھ ۶ سال تھی، اس لیے اِس آیت میں لامحالہ آپ سے خطاب نہیں بلکہ عام انسان سے خطاب ہے۔ اِسی طرح جن جن آیات میں عقلاً۔۔یا۔۔شرعاً ذاتِ رسول کو مخاطب نہ بنایا جاسکے اس میں خطاب کا روئے سخن انسان ہی کی طرف ہوگا۔

تو اَے انسان! اپنے ماں باپ کا ادب کرنا **(اور نہ انہیں جھڑکنا)**، یعنی ان کی بات کا سخت جواب نہ دینا اور نہ انہیں ڈانٹنا۔ اوران سے ایسی بات نہ کرنا جس سے اندازہ ہو کہ تم ان سے تنگ آچکے ہو اوران کی صحبت کو اپنے لیے بار سمجھنے لگے ہو، بلکہ ان کا ادب کرنا **(اور بولنا ان سے عزت کرنے والی بولی)** جو ادب اور تعظیم کے ساتھ ہو، اوران کا نام لے کر نہ پکارو اور اُن کے سامنے ایسا رہو، جیسا کوئی فرمانبردار غلام اپنے آقا کے حضور میں رہتا ہے۔۔۔

وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا

اور بچھا دینا اُن کے لیے اپنی چھوٹائی کا بازو ہمدردی سے، اور دُعا کرتے رہو کہ پروردگار اُن دونوں پر رحم فرما،

كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا ﴿۲۴﴾

جیسا کہ پالا انہوں نے مجھے کم سنی میں"●

(اور بچھا دینا ان کے لیے اپنی چھوٹائی کا بازو)، یعنی اُن کے ساتھ تکبر نہ کرنا اور اپنی بڑائی نہ جتانا، بلکہ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا **(ہمدردی سے)**، یعنی ان پر فرطِ رحمت سے، اس واسطے کہ ابھی کل تو اُن کا محتاج تھا اپنی تربیت میں، اور اب وہ تیرے محتاج ہیں اپنی خدمت اور تقویت میں، **(اور)** ان کے لیے **(دُعا کرتے رہو، کہ پروردگار اِن دونوں پر رحم فرما، جیسا کہ پالا انہوں نے مجھے کم سنی میں)**،

یعنی اس حال میں جب کہ میں چھوٹا تھا۔

ذہن نشین رہے، کہ اولاد کی دُعائے رحمت جو والدین کے حق میں ہوتی ہے اُس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ مومن ہیں، تو انہیں جنت میں پہنچا اور اگر کافر ہیں، تو انہیں اسلام اور ایمان ہدایت فرما۔ اِس مقام پر یہ جاننا فائدے سے خالی نہیں، کہ اللہ جل شانہ کی خوشی ماں باپ کی رضامندی کے ساتھ بندھی ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ "جس سے راضی ہوں اس کے ماں باپ، تو میں بھی اس سے راضی ہوں"۔

تو ان کے اگلے حقوق بھول کر انہیں ایذاء نہ دینا۔ یاد رکھو کہ۔۔۔

رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِكُمۡ‌ؕ اِنۡ تَكُوۡنُوۡا صٰلِحِیۡنَ فَاِنَّهٗ

تمہارا پروردگار جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم لوگ لیاقت مندر ہوگے، تو بلاشبہ وہ

كَانَ لِلۡاَوَّابِیۡنَ غَفُوۡرًا ﴿۲۵﴾

توبہ کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے ●

(**تمہارا پروردگار جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے**) یعنی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنا۔۔۔یا۔۔۔ برائی کرنا، ان میں سے جو بھی تمہارے دل میں ہے حق تعالیٰ اُس سے باخبر ہے۔ (**اگر تم لوگ لیاقت مندر ہوگے**) یعنی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے والے رہوگے، (**تو بلاشبہ وہ توبہ کرنے والوں کو**) جو ماں باپ کے ساتھ برائی کرنے سے توبہ کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ خدا کی درگاہ میں رجوع کرتے ہیں (**بخش دینے والا ہے**)۔

جب تم والدین کے ساتھ نیکی کرنے سے فارغ ہوگئے، تو اب تم پر واجب ہے کہ باقی رشتے داروں کے ساتھ درجہ بدرجہ نیکی کرو۔ پھر مسکینوں اور مسافروں کے احوال کی اصلاح کرو اور قرابت داروں کو دو، بشرطیکہ وہ محروم ہوں، تنگ دست ہوں اور کمانے سے عاجز ہوں۔

امامِ اعظم کے نزدیک امیر اور خوشحال پر واجب ہے، کہ وہ اپنے تنگ دست قرابت داروں پر بقدرِ ضرورت خرچ کرے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشادِ ربانی ہے کہ۔۔۔

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِیۡنَ وَابۡنَ السَّبِیۡلِ

اور دو قرابت والوں کو اُن کا حق، اور خانہ برباد کو، اور مسافر کو،

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

اور نہ اُڑاؤ فضول●

(اور دو قرابت والوں کو ان کا حق اور خانہ برباد کو)، اُس فقیر کو جس کے پاس کچھ نہ ہو (اور مسافر کو) جو مصرفِ زکوٰۃ میں سے ہیں۔ (اور نہ اڑاؤ فضول) یعنی جن مقاموں پر مال نہ خرچ کرنا چاہیے وہاں اپنا مال پراگندہ نہ کرو۔

امام مجاہد نے کہا ہے، کہ کارِ خیر میں اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کریں، تو وہ ہرگز 'اسراف' نہیں اور اگر جو برابر باطل اور خلافِ شرع صرف کریں، تو وہ 'اسراف' ہے۔ جان لو! کہ۔۔۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

بے شک فضول خرچ والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں۔ اور شیطان

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے●

(بے شک فضول خرچ) کرنے (والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں) یعنی شرارت اور مال تلف کرنے میں شیطانوں کے مثل ہیں۔

عرب کی عادت ہے کہ جب کسی قوم کی عادت پر کسی اور شخص کو پاتے تو کہتے، کہ یہ شخص اُس قوم کا بھائی ہے۔ روایت ہے کہ مکہ معظمہ کے کفار، لوگوں کو دکھانے سنانے کے واسطے اپنا مال بے جا طور پر خرچ کیا کرتے تھے اور ایک مہمان کے واسطے کئی اونٹ ذبح کر ڈالتے تھے، حق تعالیٰ ان کی مذمت کرتا ہے کہ مال ضائع کرنے میں وہ کافر شیطانوں کے مثل ہیں۔

(اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے) یعنی منکر ہے۔ تو چاہیے اِس بات میں یعنی نعمتِ الٰہی کی ناشکری میں کوئی آدمی شیطان کی متابعت نہ کرے، کہ جس طرح شیطان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں، اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں، اور ان کو نیکیوں سے روکنے میں خرچ کرتا اور خرچ کراتا ہے، تو اگر کوئی صاحبِ منصب و مال اپنے مال و منصب کو ایسے کاموں میں لگائے جن کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال اور منصب کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے، اور اِس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مبذرین اور

مسرفین شیاطین کے بھائی اور اُس کے قرین ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی صفات اور افعال میں شیطان کے موافق اور اُس کے پیروکار ہیں۔ پھر چونکہ شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے، اس لیے وہ بھی اپنے رب کے ناشکرے ہیں۔

بعض لوگ زمانۂ جاہلیت میں لوٹ مار کر کے مال جمع کرتے تھے، پھر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اُس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کرتے تھے۔ اور مشرکین قریش اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے تھے، تاکہ لوگوں کو اسلام لانے سے روکا جائے اور اسلام کے دشمنوں کی اطاعت میں خرچ کرتے تھے، اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ذہن نشین رہے، کہ جس طرح فضول خرچی کوئی اچھی چیز نہیں، اِسی طرح بداخلاقی کے ساتھ پیش آنا بھی کوئی پسندیدہ چیز نہیں، تو اگر کوئی ایسی صورت پیش آئے کہ تمہارا ہاتھ تنگ ہو، اور تمہارا اپنا بہ مشکل گزارا ہو رہا ہو، اور تمہارے پاس اتنی گنجائش نہ ہو، کہ تم ضرورتمندوں کی مدد کر سکو اور تمہارے غریب رشتہ دار، مسکین اور مسافر تم سے سوال کریں، تو ان کے ساتھ نرمی سے معذرت کرو اور سخت لہجے سے اُن کو منع کرنے اور جھڑکنے اور ڈانٹنے سے اور بداخلاقی سے پیش آنے سے احتراز کرو۔۔۔

وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا

اور اگر اُن سے اعراض کرنا پڑے، انتظار میں اپنے پروردگار کی رحمت کے، جس کی تمہیں امید ہے،

فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿٢٨﴾

تو بولو اُن سے آسان بولی ●

(اور) اپنے کو تُرش کلامی سے محفوظ رکھو۔۔ چنانچہ۔۔ **(اگر ان سے اعراض کرنا پڑے، انتظار میں اپنے پروردگار کی رحمت کے، جس کی تمہیں امید ہے)** یعنی رب کی طرف سے ملنے والی متوقع روزی آنے میں تاخیر ہو جائے، اس وجہ سے سائل کے سوال کو فوری طور پر پورا نہ کر سکو، جب بھی انہیں مایوس نہ کرو۔ ایسی صورت پیش آئے **(تو بولو ان سے آسان بولی)** جو انہیں گراں خاطر نہ کرے۔۔ مثلاً: اُن کے لیے دُعا کرو، کہ فقر و فاقہ کا بوجھ ان پر آسان ہو جائے۔۔ یا۔۔ اُن سے بھلائی کرنے کا وعدہ کر لو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب ضرورتمند اصحاب آپ سے کچھ مانگتے اور حاضر نہ ہوتا، تو آپ فرماتے کہ "اللہ ہمیں تمہیں دونوں کو روزی دے"۔ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ

نے خرچ کرنے پر برانگیختہ فرمایا تھا، اور اب اس اگلی آیت میں خرچ کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

اور نہ کر رکھو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن سے، اور نہ کھول ہی دو بالکل،

فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

کہ بیٹھنا پڑے افسوس وحسرت کرتے●

(اور نہ کر رکھو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن سے)، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اوپر، اپنے اہل وعیال اور دیگر ضرورتمندوں پر خرچ کرنے سے کڑھنے لگو اور نیکی کے راستوں میں خرچ کرنے سے باز آجاؤ، اور ایسا لگے کہ تمہارے ہاتھ گردن تک بندھے ہوئے ہیں، جو حرکت ہی نہیں کرتے کہ کسی کو کچھ دینے کے لیے حرکت کرسکیں۔ (اور) ایسا بھی (نہ) ہو کہ (کھول ہی دو) اپنے ہاتھوں کو (بالکل) اور بے تحاشہ خرچ کرنے لگو، اور لوگوں کو دے دے کر اپنا سارا مال ختم کردو اور تمہارے ہاتھ میں کچھ نہ رہ جائے سوائے اِس کے، (کہ) تمہیں (بیٹھنا پڑے افسوس وحسرت کرتے) ہوئے درماندہ اور محتاج ہو کر۔

مذکورہ آیت میں ہاتھ کشادہ کرنا عبارت ہے 'بخشش' سے اور بالکل کشادہ کردینا اشارہ ہے 'اسراف' کی طرف۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ سخاوت کی صفت میں اعتدال کا حکم فرماتا ہے اُس کے دونوں طرف سے، کہ ایک خِسّت دوسری فضول خرچی ہے، منع فرماتا ہے۔۔۔ ذہن نشین رہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی دونوں ہی حق تعالیٰ کی مشیت اور اُس کی حکمت کے تحت ہوتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔

اِنَّ رَبَّكَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ

بے شک تمہارا پروردگار وسیع کردیتا ہے روزی جس کے لیے چاہے، اور وُہی اندازے بھر کردیتا ہے،

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۳۰﴾ ع

بے شک وہ اپنے بندوں کا خبر گیر ونگراں ہے●

(بے شک تمہارا پروردگار وسیع کردیتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اور وہی اندازے بھر کر

دیتا ہے) یعنی نوشتۂ تقدیر کے مطابق تنگ کر دیتا ہے جس کے واسطے چاہتا ہے۔۔الغرض۔۔ یہ روزی کی کشادگی اور تنگی محض حکمت کی رو سے ہے، کسی کو مجال نہیں کہ اعتراض کر سکے، اس لیے کہ (بے شک وہ اپنے بندوں کا خبر گیر و نگراں ہے)، یعنی وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور سب کو اچھی طرح ملاحظہ فرماتا ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ میرے بعض بندوں کی مصلحت میں صرف 'فقر' ہے، اگر میں اس کو 'غنی' کر دیتا، تو اُس کا دین فاسد ہو جاتا۔ اور میرے بعض بندوں کی مصلحت صرف 'غنا' میں تھی، اگر میں اس کو فقیر بنا دیتا تو اس کا دین فاسد ہو جاتا۔

۔۔المختصر۔۔ بندوں کے ساتھ وہ جو کچھ کرتا ہے، کہیں اس کے 'فضل' کی جلوہ نمائی ہوتی ہے، تو کہیں اُس کے 'عدل' کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ مذکورہ ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کے لیے چاہے رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ یعنی رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ‌ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ‌ؕ

اور تم لوگ نہ مار ڈالا کرو اپنی اولاد کو، تنگدستی کے خطرہ سے۔ ہم اُن کو روزی دیں اور تمہیں بھی۔

اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾

اُن کو مار ڈالنا بڑا گناہ ہے●

(اور) وہی ہر ہر مرزوق کو رزق عطا فرمانے والا ہے، تو (تم لوگ نہ مار ڈالا کرو اپنی اولاد کو، تنگدستی کے خطرے سے)۔ کیونکہ (ہم) ہی ہیں جو (اُن کو روزی دیں اور تمہیں بھی) رزق عطا کریں۔ تو اچھی طرح سمجھ لو، کہ بے شک (اُن کو مار ڈالنا) بہت (بڑا گناہ ہے)۔ اس واسطے کہ اس میں نسل قطع ہوتی ہے، تو جو اس کا قاتل ہے وہ اُس سے ہو سکنے والی ایک پوری نسل کا قاتل ہے۔

پوری نسل کے قتل کی ایک معنوی صورت زنا بھی ہے، جس سے نسب مختلط اور مشتبہ ہوتا ہے، اور انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا، کہ زانیہ سے جو بچہ پیدا ہوا ہے، وہ اُس کے نطفے سے ہے یا کسی اور کے نطفے سے ہے۔ اس لیے اُس کے دل میں اِس بچہ کی پرورش کی کوئی امنگ ہوتی ہے نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ اور نہ وہ اُس کی نگہداشت کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ بچہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اِس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور عالم کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ تو ہوشیار ہو جاؤ۔۔۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾

اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے، بے شک یہ بے شرمی ہے۔ اور بُری راہ ہے●

(اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے) یعنی ایسا کوئی کام نہ کرو، جو زنا کا محرک ہو اور زنا کا باعث اور سبب بنے۔

۔۔مثلاً: اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا، اُن سے خلوت میں ملاقات کرنا، ان سے ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرنا، اور ان سے ہاتھ ملانا، اور بوس و کنار کرنا مغربی تہذیب میں یہ تمام امور عام ہیں اور زندگی کے معمولات میں داخل ہیں۔ اِسی وجہ سے وہاں زنا بھی عام ہے۔ اسلام نے اِسی بندش کے لیے عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے اور عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول کو سختی سے روکا ہے۔ مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا ہے۔ مگر سچائی یہ ہے کہ عورتوں کا گھر میں مقید رہنا، اِس سے بہتر ہے کہ وہ محض جانوروں کی طرح ہوس پوری کرنے کا آلہ بن جائیں۔

۔۔الختصر۔۔تم بدکاری کے قریب تک نہ جاؤ، اس لیے کہ (بے شک یہ بے شرمی ہے اور بُری راہ ہے) جس راہ پر آتش پرست چلنے کے عادی ہیں۔۔الختصر۔۔اپنے کو ہر طرح کی بے شرمی و بدکاری اور ظلم اور زیادتی سے دور رکھو۔۔۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا

اور نہ مار ڈالو کسی جان کو، کہ حرمت رکھی جس کی اللہ نے، مگر حق سے۔ اور جو مار ڈالا گیا بے گناہ،

فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ ؕ

تو ہم نے حق دیا اس کے وارث کو، تو وہ بھی زیادتی نہ کرے قتل کرنے میں۔

اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

کہ اس کی مدد کر دی گئی ہے●

(اور نہ مار ڈالو کسی جان کو، کہ حرمت رکھی جس کی اللہ) تعالیٰ (نے)، یعنی حرام کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مار ڈالنا۔ اور وہ ایمان والے اور ذمی اور عہد والے ہیں، انہیں قتل نہ کرنا چاہیے (مگر حق سے)، یعنی مگر درستی کے حکم سے۔۔الغرض۔۔اُن کو ناحق قتل کیا گیا بلکہ وہ قتل کے شرعاً مستحق ہوں، تب

قتل کیا جائے۔۔مثلاً: وہ مرتد ہو جائے۔۔یا۔۔شادی شدہ ہو کر زنا کرے، تو اُس کو قتل کر دیا جائے۔ یہ قتل کرنا برحق ہے۔ **(اور)** اِس کے برخلاف **(جو مار ڈالا گیا بے گناہ)**، یعنی وہ قتل کا مستحق نہیں تھا مگر اُسے مار ڈالا گیا، **(تو ہم نے حق دیا اُس کے وارث کو)** جو اس کے قتل کے بعد اس کے امور کا متولی ہو، یعنی ہم نے اس کو تسلط اور قوت دی کہ قاتل سے قصاص۔۔یا۔۔دیت لے سکے، **(تو)** پھر چاہیے کہ **(وہ)** ولی **(بھی زیادتی نہ کرے قتل کرنے میں)**، یعنی قتل کے بعد اس کا مُثلہ نہ کرے، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں ناک کان نہ کاٹے۔۔یا۔۔غیر قاتل کو نہ قتل کر دے۔

اس واسطے کہ جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی قتل ہو جاتا، تو مقتول کا وارث قاتل کو نہ قتل کرتا بلکہ قاتل کے قبیلے میں جو شخص سردار ہوتا اُسے قتل کرنے کا ارادہ کرتا۔ حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا، تو چاہیے کہ مقتول کا ولی قاتل کے سوا اور کسی کو قتل نہ کرے۔۔یا۔۔ایک کے بجائے دو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت والوں کی عادت تھی، کہ اگر ان کا کوئی برگزیدہ اور محترم شخص قتل کیا جاتا، تو اُس کے عوض میں قاتل کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی بہت بڑی جماعت کو قتل کیا جاتا۔ اور تجاوز کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دیت لے کر پھر قاتل کو قتل کر دیا جائے۔

۔۔الغرض۔۔مقتول کا وارث ناحق کوئی عمل انجام نہ دے، کیوں **(کہ)** بے شک **(اس)** مقتول کے متولی **(کی مدد کر دی گئی ہے)** بذریعہ شریعت۔۔یا۔۔حاکمِ وقت کے ذریعہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ متولی کی یوں مدد فرماتا ہے کہ متولی کو مقتول کی دیت۔۔یا۔۔قصاص دلاتا ہے۔۔یا۔۔حکامِ وقت کو فرماتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں قاتل سے مقتول کے متولی کو حق دلائیں۔

ذہن نشین رہے، کہ قاتل کی توبہ کی تین شکل ہے:

﴿۱﴾۔۔قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔

﴿۲﴾۔۔مقتول کے وارث اُس کو معاف کر دیں۔

﴿۳﴾۔۔مقتول کے لیے قاتل دیت ادا کرے۔

۔۔۔ظاہر ہے کہ اگر قاتل کی توبہ کی مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت پائی گئی، تو قیامت کے دن منجانب اللہ توبہ کا اجر اُسے نصیب ہوگا۔ جس طرح ناحق کسی کی جان لینا حرام ہے اِسی طرح ناحق کسی کا مال ہڑپ کر لینا بھی جائز نہیں، بالخصوص ایسے کمزور اور بیکس لوگوں کا مال، جو اس کو بچانے کی طاقت بھی نہ رکھتے ہوں۔ تو ہوش سے کام لو۔۔۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠

اور پاس نہ پھٹکو یتیم کے مال کے، مگر خیر خواہانہ طریقہ سے، یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اپنی پوری طاقت کو،

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾

اور پورا کرتے رہو تم لوگ عہد کو، بے شک عہد کی باز پرس ہوگی●

(اور پاس نہ پھٹکو یتیم کے مال کے) چہ جائیکہ ذاتی ضروریات میں اُسے خرچ کرو **(مگر خیر خواہانہ طریقے سے)**، یعنی اس کے مال میں ایسا معاملہ کرو، کہ اصل اس کے واسطے باقی رہے اور نفع اس کے روٹی کپڑے کے کام آئے، اور یہ بات اپنے اوپر لازم رکھو، **(یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اپنی پوری طاقت کو)** یعنی بالغ ہو جائیں اور بزرگی کے آثار ان میں ظاہر ہو جائیں اور وہ اٹھارہ[۱۸] اور تیس[۳۰] سال کی درمیانی عمر کو پہنچ جائیں، جب تک تم بحیثیت امین ان کے مال کی حفاظت کرو اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے رہو۔

۔۔الغرض۔۔ دیانت داری اور امانت داری کا حق ادا کرتے رہو، **(اور پورا کرتے رہو تم لوگ عہد کو)** جو خدا نے تمہارے ساتھ باندھا ہے احکام شرعی سے ۔۔یا۔۔ وہ عہد جو تم لوگ آپس میں کرتے ہو۔ اور اچھی طرح جان لو، کہ **(بے شک عہد کی باز پرس ہوگی)** یعنی عہد کرنے والے سے سوال کیا جائے گا، کہ تو نے اپنا عہد پورا کیا۔۔یا۔۔ توڑ ڈالا۔

یاد رکھو کہ خدا کے بہت سے عہد ہیں۔ آدمی کے ہاتھ پاؤں سے تو ادب لازم رکھنے کا عہد ہے، اور اس کی جان سے فرائض ادا کرنے کا، اور اس کے دل سے خوفِ الٰہی اور خشیتِ ربانی کا، اور اُس کی روح سے یہ عہد ہے کہ مقامِ قرب سے دور نہ ہو، اور اس کے سر سے یہ کہ ماسویٰ اللہ کا مشاہدہ نہ کرے، ایسا کہ انہیں میں گم ہو جائے اور خدا سے غافل ہو جائے۔۔الحاصل۔۔ ہر عہد کی بابت آدمی سے سوال کیا جائے گا۔ اب اگر اس نے کسی طرح کی بدعہدی۔۔اور۔۔ اپنے قول و عمل سے بد دیانتی و بے انصافی کی، تو اُسے بارگاہِ خداوندی میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔۔لہٰذا۔۔ عدل وانصاف سے کام لو۔۔۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ

اور پوری ناپ رکھو، جب ناپو اور تولو، ٹھیک ترازو سے۔

ذٰلِكَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۳۵﴾

یہ بہت بہتر ہے، اور خوش انجام ہے●

(اور پوری ناپ رکھو جب ناپو اور تولو ٹھیک ترازو سے)، جس کے دونوں پلڑے درست ہوں اور اُن کے بٹے پورے ہوں۔ ایسا نہیں کہ خریدو، تو بھاری بٹہ استعمال کرو اور بیچو، تو ہلکے بٹے سے کام لو۔۔المختصر۔۔ناپ تول میں بددیانتی نہ کرو، اس لیے کہ (یہ) پوری ناپ تول کرنا (بہت بہتر ہے) تمہارے واسطے خیانت سے (اور خوش انجام ہے)، یعنی بہت ہی خوب ہے عافیت کی رو سے۔

وَلَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ

اور نہ پیچھے پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل،

كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾

اِن سب کی باز پُرس ہوگی●

(اور) یہ بھی دیانتداری کا تقاضا ہے، کہ (نہ پیچھے پڑو) اُس کے (جس کا تمہیں علم نہیں) یعنی وہم وگمان۔۔یا۔۔افواہوں کی بنیاد پر کسی چیز کا پیچھا نہ کرو۔ جب تک تمہیں معلوم نہ ہو، یہ نہ کہو کہ میں جانتا ہوں۔۔یوں ہی۔۔جب تک تم نے دیکھا نہ ہو، یہ نہ کہو کہ میں نے اس چیز کو دیکھا ہے۔۔المختصر۔۔جھوٹی گواہی دینے سے باز رہو، کیونکہ (بے شک کان اور آنکھ اور دل، اِن سب کی باز پرس ہوگی) یعنی اُن سے پوچھا جائے گا، کہ تم جس کے کان آنکھ اور دل ہو، اس نے کیا معاملہ کیا تھا۔۔یا۔۔کان سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا سنا؟ اور کیوں سنا؟ اور آنکھ سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا دیکھا؟ اور کیوں دیکھا؟ اور دل سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا جانا؟ اور کیوں جانا؟

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اِن سب کو سننے سمجھنے اور بولنے کی قدرت عطا فرمائے گا، پھر ان سے سوال فرمائے گا۔

۔۔الحاصل۔۔صرف اُس چیز کی گواہی دو جس کو تمہاری آنکھوں نے دیکھا ہو اور تمہارے کانوں نے سنا ہو اور تمہارے دل نے یاد رکھا ہو۔۔لہٰذا۔۔ظن وتخمین کی بنیاد پر نہ کوئی فیصلہ کرو اور نہ ہی اپنے گمان سے کسی پر بہتان لگاؤ، اس لیے کہ جو اپنے گمان کی بنیاد پر کسی پر بہتان لگائے گا اس پر عذاب ہوگا۔

ذہن نشین رہے کہ ظن پر عمل کرنا اُسی وقت صحیح ہے، جب وہ کسی 'نص قطعی' کے مخالف نہ

ہو۔۔الحاصل۔۔ 'ظن' پرعمل کرنا اُس وقت منع ہے جب 'ظن' 'علم اور یقین' کے معارض ہو، جیسے مشرکین اپنے ظن پرعمل کرتے تھے اور ایسے امور انجام دیتے تھے جو تمام نبیوں اور رسولوں اور وحیٔ الٰہی کے خلاف تھے، جو کہ علم اور یقین پر مبنی امور ہیں۔

۔۔تو۔۔لوگو! مذکورہ بالا اعلیٰ صفات کے ساتھ ساتھ خاکساری اختیار کرو اور متکبرانہ چال ڈھال سے اپنے کو بچاتے رہو۔۔۔

وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ۚ اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ

اور مت چلو زمین میں اِتراتے ہوئے۔ بلاشبہ نہ تو تم پھاڑ سکو گے زمین کو،

وَلَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ﴿۳۷﴾

اور نہ بڑھ کر پہاڑ ہو جاؤ گے لمبائی میں●

(اور مت چلو زمین میں اِتراتے ہوئے) اکڑ کے، سینہ تان کے، جس طرح کہ متکبرین چلتے اور ٹہلتے ہیں۔ اس لیے کہ (بلاشبہ نہ تو تم پھاڑ سکو گے زمین کو) اس طرح کہ زمین پر پیر رکھ دو، تو وہ پھٹ جائے (اور نہ) ہی تم (بڑھ کر پہاڑ ہو جاؤ گے لمبائی میں) یعنی کتنی ہی گردن لمبی کرو، سینہ تانو، اور جہاں تک اکڑ سکتے ہو اکڑو، رہو گے چند ہاتھ کے آدمی ہی، اپنی اِن حرکتوں سے پہاڑ کی طرح طویل وعریض نہیں ہو جاؤ گے، اور نہ ہی پہاڑ کی بلندی کے برابر بلند ہو سکو گے۔ تو جو ایسا عاجز ہو، کہ نہ زمین پھاڑ سکے اور نہ ہی پہاڑوں کی برابری کر سکے، اُسے تکبر اور بڑائی کیوں کرنا چاہیے؟ جب حق تعالیٰ نے اُسے خاک سے پیدا فرمایا ہے، تو اُسے خاکسار ہی بن کر رہنا چاہیے۔ یاد رکھو! کہ۔۔۔

کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنۡدَ رَبِّکَ مَکۡرُوۡہًا ﴿۳۸﴾

یہ سب اِن میں کی بُری بات، تیرے پروردگار کو ناپسند ہے●

(یہ سب) جو مذکور ہوا، یعنی آیہ ﴿ولا تجعل﴾ سے یہاں تک جو امر و نہی بیان ہوئے، وہ گیارہ 'امر' اور چودہ 'نہی' ہیں۔ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیوں میں بھی لکھا تھا۔ (اُن میں کی بُری بات)، یعنی وہ باتیں جن کی من جانب اللہ ممانعت فرمائی گئی ہے، ان میں کا ہر ایک (تیرے پروردگار کو ناپسند ہے)۔۔الحتصر۔۔اوپر جو مذکور ہوا۔۔۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

یہ ہے جو وحی بھیجی تم تک، تمہارے پروردگار نے، حکمت کی باتیں۔ اور نہ گڑھو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود،

اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

کہ ڈال دیے جاؤ جہنم میں ملامت کیا ہوا، راندۂ درگاہ●

(یہ) اس چیز میں سے (ہے، جو وحی بھیجی تم تک تمہارے پروردگار نے حکمت کی باتیں) جو فی نفسہٖ حق ہیں اور جن کا جاننا عمل کرنے کے واسطے بہتر ہے۔ (اور نہ گڑھو اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرا معبود)۔ معبودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو اس کے سوا کسی کو بھی اپنا معبود نہ قرار دو۔

اِس حکم کو مکرّر بیان فرمانا اِس بات پر آگاہ کرنے کے واسطے ہے، کہ توحید سب احکام کی اصل ہے، اسی واسطے اِن احکام کی ابتداء میں پہلے شرک سے منع فرمایا اور آخر میں بھی شرک کرنے کی ممانعت کی۔ پہلے تو شرک کا وہ برا نتیجہ بیان فرمایا جو دنیا میں ہوتا ہے، اور اب یہاں آخر میں اس عذاب کا ذکر فرمایا جو شرک کے سبب مشرکوں پر عقبیٰ میں ہوگا۔

۔۔الغرض۔۔شرک نہ کرو، (کہ) اس کی وجہ سے (ڈال دیے جاؤ جہنم میں ملامت کیا ہوا)۔ آدمی اور ملائکہ جس کی ملامت کرتے ہوں گے اور (راندۂ درگاہ) ہو کر، یعنی رحمتِ الٰہی سے دور کیا ہوا۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ

تو کیا چن دیا تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیٹے، اور اپنے لیے بنائیں فرشتوں سے بیٹیاں۔

اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

بے شک تم لوگ بڑا بول بولتے ہو●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا فطرتِ صحیحہ اور عقلِ سلیمہ کے خلاف ہے، جو دنیا میں مذمت اور ناکامی اور آخرت میں ملامت اور دخولِ نار کا موجب ہے۔ اور اِس اگلی آیت میں اُس کی دوسری نظیر کی طرف متنبہ کیا ہے، کہ جو لوگ اللہ کے لیے اولاد کا قول کرتے ہیں، وہ اِس سے بھی زیادہ جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں، کیونکہ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ اولاد کی دو قسمیں ہیں اور جو قسم 'اعلیٰ اور اشرف' ہے، وہ 'مذکر' اور 'بیٹا' ہے اور جو قسم 'ادنیٰ اور ارذل' ہے، وہ 'مونث' اور 'بیٹی' ہے۔ پھر ان ظالموں نے تو اپنے لیے بیٹے مانے، حالانکہ یہ علم اور قدرت کے لحاظ سے انتہائی عاجز اور ناقص ہیں، بلکہ ان کے

پاس جو بھی علم وقدرت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے اور اس میں وہ اُسی کے محتاج ہیں۔ اور اُن جہلاء نے اللہ کے لیے بیٹیاں مانیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی بے حدو حساب ہے اور اُس کی قدرت بھی بے پایاں اور بے انتہا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کا انتہائی جہل اور ظلم ہے۔ انہیں ظالموں کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اَے ظالمو! اور جاہلو!۔۔۔

(تو کیا چن دیا تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیٹے اور اپنے لیے بنائیں فرشتوں سے بیٹیاں)۔ یہ بات تو اِس کے خلاف ہے جو تمہاری عادت ہے، کہ بیٹیوں سے شرم رکھتے ہو اور بیٹوں پر ناز کرتے ہو۔ **(بے شک تم لوگ بڑا بول بولتے ہو)** کہ بیٹوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو، اور اپنی ذات کو اُس پر فضیلت دیتے ہو کہ بیٹے جو تمہیں مرغوب ہیں، انہیں اپنے واسطے اور بیٹیاں جو تمہارے نزدیک مکروہ اور معیوب ہیں، انہیں خدا کی طرف منسوب کرتے ہو۔۔ المختصر۔۔ غور کرو کہ اپنی ذات کو خدا کی ذات پر ترجیح دینا اور اپنے کو اُس سے افضل قرار دینا اور اِس طرح کے بول بولنا، کتنی بڑی جسارت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

ایسے بول کی قباحت و شناعت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اِن جاہلوں اور ظالموں کو سمجھانے کے لیے قرآنِ کریم میں ہر ضروری مثال بیان فرمادی گئی ہے، تاکہ وہ غور وفکر کرکے اُس پر ایمان لے آئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا، کہ وہ قرآنِ عظیم کے دلائل اور مثالوں میں غور وفکر کرنے کی بجائے، اِس سے دوری اور اِس سے نفرت اختیار کریں گے۔ سو ایسا ہی ہوا۔۔ چنانچہ۔۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤١﴾

اور بے شک ہم نے کئی طرح سے بیان فرمایا اِس قرآن میں، تاکہ وہ سمجھ سے کام لیں، اور نہیں بڑھتی اُن میں مگر نفرت●

ارشادِ ربانی (اور) فرمانِ خداوندی ہے، کہ **(بے شک ہم نے کئی طرح سے بیان فرمایا اِس قرآن میں)** کہ ہم اولاد سے پاک ومنزہ ہیں۔ یہ مضمون قرآنِ کریم میں جابجا موجود ہے۔ اس عنوان کو طرح طرح سے مختلف لب ولہجے میں بیان کرنے میں حکمت یہی تھی **(تاکہ وہ سمجھ سے کام لیں)**۔ لیکن اِس بار بار کے بیان سے وہ اور خباثت پر اتر آتے ہیں (اور) بار بار کی اِس صاف بیانی سے **(نہیں بڑھتی اُن میں مگر نفرت)** اور حق سے دوری۔ یہ ان کی حق سے دوری ہی تو ہے، جو خدائے وحدہٗ لاشریک کا شریک قرار دیتے ہیں۔ تو اَے محبوب! ان عقل کے اندھوں اور نادانوں سے۔۔۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

کہہ دو، کہ اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور کئی معبود، جس طرح کہ وہ بکتے ہیں، جب تو پھر ڈھونڈ نکالتے

اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾

عرش والے کی طرف کوئی راہ●

(کہہ دو، کہ اگر ہوتے اس کے ساتھ اور کئی معبود، جس طرح کہ وہ بکتے ہیں) اور بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں، (جب تو پھر ڈھونڈ نکالتے عرش والے کی طرف کوئی راہ)، اور اس کو دفع کرنے میں مشغول ہوجاتے، جس طرح اور بادشاہ کرتے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ اور خداؤں کے عیب اور مذمت میں آیتیں نازل فرماتا ہے، تو اگر اور خدا ہوتے، تو چاہیے تھا کہ خدائے برحق سے جھگڑا کرتے اور اپنی ذاتوں سے عجز اور عیب کی نفی کرتے، اور چونکہ اب تک ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی ہو سکے گا، اس لیے ظاہر ہوگیا، کہ 'خدائے وحدہٗ لاشریک' ایک ہی ہے۔۔۔

سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾

پاکی ہے اُس کی، اور وہ بلند و بالا ہے اِس سے جو بکتے ہیں، کہیں بڑھا چڑھا●

(پاکی ہے اُس کی' اور وہ بلند و بالا ہے اِس سے جو) کفار (بکتے ہیں کہیں بڑھا چڑھا) یعنی بڑی ہی برتری والا ہے۔ ہر عیب اور ہر نقص سے اُس کے پاک و منزہ ہونے کی شان یہ ہے، کہ۔۔۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ

اس کی پاکی کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین، اور جو اُن میں ہیں۔ اور کوئی موجود نہیں،

اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ

مگر تسبیح کرتی ہے اُس کی حمد کے ساتھ، لیکن تم لوگ نہیں سمجھتے اُن کی تسبیح کو۔

اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

بے شک وہ بُردبار مغفرت فرمانے والا ہے●

(اُس کی پاکی) بیان (کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں) سے (ہیں) ملائکہ، جن، انسان۔ (اور کوئی) دیگر مخلوقات میں (موجود نہیں مگر تسبیح کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ)، یعنی ہر

چیز نقصان کی باتوں سے خدا کی پاکی بیان کرتی ہے اور کمال کی صفتوں کے ساتھ خدا کی تعریف کرتی ہے، (لیکن تم لوگ نہیں سمجھتے اُن کی تسبیح کو)۔

۔۔الحاصل۔۔کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی۔ زبانِ حال سے اُن کی تسبیح یہ ہے کہ، اپنے ممکن اور حادث ہونے کے سبب سے صانع واجب قدیم پر دلالت کرتی ہیں اور 'لوازم اِمکان' اور 'توابع حدوث' سے یہ خدا کی تنزیہہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مشرکین جن کی نظر صحیح اور عقل صاف نہیں ہے، اُن کی تسبیح سمجھنے سے قاصر ہیں۔اب رہ گئی زبانِ قال سے ان کی حقیقی تسبیح وتحمید ربانی، تو ہم اس حمد وتسبیح کو عادتاً نہیں سمجھتے، انبیاء علیہم السلام اپنے معجزے سے اُس تسبیح کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور صحابۂ کرام اور اولیاءِ عظام اپنی کرامت سے اس تسبیح کو سنتے اور سمجھتے ہیں۔

(بے شک وہ) ربِّ کریم (بردبار) ہے، کہ کسی کی غفلت کی جزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، اور (مغفرت فرمانے والا ہے) اُس کی جو خدا کے کلام پر ایمان لائے۔

تو جب خدائے علیم وخبیر نے فرمادیا ہے کہ ہر چیز خدا کی پاکی بیان کرتی ہے، تو اُس پر بے چون وچرا ایمان لانا چاہیے۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ زبانِ حال کی تسبیح کو عموم حاصل ہے، اور اس کے لیے کوئی خاص وقت مخصوص نہیں۔۔لیکن۔۔ زبانِ قال والی تسبیح کا ظہور، بعض حالات وکوائف کے ساتھ وابستہ وہم رشتہ ہے۔

یہ ظاہر کردینے کے بعد، کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ ذکرِ الٰہی اور حمدِ خداوندی میں لگا ہوا ہے، حق تعالیٰ رسولِ کریم کی تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی پر کفار کے ردِ عمل کا تذکرہ فرمارہا ہے، اور رسولِ کریم کی حفاظت کے لیے تدبیرِ خداوندی کا ذکر فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جب تم نے قرآن پڑھا، کردیا ہم نے تمہارے اور اُن کے درمیان، جو نہیں مانتے

بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

آخرت کو، پوشیدہ پردہ ●

(اور) اَے محبوب! (جب تم نے قرآن پڑھا) تو (کردیا ہم نے تمہارے اور ان کے درمیان جو نہیں مانتے آخرت کو)۔کیا کردیا؟ (پوشیدہ پردہ)۔تاکہ اَے محبوب! وہ تمہیں نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی

تکلیف پہنچا سکیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ابولہب کی بیوی ام جمیل کو جب معلوم ہوا، کہ اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں قرآنِ مجید کی آیتیں نازل ہوئی ہیں، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی، اُس وقت آپ حرمِ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ام جمیل کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا، جب وہ آپ کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے سے اُس کی بصارت کو سلب کر لیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، تو وہ کہنے لگی اے ابوبکر! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں۔ قسم اللہ کی: اگر وہ مجھے مل جائیں، تو میں پتھر اُن کے منہ پر ماروں گی۔ پھر وہ واپس چلی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ کیا آپ نے اُسے دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اُس کی بصارت کو سلب کر لیا تھا۔

ایک قول کے مطابق یہ آیت اُن کافروں کے بارے میں نازل ہوئی، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اُس وقت ایذا پہنچاتے تھے، جب آپ قرآنِ کریم پڑھتے تھے اور وہ ابو سفیان، نضر بن حارث، ابوجہل اور ابولہب کی بیوی ام جمیل وغیرہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے سے اُن کی بصارت کو اُس وقت سلب کر لیا، جب آپ قرآن پڑھتے تھے۔ وہ آپ کے پاس آتے، آپ کے پاس سے گزرتے، اور آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور چونکہ ان کافروں نے اپنے بغض وعناد سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں۔۔یا۔۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اتنی گستاخی کی، جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت سے محروم کر دیا۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

اور ڈال دیا اُن کے دلوں پر غلاف، کہ سمجھ سکیں۔ اور اُن کے کانوں میں بہرا پن۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝۴۶

اور جب ذکر کیا تم نے اپنے اکیلے پروردگار کا قرآن میں، پلٹ پڑے پیٹھ پھیرے، نفرت کرتے●

(اور ڈال دیا اُن کے دلوں پر غلاف، کہ سمجھ سکیں)، یعنی ان کے دلوں اور سمجھ سکنے کے بیچ

میں حجاب ڈال دیا، تاکہ یہ پردہ اُن کے دل اور قرآن سمجھنے میں حائل ہوجائے اور وہ قرآن نہ سمجھ سکیں، (اور) رکھ دیا (ان کے کانوں میں بہرا پن) تاکہ قرآن نہ سن سکیں۔ اور چونکہ قرآنِ کریم لفظ و معنیٰ دونوں حیثیت سے معجزہ ہے، تو اس کے منکروں کے واسطے حق تعالیٰ نے اُس چیز کا اثبات فرمایا جو لفظ کے ادراک اور معنی کے فہم سے ان کو مانع ہے۔۔ المختصر۔۔ دِل کا پردہ انہیں قرآنی معانی کو سمجھنے نہیں دیتا اور کان کا بہرا پن انہیں قرآنی کلمات کو سننے نہیں دیتا۔

(اور) ان کا حال یہ ہے، کہ (جب ذکر کیا تم نے اپنے اکیلے پروردگار کا قرآن میں)۔۔ الغرض۔۔ ربِّ یکتا کا ذکر کیا، تو (پلٹ پڑے) کافر (پیٹھ پھیرے، نفرت کرتے) بھاگتے ہوئے، توحید سننے سے، اِس واسطے کہ ان کا یہ داعیہ ہے کہ اپنے خدائے برحق کے ساتھ اَے محبوب! ان کے باطل خداؤں کو بھی تم یاد کرو۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى

ہم خوب جانتے ہیں جس کے لیے وہ سنتے ہیں، جب وہ تمہاری طرف کان کرتے ہیں، اور جب وہ خفیہ مشورہ کرتے ہیں،

اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

جب کہ یہ ظالم بکا کرتے ہیں، کہ تم نہیں پیروی کرتے، مگر ایک جادو مارے شخص کی●

اَے محبوب! (ہم خوب جانتے ہیں جس کے لیے وہ سنتے ہیں جب وہ تمہاری طرف کان کرتے ہیں) یعنی جس واسطے یہ کافر قرآن سنتے ہیں۔ وہ ایسا صرف مسخرا پن اور بے ہودگی کے لیے کرتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ قرآن کو کافر اس واسطے سنتے ہیں، کہ اس میں طعن اور مسخرا پن کریں۔ (اور) اس سے بھی ہم باخبر ہیں (جب وہ) آپس میں (خفیہ مشورہ کرتے ہیں)۔ کوئی اِس کلام کو شعر کہتا ہے، تو کوئی سحر کہتا ہے، اور کوئی اپنا دوسرا خیال ظاہر کرتا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ نضر بن حارث نے کہا، کہ میں نہیں جانتا، کہ محمد ﷺ کیا کہتے ہیں، ابوسفیان بولا، میں ان کی بعض باتیں سچ جانتا ہوں، ابوجہل نے کہا، کہ وہ تو مجنون آدمی ہے، ابولہب کہنے لگا کاہن ہے، خویطب بولا کہ شاعر ہے، تو اس جماعتِ سراپا حماقت کے تعلق سے ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! یاد کرو اِن لمحات کو جب (جب کہ یہ ظالم بکا کرتے ہیں) اور تمہارے اصحاب

سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، (کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر ایک جادو مارے **شخص کی**) یعنی ایسے شخص کی جس پر لوگوں نے جادو کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو گئی ہے۔

اس طرح کی باتیں کفار و مشرکین اپنے گمان سے کہا کرتے تھے اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایسا جادو کیا ہی نہیں جا سکتا، جو آپ کی عقل کو زائل کر دے۔۔یا۔۔آپ کو ایسی تکلیف اور بیماری میں مبتلا کر دے جس سے لوگوں کو گھن آتی ہو، کہ لوگ ایسے مریض کے قریب ہونے سے خود کو بچاتے ہوں۔۔یا۔۔وہ مرض طعن و تشنیع کا سبب بنتا ہو۔۔الختصر۔۔ انبیاءِ کرام ایسی علت سے محفوظ کر دیے گئے ہیں، جو اُن کے فریضۂ دعوت و تبلیغ میں رکاوٹ ڈالے۔ اِسی لیے جب کفار نے مذکورہ بالا لایعنی باتیں کیں، تو ارشادِ ربانی ہوا، کہ۔۔۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

دیکھو تو، کیسی مثال بنائی تمہارے لیے، چنانچہ بھٹک گئے، کہ راہ نہیں پا سکتے●

اَے محبوب! (**دیکھو تو: کیسی مثال بنائی تمہارے لیے**) یہ کفار تمہاری دشمنی تو کرتے تھے ہی اور اب گستاخی پر اتر آئے ہیں۔ دشمنی کا تعلق مشن اور تحریک سے ہوتا ہے اور گستاخی کا تعلق ذات سے ہوتا ہے۔ دشمنوں کو تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، مگر نبی کے گستاخوں سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ (**چنانچہ**) یہ سارے گستاخ (**بھٹک گئے**) اور ایسا بھٹکے (**کہ**) ہدایت تک آنے کی (**راہ نہیں پا سکتے**)، کیونکہ اُن کی گستاخیوں کی سزا میں اُن سے توبہ کی توفیق چھین لی گئی ہے۔

قرآنِ کریم کے چند اہم موضوع ہیں:

﴿۱﴾۔۔اللہ تعالیٰ کی توحید: آیت ۴۱، ۴۴ میں جس کا بیان ہے۔۔چنانچہ۔۔فرمایا گیا ہے کہ آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے، جیسا کہ یہ کہتے ہیں، تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے۔

﴿۲﴾۔۔رسالت: آیت ۴۵، ۴۸ میں رسالت کا بیان ہے۔۔چنانچہ۔۔فرمایا گیا ہے کہ جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، تو ہم آپ کے اور اُن لوگوں کے درمیان پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔

﴿۳﴾۔۔قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنا: آیت ۴۹، ۵۲ میں اُس کا ذکر ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ کفار و مشرکین نے توحید و رسالت کے بارے میں جو بکواس کی، وہ تو کی ہی۔۔۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

اور سب یہ بھی بکے کہ "کیا جب ہو چکے ہڈیاں اور چوُرا، تو کیا ہم واقعی اٹھائے جائیں گے از سرِ نو پیدا کر کے؟"●

(اور) صرف اِسی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ بعث ونشر کا انکار کرتے ہوئے (سب یہ بھی بکے، کہ کیا جب ہو چکے ہڈیاں اور چورا) یعنی کیا جب ہم ہو جائیں گے مرنے کے بعد بہت دن اور زمانہ گزرنے پر ہڈیاں اور گل سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریزہ ریزہ، (تو کیا ہم واقعی اٹھائے جائیں گے از سرِ نو پیدا کر کے)۔ اَے محبوب! ان کو۔۔۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ

جواب دے دو، کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا● یا کوئی مخلوق، جو بڑی ہو تمہارے دلوں میں،

فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ

تو وہ جلدی سے پوچھیں گے، کہ کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ جواب دو، کہ جس نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی مرتبہ۔ تو جلدی سے

اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

وہ اپنی اپنی کھوپڑی ہلا ہلا کر رہیں گے اور کہیں گے، کہ یہ کب؟ بتاؤ، کہ کیا بعید ہے کہ وہ قریب ہی ہو●

(جواب دے دو، کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا، یا کوئی مخلوق جو بڑی ہو تمہارے دلوں میں) جیسے آسمان اور پہاڑ اور جو چیز زندہ ہونے سے بظاہر بہت دور لگے، تو بھی بے شک تم کو مار ڈالے گا اور زندہ کر دے گا۔۔ الحاصل۔۔ تم تو مٹی کے اجسام ہو۔۔ بالفرض۔۔ اگر تم پتھر یا لوہے یا کسی اور ایسے جسم سے بن جاؤ جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو، جس کا بظاہر حیات قبول کرنا بعید ہو، تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی حیات پیدا فرمادے گا۔ (تو وہ جلدی سے پوچھیں گے، کہ کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ جواب دو، کہ جس نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی مرتبہ) جب کہ تم خاک میں تھے۔ تو جو کوئی پہلے خاک والے کو جان دے سکتا ہے، آخر میں بھی زندہ کر سکتا ہے۔

(تو جلدی سے وہ اپنی اپنی کھوپڑی ہلا ہلا کر رہیں گے)، یعنی جیسے کوئی شخص تعجب سے اپنا سر ہلاتا ہے، اِسی طرح یہ کافر انکار کی نیت سے اپنے سر ہلائیں گے (اور کہیں گے کہ یہ کب؟) یعنی یہ بعث وحشر کب ہو گا۔ اَے محبوب! انہیں (بتاؤ کہ کیا بعید ہے کہ وہ قریب ہی ہو)، اس واسطے کہ جو کچھ یقینی طور پر آنے والا ہے اُسے قریب کہہ سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے اور قرآنِ مجید کی صداقت پر دلیل ہے، کیونکہ جن باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین یہ کہیں گے اور آپ اُس کا یہ جواب دیں، پھر وہ یہ کہیں گے اور آپ اُس کا یہ جواب دیں۔ تو چاہیے تھا کہ مشرکین وہ باتیں نہ کہتے، اور پھر کہتے کہ قرآن جھوٹا ہوگیا، اس لیے کہ قرآن نے پیش گوئی کی تھی، کہ ہم یہ کہیں گے اور ہم نے نہیں کہا۔ لیکن وہی ہوا جو قرآنِ مجید نے کہا تھا اور قرآن مجید کی پیش گوئی سچی ہوگئی۔

یہ سچے نبی کی شان ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی اور مخالفین نے آپ کی پیش گوئی کے مطابق باتیں کر کے آپ ﷺ کو سچا ثابت کر دیا

۔۔الحقصر۔۔لوگو! تم یہ جاننا چاہتے ہو، کہ یہ بعث وحشر کس دن ہوگا؟ تو سنو!۔۔۔

ع ۵ ۱۴ ۵ یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۵۲﴾

جس دن پکارے گا تمہیں، تو تعمیل کرو گے اُس کی حمد کرتے ہوئے، اور قرار دو گے کہ تم نہیں ٹھہرے کہیں، مگر کم ●

(**جس دن پکارے گا تمہیں**) خدا محاسبہ کے واسطے۔۔یا۔۔اسرافیل پکارے گا نفخۂ اخیرہ میں جو قبروں سے اٹھ کھڑے ہونے کے واسطے ہوگا، (**تو تعمیل کرو گے**) فرمانِ خداوندی۔۔یا۔۔حکمِ اسرافیل کی، (**اُس کی**) یعنی حق تعالیٰ کی (**حمد کرتے ہوئے**)۔

حدیث میں ہے، کہ مخلوقات قبروں سے نکل کر خاک اپنے سروں سے جھاڑتی ہوگی اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ کہتی ہوگی۔ اب اگر 'حمد' کو 'امر' کے معنی میں لے لیا جائے، جیسے کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ۔۔یعنی۔۔"نماز پڑھ اپنے رب کے حکم سے" میں ہے، تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ خدا تم کو پکارے گا اور اس کے حکم سے اس کو جواب دو گے۔

(**اور قرار دو گے، کہ تم نہیں ٹھہرے کہیں مگر کم**)، یعنی ہولِ قیامت کی وجہ سے تم گمان کرو گے کہ اپنی قبروں میں زیادہ مدت تک نہیں ٹھہرے۔۔یا یہ کہ۔۔جب آخرت کو دیکھ لوگے تو اُس کی بہ نسبت دنیا کی زندگی کو بہت تھوڑا جانو گے۔ تو عقلمند کو چاہیے کہ آج دنیا کی زندگی کو عقبیٰ کی زندگی کے مقابلے میں بہت تھوڑا جانے اور اِس تھوڑی سی فنا ہو جانے والی کو اُس بہت اور باقی رہنے والی کے کام میں صرف کرے، تاکہ اُس دن حسرت اور ندامت کے عذاب میں نہ رہے۔

آیتِ مذکورہ بالا کے تعلق سے بعض مفسرین نے کہا ہے، کہ اِس آیت میں مومنین سے

خطاب ہے، کیونکہ جب اُن کو منادی بُلائے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اُس کی حمد کرتے ہوئے چلے آئیں گے اور قبر میں گزارے ہوئے زمانے کو کم کہیں گے، کیونکہ وہ قبر میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں میں رہے، اور نعمت کے ایام کم معلوم ہوتے ہیں۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور آپ کی نبوت کو ثابت کیا تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر مشرکین کے شبہات کو زائل فرمایا تھا، اب اس اگلی آیت میں بتایا، کہ اَے محبوب! تبلیغ کرنے۔۔۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ

اور میرے سچے بندوں سے کہہ دو، کہ بولا کریں جو سب سے زیادہ خوشگوار بولی ہو۔ بے شک شیطان کونچے دیتا ہے اُن میں۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾

بے شک شیطان جنم سے انسان کا کھلا دشمن رہا●

(اور) اصلاح کا جذبہ رکھنے والے (میرے سچے بندوں سے کہہ دو، کہ) جب وہ مخالفین کو تبلیغ کریں، تو اُن سے (بولا کریں جو سب سے زیادہ خوشگوار بولی ہو)، یعنی ان کے سامنے نرمی، حسن اخلاق اور احسن طریقہ سے دلائل پیش کریں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تمہارے دلائل 'سب وشتم' پر مشتمل نہ ہوں ۔۔الغرض۔۔ان کے ظلم کے مقابلہ میں سختی نہ کریں، بلکہ دُعا کریں کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے"۔

۔۔المختصر۔۔کلمہ ٔ احسن یہی ہے کہ مسلمان جس کسی کو یاد کریں نیکی ہی کے ساتھ یاد کریں، اور اگر کوئی سختی کرے اس کے مقابلے میں اس سے نرمی کے ساتھ بات کریں، کیونکہ (بے شک شیطان کونچے دیتا ہے ان میں) اور آدمیوں میں دشمنی ڈالتا ہے، تو ممکن ہے کہ سختی کے مقابلے میں سخت جھگڑے اور عداوت کا سبب ہو جائے اور وہ صورت بڑھ کر نوبت بہ فساد پہنچائے اور شیطان کو بھی اپنی شیطنت دکھانے کا موقع مل جائے۔ وہ تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انسانوں کے درمیان امن وامان رہنے نہ پائے، اس لیے کہ (بے شک شیطان جنم سے انسان کا کھلا دشمن رہا) جو ہرگز انسان کی بھلائی نہیں ڈھونڈھتا، اور اس کی خرابی ہی کی کوشش کرتا ہے۔ تو اَے شیطانی شکنجے میں پھنسے ہوئے کافرو!۔۔۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ

تم لوگوں کا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تم لوگوں کو بخش دے، یا اگر چاہے تو عذاب فرمائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۵۴﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے تم کواُن کا ذمہ دار جواب دہ●

(تم لوگوں کا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے)، تو وہ (اگر چاہے)، تو (تم لوگوں کو بخش دے) یعنی ایمان، ہدایت اور معرفت کی توفیق عطا فرمائے اور اِس طرح تمہیں اپنی مغفرت کا مستحق بنادے، (یا اگر چاہے تو عذاب فرمائے) اور حالتِ کفر ہی میں تمہاری روح نکال لے اور پھر تم کو عذاب دے۔ مگر اُس کی مشیت تم کو معلوم نہیں، اس لیے تم دینِ حق کی طلب میں پوری کوشش کرو اور جہل اور باطل پر اصرار نہ کرو، تا کہ تم اَبدی سعادت سے محروم نہ ہو۔

ذہن نشین رہے، کہ مذکورہ آیت میں مشیت کا تعلق عذابِ دنیا سے ہے اور عذاب اُخروی کے باب میں حکم مطلق ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

(اور) واضح فرمادیا، کہ (نہیں بھیجا ہم نے تم کو ان کا ذمہ دار جواب دہ) بنا کر۔ یعنی آپ ان پر شدت نہ کریں اور سختی کے ساتھ اُن کو دینِ حق کی طرف نہ بُلائیں۔ اَے محبوب! یہ بھی واضح فرمادو، کہ ہمارا علم صرف تم میں اور تمہارے احوال میں منحصر نہیں، بلکہ ہمارا علم تمام موجودات اور معدومات اور زمینوں اور آسمانوں کو محیط ہے۔۔ لہٰذا۔۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ

اور تمہارا پروردگار خوب جانے، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور بے شک فضیلت دی ہم نے بعض

النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

نبیوں کو بعض پر۔ اور دیا ہم نے داوٗد کو زبور●

بیان کردو (اور) واضح کردو، کہ (تمہارا پروردگار خوب جانے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں) وہ ہر ہر شخص کو تفصیلاً جانتا ہے اور اچھائیوں اور برائیوں سے کیا چیز اُس کے لائق ہے کیا نہیں؟

اِسی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی، حضرت داوٗد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عنایت کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا فرمایا، اور اس میں کوئی شک نہیں، کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔ آپ کی افضیلت کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۲۵۳ میں کیا جاچکا ہے۔۔ الختصر۔۔ حق تعالیٰ کو خوب معلوم

ہے، کہ اس کی بنائی ہوئی کائنات میں کون کس فضیلت اور کس شرف کے لائق ہے، اور ان میں وہ کون ہے جسے نبوت و رسالت کے شرف سے مشرف کیا جائے۔۔لہٰذا۔۔مشرکین کی یہ خام خیالی ہے، کہ وہ سوچتے ہیں کہ عبداللہ کا یتیم اور ابوطالب کا بھتیجا پیغمبر کیسے ہوگیا؟

سنو (اور) یادرکھو! ارشادِ خداوندی ہے، کہ (**بے شک فضیلت دی ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر**)، وہ بھی مال اور اتباع کرنے والوں کی کثرت کی بنیاد پر نہیں۔۔بلکہ۔۔نفسانی فضائل کی رو سے اور جسمانی رذائل سے پرہیز کرنے کے لحاظ سے۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خُلّت، اور موسیٰ علیہ السلام کو مکالمت اور حضرت سلطان الانبیاء کو معراج اور رویت اور شفاعت کے ساتھ فضیلت دی۔

(اور دیا ہم نے داؤد کو زبور)۔

تو حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور کے سبب سے شرف ہے، بادشاہی کے سبب سے نہیں۔اور زبور ڈیڑھ ۱۵۰ سو سورتیں ہیں، کہ ان میں حلال و حرام اور حدود و فرائض کے احکام نہیں ہیں، بلکہ سب خدا کی ثنا اور نصیحت اور حضرت سلطان الانبیاء ﷺ کی صفت اور امتِ محمدی کی فضیلت تھی۔

اور زبور کا ذکر کرنا رسولِ مقبول کی فضیلت پر آگاہ کرنا ہے، اس واسطے کہ ان میں لکھا تھا کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں اور اُن کی امت 'خیر الامم' ہے۔۔چنانچہ۔۔قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے کہ "ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے"۔ نیک بندوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت ہے۔

اِس مقام پر خاص کر کے حضرت داؤد اور زبور کے ذکر کرنے میں یہ حکمت بھی ہے، تاکہ بعض یہودیوں کی پیغمبرِ اسلام اور قرآنِ کریم پر ایمان نہ لانے کے تعلق سے کٹ حجتی ظاہر ہوجائے۔بعض یہودیوں کا کہنا تھا، کہ حضرت موسیٰ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور یوں ہی توریت کے بعد کوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں آئے گی، اِسی لیے ہم حضرت موسیٰ کے بعد کسی نبی اور توریت کے بعد کسی کتاب پر ایمان لانے والے نہیں، تو اب ان سے سوال کیا جاسکتا ہے، کہ حضرت داؤد بھی تو نبی ہیں جو حضرت موسیٰ کے بعد آئے، ایسے ہی زبور بھی کتابِ الٰہی ہے جو توریت کے بعد نازل فرمائی گئی، تو پھر تم اُن پر کیوں ایمان لائے؟ اور حضرت داؤد کو اللہ کا نبی اور زبور کو اللہ کی کتاب کیوں تسلیم کیا؟

یہ مشرکین اور بت پرست اچھی طرح سے جانتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کا خالق ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، تو ان کے لیے لازم تھا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے اور مخلوق کی عبادت کو ناجائز سمجھتے، اور جب ان کو کوئی ضرورت پیش آتی اس کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے اُسے پکارتے۔۔یوں ہی۔۔ان پر اگر کوئی مصیبت آجاتی، تو اس کا حقیقی دفع کرنے والا حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہوئے اُس سے فریاد کرتے۔۔چنانچہ۔۔جب قریش قحط اور گرانی میں مبتلا ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں الزام دینے کو یہ آیت بھیجی، کہ اَے محبوب اُن سے۔۔۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ

کہہ دو، کہ پکار دیکھو انہیں جو اللہ کے مقابل ہیں تمہارے نزدیک، تو نہ اختیار رکھتے ہیں نقصان دور کرنے کا

عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ﴿۵۶﴾

تم سے، اور نہ لوٹا دینے کا●

(کہہ دو، کہ پکار دیکھو انہیں جو اللہ) تعالیٰ (کے مقابل ہیں تمہارے نزدیک)، یعنی تم جنہیں قابلِ عبادت سمجھتے ہو اور جن کے تعلق سے تمہارا خیال ہے کہ یہی مقربین خدا کی عبادت کرنے کے لیے لائق ہیں۔رہ گئے تم، تو تم نے ان مقربین کے فرضی مجسمے اور بت بنا کر ان بتوں کی پرستش میں خود کو لگا لیا۔۔الغرض۔۔تم نے ان بے جان بتوں کو اپنا معبود بنا لیا اور اُن سے فریاد کرنے لگے، اور اِن کا حال (تو) یہ ہے، کہ یہ (نہ) تو (اختیار رکھتے ہیں) بذاتِ خود تمہارا (نقصان دور کرنے کا تم سے اور نہ) ہی انہیں ذاتی اختیار ہے (لوٹا دینے کا) یعنی مصیبت کو پلٹا دینے کا اور اس کو بدل دینے کا۔۔یا یہ کہ۔۔ایک قبیلہ کی مصیبت کو دوسرے قبیلے کی طرف بھیج دینے کا۔۔الحاصل۔۔کسی مخلوق کو معبود بنانا کسی بھی درجے میں معقول نہیں۔اس مقام پر یہ غور سے سن لو! کہ۔۔۔

اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ

وہ مقبول لوگ جنہیں کفار معبود پکارتے ہیں، وہ خود چاہتے ہیں اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ، کہ اُن کا کون سب سے زیادہ نزدیکی ہے،

وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

اور امیدوار ہیں اُس کی رحمت کے، اور ڈریں اُس کے عذاب کو۔بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب جہنم سے بچنے کی چیز رہی●

(وہ مقبول لوگ جنہیں کفار معبود پکارتے ہیں) اور انہیں معبود سمجھ کر اُن سے فریاد کرتے ہیں ۔۔مثلاً: فرشتے، مسلمان جن اور حضرت عزیر و حضرت مسیح علیہم السلام ، یہ تو (وہ) ہیں جو (خود چاہتے ہیں اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ)، یعنی اس کی درگاہ میں تقرب کرتے ہیں طاعت اور عبادت کرکے۔۔ نیز۔۔وہ ڈھونڈھتے ہیں (کہ ان کا کون سب سے زیادہ نزدیکی ہے)، یعنی جو کوئی ان میں سے بہت قریب ہیں منزلت میں، یعنی انبیاء، مسلمان جن اور ملائکہ جو مقربِ درگاہِ الٰہی ہیں، وہ وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں حق تعالیٰ کی طرف، تو غیر مقرب بدرجہ اولیٰ اُس درگاہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ تمہارے معبودانِ باطل، معبودِ برحق جَلَّ جَلَالُہٗ کے محتاج ہیں (اور امیدوار ہیں اس کی رحمت کے اور) ان کی شان یہ ہے کہ (ڈریں اس کے عذاب کو۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب جنم سے بچنے کی چیز رہی) یعنی خدا کے عذاب سے خوف ہی کرنا چاہیے۔اور جب یہ بات معلوم ہوئی، کہ اُن کے معبود بھی اور بندوں کی طرح امید اور خوف میں ہیں، تو ان کی پرستش کیونکر کی جاسکتی ہے؟

اب آگے اللہ تعالیٰ اپنی قضا اور تقدیر کا ذکر فرما رہا ہے جس سے فرار کا کوئی ذریعہ نہیں۔اس بیان سے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود ہے، اور یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ حق تعالیٰ ہی ہے، جو ایسی قدرت والا ہے، عبادت و پرستش کا مستحق ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا

اور کوئی آبادی نہیں، مگر ہم ہیں اُس کو تباہ کرنے والے روزِ قیامت سے پہلے، یا اس میں عذاب بھیجنے والے،

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۵۸

سخت عذاب۔اور یہ کتاب میں برابر لکھا رہا●

(اور کوئی آبادی نہیں) ہے (مگر ہم ہیں اس کو تباہ کرنے والے روزِ قیامت سے پہلے) لوگوں کو موت اور فنا کے سبب سے۔(یا اُس میں عذاب بھیجنے والے) ہیں قحط اور قتل وغیرہ کے سبب سے، (سخت عذاب۔اور یہ) حکم (کتاب) یعنی لوحِ محفوظ (میں برابر لکھا رہا)۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا اور جو ظلم کرتے تھے اور کفر و شرک پر اصرار کرتے تھے ان کو عذاب کی وعید سنائی، اور اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے

نبوت کا ذکر شروع فرمایا اور مشرکین مکہ کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر جو شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا۔ مشرکین نے آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے انبیاء تھے، ان میں سے بعض کے لیے ہوا مسخر کردی گئی، اور ان میں سے بعض مرُدوں کو زندہ کرتے تھے۔ اگر آپ اس بات سے خوش ہوں، کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی تصدیق کریں، تو آپ اپنے رب سے دُعا کیجیے کہ 'صفا' پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنادے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی، کی کہ میں نے ان کا مطالبہ سن لیا ہے، اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کردیں، لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے، تو پھر ان پر عذاب نازل کیا جائے گا۔ اور اگر آپ اپنی قوم کو مہلت دینا چاہتے ہیں، تو میں ان کو مہلت دے دوں۔ آپ نے عرض کیا، اَے میرے رب اُن کو مہلت دے دے۔۔ الحاصل۔۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے بڑے بڑے فرمائشی معجزات نازل فرمادیتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے بلکہ اپنے کفر پر ڈٹے رہتے، تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ آسمانی عذاب سے نیست و نابود کردیے جاتے، لیکن اِس طرح جڑ سے اکھاڑ دینے والا عذاب اِس امت پر منظور نہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے۔۔ یا۔۔ ان کی اولاد ایمان لے آئے گی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔۔۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ‌ؕ وَاٰتَيۡنَا

اور نہیں روکا ہمیں اُس سے کہ بھیج دیں ہم آخری نشانیاں، مگر اس بات نے کہ جھٹلا چکے ہیں اُس کو اگلے لوگ۔ اور دے دیا تھا ہم نے

ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ﴿۵۹﴾

ثمود کو اونٹنی، کہ آنکھ کھول دے۔ تو انہوں نے اندھیر مچایا اُس کے ساتھ۔ اور ہم نہیں بھیجا کرتے نشانیوں کو، مگر ڈرانے کے لیے ●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (نہیں روکا ہمیں اس سے کہ بھیج دیں ہم آخری نشانیاں) یعنی قریش کے مطلوبہ معجزات (مگر اس بات نے، کہ جھٹلا چکے ہیں اس کو اگلے لوگ)، تو یہ بھی اپنے اگلوں کی اتباع میں جھٹلا دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے، اور ایسوں کو معجزہ دکھانا عبث ہے۔ ان سے پہلے بھی ہم نے قوم کے مطالبے پر معجزہ نازل فرمایا تھا (اور دے دیا تھا ہم نے ثمود کو اونٹنی، کہ آنکھ کھول دے) یعنی وہ بصیرت افروز نشانی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ جو شخص پتھر سے اونٹنی نکلنے اور اس کی دیگر نشانیوں پر غور و فکر کرے

گا، وہ حضرت صالح علیہ السلام کے دعویٔ نبوت کے صدق کو تسلیم کرلے گا۔

(تو انہوں نے اندھیر مچایا اُس کے ساتھ)، یعنی اس پر ظلم کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔۔ چنانچہ۔۔انہوں نے اُس کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور تمام قوم ہلاک ہوگئی۔سنو **(اور)** یاد رکھو! کہ **(ہم نہیں بھیجا کرتے نشانیوں کو مگر ڈرانے کے لیے)** ہرچند کہ معجزہ صرف نبی کے دعویٔ نبوت کے صدق کی دلیل ہوتا ہے، لیکن وہ اس حکم کو متضمن ہوتا ہے، کہ اگر اس فرمائشی معجزے کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے، تو پھر تم ہلاک اور ملیامیٹ کر دینے والے عذاب کے مستحق ہوگے۔

جب کفارِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑے بڑے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُس کا یہ جواب دیا، کہ معجزات کو ظاہر کرنے میں مصلحت نہیں ہے، تو اس سے کفار کو یہ جرأت ہوئی، کہ وہ آپ کی رسالت میں طعن کریں۔سو انہوں نے کہا، کہ اگر آپ اللہ کی طرف سے رسولِ برحق ہوتے، تو ضرور ہمارے فرمائشی معجزات کو لے آتے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاءِ کرام اپنے معجزات لاتے رہے ہیں۔تب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور نصرت کے لیے فرمایا، کہ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ

اور جب کہ کہا ہم نے تم کو، کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار چھا گیا ہے سب لوگوں پر، اور نہیں بنایا ہم نے تمہارے اِس خواب کو

اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ

جو تمہیں دکھایا، مگر لوگوں کی آزمائش، اور وہ درخت جس کو ملعون کہا گیا ہے قرآن میں۔

وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿٦٠﴾ ع

اور ہم تو انہیں ڈراتے ہیں۔نہیں بڑھتی اُن میں مگر بڑی سرکشی●

(اور) ذہن میں حاضر کرلو اُس وقت کو **(جب کہ کہا ہم نے تم کو کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار)** یعنی اس کا عذاب **(چھا گیا ہے سب لوگوں پر)**۔۔لہٰذا۔۔وہ لوگوں کو گھیر لے گا، یعنی قریش کو ہلاک کردے گا۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کا احاطہ فرمالیا ہے، تو مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کو مغلوب ومقہور کردے گا اور آپ کی حکومت اُن پر قائم کردے گا۔

آیت زیرِ تفسیر کے تعلق سے ایک قول یہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی قدرت تمام لوگوں کو محیط ہے اور سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔اور جب ایسا ہے، تو آپ کے

مخالفین کسی اقدام پر قادر نہ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کی قضا اور اس کی تقدیر کے خلاف ہو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ہم آپ کی نصرت کریں گے، اور آپ کو قوت دیں گے، حتیٰ کہ آپ ہمارے پیغام کی تبلیغ کریں اور ہمارے دین کو غلبہ حاصل ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔جب وہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے، تو ان کے ارادہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ حائل ہو جاتا۔ اسی واسطے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا"۔ آیتِ سابقہ میں کفار کے فرمائشی معجزات کو نہ بھیجنے کی حکمت مصلحت سے خالی نہیں، اس حقیقت کو مزید واضح فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

اَے محبوب! **(اور نہیں بنایا ہم نے تمہارے اُس خواب کو جو تمہیں)** مکہ معظّمہ میں **(دکھایا)** اور جس کو تم نے مدینہ منورہ میں بیان فرمایا کہ "میں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ پر سعی کر کے سر کے بال اتروائے"۔ اور اُس خواب کی تعبیر کب ہوگی اِس کو ظاہر نہیں فرمایا گیا۔۔الحتصر۔۔ یہ خواب دکھانا نہیں تھا **(مگر لوگوں کی آزمائش)** کے لیے۔

۔۔چنانچہ۔۔خواب سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کعبہ شریف کی طرف رخ کیا۔ اس سال عمرہ میسر نہ آیا اور منافقوں نے طعن شروع کی، کہ یہ خواب تو سچ نہ ہوا، حالانکہ حکمِ الٰہی یہ تھا کہ خواب کی تعبیر آئندہ سال ظاہر ہوگی۔۔الختصر۔۔ یہ خواب منافقین کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بن گیا، کہ وہ اپنا نفاق چھپا نہ سکے۔

بعض مفسرین 'رویا' کو رویت یعنی دیکھنے کے معنی میں لیتے ہیں۔ یعنی اَے محبوب! ہم نے شبِ معراج میں حالتِ بیداری میں جو کچھ تمہیں دکھایا اور تم نے دیکھا وہ لوگوں میں فتنہ پڑنے کا سبب ہوا، اس واسطے جب آپ نے معراج کی خبر لوگوں کو سنائی تو بعضے کچے مسلمان مُرتد ہو گئے۔ اور منافقوں نے طعن کرنا شروع کیا اور کفار کا انکار زیادہ ہوا، اور مومنوں نے تصدیق کی۔۔الختصر۔۔ مومنین کے ایمان، کافروں کے کفر اور منافقین کے نفاق، ہر ایک کی اپنے اپنے طور پر معراج ہوگئی۔

اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت سفرِ معراج ہی سے متعلق ہے، جس میں اس سفرِ مبارک کی غایت یہ بتائی گئی تھی، کہ ہم نے اپنے خاص بندے کو حالتِ بیداری میں تھوڑے سے وقت میں یہ سفر کرایا، تاکہ اُسے ہم اپنی آیات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرائیں، اور اب اِسی سفر کی یہ حکمت واضح کی جارہی ہے، تاکہ اِس سفر کے حالات سن کر مومنین اور منافقین ایک

دوسرے سے ممتاز نظر آنے لگیں۔۔۔

ایسے ہی نہیں بیان کیا (اور) نہ ہی ذکر کیا (وہ درخت جس کو ملعون کہا گیا ہے قرآن میں)، یعنی قرآنِ مجید میں اس درخت کا اس طرح کا ذکر ہے کہ یہ تمام اچھی صفات سے دور کیا ہوا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔ ملعون کا معنی مذمت کیا ہوا اور قرآنِ مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔۔یا یہ کہ۔۔اس درخت کو کھاتے ہوئے کفار اس پر لعنت کریں گے۔۔یا یہ کہ۔۔اس کا ذائقہ مکروہ اور نقصان دہ ہوگا، اس کو عرب ملعون کہتے ہیں۔۔یا یہ کہ۔۔اس کے کھانے والے کافر ہیں اور کافر ملعون ہیں۔۔المختصر۔۔یہ درخت بھی آزمائش ہے، اس لیے کہ جب مشرکین نے درخت 'زقوم' کا ذکر سنا کہ دوزخ میں اُگا ہے، تو تعجب میں پڑ گئے۔

یہاں تک کہ ابو جہل بول اٹھا کہ "محمد ﷺ' کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ پتھر جلا دیتی ہے اور پھر یہ کہتے ہیں کہ اس میں درخت اُگتا ہے، یہ بڑے تعجب کی بات ہے"۔۔۔ حالانکہ حیرت اس میں ہے کہ سبز درخت سے آگ لیتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔"اور کر دی تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ"۔ اور انہوں نے کچھ فکر نہ کی کہ جو کوئی درخت میں آگ ودیعت رکھ دے، اس سے کیا تعجب کہ آگ اُگائے۔۔یا۔۔جو قادرِ مطلق آگ میں سمندر نامی پرند کے بال و پر کو جلنے سے بچاتا ہے، اور شتر مرغ کے پوٹوں کو آگ کی چنگاریاں کھاتے وقت جلنے سے بچاتا ہے، وہ دوزخ میں درخت اُگانے پر بھی قادر ہے۔

۔۔المختصر۔۔سنو (اور) یاد رکھو! کہ (ہم تو انہیں ڈراتے ہیں) یعنی ہم کافروں کو انواع واقسام کی ڈراؤنی چیزوں سے، جیسے دوزخ کی آگ اور زقوم وغیرہ سے، تو (نہیں بڑھتی) ہے (ان میں مگر بڑی سرکشی) یعنی ان کا تکبر اور سرکشی حد سے زیادہ ہوگئی۔

اور چونکہ ان کا یہ تکبر ابلیس کے وسوسے کی جہت سے ہے، تو اِس آیت کے بعد ابلیس کے تکبر سے حق تعالیٰ نے خبر دی۔۔۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ

اور جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس۔ بولا کہ "کیا میں سجدہ کروں اُس کا،

لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾

جسے پیدا فرمایا تو نے خاک سے؟"●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! یاد کرو (جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا) تعظیم کی جہت سے، (تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس) جسے گروہِ ملائکہ میں رہنے کی اجازت تھی، اور اسی ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ بخوبی سمجھتا تھا کہ حکمِ سجدہ کے مامورین میں وہ بھی ہے۔

اسی لیے جب حق تعالیٰ نے پوچھا، تُو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے یہ نہیں کہا، کہ مجھے کب سجدہ کا حکم دیا ہے؟ یہ تو فرشتوں کو دیا گیا ہے، بلکہ اس نے اپنے کو حکمِ سجدہ کا مامور سمجھتے ہوئے (بولا کہ کیا میں سجدہ کروں اُس کا جسے پیدا فرمایا تو نے خاک سے)۔۔نیز۔۔

قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ٘ لَىٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

بولا کہ "دیکھ تو سہی، تُو نے اُس کو عزت بخش دی مجھ پر۔ اچھا، اگر مہلت دے دی تُو نے مجھے روزِ قیامت تک کی،

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۲﴾

تو ضرور داب لوں گا اُن کی اولاد کو، مگر تھوڑے"●

(بولا کہ دیکھ تو سہی) کہ اس میں کون سی بزرگی اور فضیلت ہے جس کی وجہ سے (تو نے اس کو عزت بخش دی مجھ پر)۔ حال یہ ہے کہ وہ خاک سے ہے اور میں آگ سے۔ (اچھا اگر مہلت دے دی تو نے مجھے روزِ قیامت تک کی) یعنی آخر تک مجھے رکھے اور میری موت میں تاخیر کرے روزِ قیامت تک، (تو ضرور داب لوں گا اُن کی اولاد کو مگر تھوڑے)۔ یعنی ان کی اکثر و بیشتر اولاد کو اپنے شکنجے میں جکڑ لوں گا۔ میں جہاں چاہوں گا اُن کو لے جاؤں گا اور ان کو اپنے پیچھے پیچھے چلاؤں گا۔۔الغرض۔۔ میں ان پر ضرور غالب آجاؤں گا اور ان کو بہلا پھسلا کر جڑ سے اکھاڑ دوں گا، اور ان سے ایسے عمل کراؤں گا کہ وہ تیرے عذاب سے نیست و نابود ہو جائیں۔ ہاں ان میں تھوڑے ہی ایسے ہوں گے، جنہیں تیری عصمت اور حمایت کے سبب سے گمراہ نہ کرسکوں گا۔۔اُس پر۔۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

فرمان ہوا، "جا! تو جس نے غلامی کی تیری اُن میں سے، تو بلاشبہ جہنم تم سب کی سزا ہے، پوری سزا●

خداوندی (فرمان ہوا "جا" تو جس نے غلامی کی تیری ان میں سے) یعنی اولادِ آدم میں سے تیرا مطیع و فرمانبردار ہوا، (تو بلاشبہ جہنم تم سب کی سزا ہے) یعنی تمہاری بھی اور تمہاری پیروی کرنے

والوں کی بھی اور وہ بھی (پوری سزا) یعنی دائمی عذاب۔ اَے ابلیس! تو بہکانے اور گمراہ کر دینے کی بات کرتا ہے، تو جا۔۔۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ

اور لغزش میں ڈال دے جن پر تیری سکت ہو اُن میں سے اپنی آواز سے، اور اُن پر جھونک دے اپنے سواروں

وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ

اور پیادوں کو، اور شریک بن جا اُن کا مال واولاد میں، اور وعدے کیا کر"۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور شیطان نہیں وعدہ کرتا، مگر محض دھوکا●

(**اور لغزش میں ڈال دے جن پر تیری سکت ہو ان میں سے اپنی آواز سے**)، یعنی گانے بجانے سے اور رضائے الٰہی کے خلاف بلند ہونے والی آواز سے، (**اور ان پر جھونک دے اپنے سواروں اور پیادوں کو**) یعنی جو شیاطین وسوسہ دلانے اور اغواء کرنے میں تیرے مددگار ہیں، ان سب کو اُن پر مسلط کرنے کے واسطے جمع کر دے، (**اور شریک بن جا ان کا مال واولاد میں**)، اموال میں شریک ہو، تاکہ مالِ حرام جمع کریں۔۔یا۔۔سود پر دیں۔۔یا۔۔گناہ میں خرچ کریں اور اولاد میں شریک ہو، تاکہ زنا سے پیدا کریں۔۔یا۔۔عبدالعزیٰ اور عبدالشمس اور اس کے مثل نام رکھیں، (**اور ان سے (وعدے کیا کر**) باطل وعدے، جیسے کہ بتوں کی شفاعت۔۔یا۔۔توبہ میں تاخیر۔۔یا۔۔بعث و حشر اور بہشت و دوزخ کا انکار۔ (**اور شیطان نہیں وعدہ کرتا مگر محض دھوکا**)، یعنی خطا کو صواب کی صورت میں دکھاتا ہے۔ اَے ابلیس، سن لے! کہ۔۔۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

"بے شک میرے مخلص بندے، نہیں ہے تیرا اُن پر کچھ زور"۔ اور تمہارا پروردگار کافی کارساز ہے●

(**بے شک میرے مخلص بندے**) یعنی وہ بندے جو جنت کے واسطے ہی پیدا کیے گئے ہیں، (**نہیں ہے تیرا ان پر کچھ زور**)۔ یعنی جو میرے مخلص بندے ہیں انہیں اغوا کرنے، فریب دینے اور ان پر مسلط ہونے کی تجھ میں طاقت نہیں۔ (**اور تمہارا پروردگار کافی کارساز ہے**) آپ کے لیے اوران

لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے استمداد کرتے ہیں۔ اسی لیے ابلیس انہیں گمراہ نہ کرسکے گا۔ اس بات کو ہر حال میں ملحوظِ خاطر رکھو، کہ۔۔۔

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

تمہارا پروردگار، جو رواں کرتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو دریا میں، کہ تلاش کرو اُس کا فضل،

اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿٦٦﴾

بے شک وہ تم پر رحم فرماتا رہا●

(تمہارا پروردگار) وہ ہے (جو رواں کرتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو دریا میں) تا (کہ) تم (تلاش کرو اس کا فضل)۔۔الغرض۔۔اس نے سمندر کو تمہارے سفر کے لیے مسخر کردیا ہے، تاکہ تم سمندری سفر کے ذریعہ دور دراز علاقوں میں جاسکو اور ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں سے واقف ہوں اور ان کی تہذیب اور تمدن سے آگاہ ہوں اور ان کی ضروریات سے مطلع ہو کر وہاں سامانِ تجارت لے جائیں، اور اس طرح ان کی روزی اور معاش کا بندوبست ہو۔ (بے شک وہ) قادر و حکیم (تم پر رحم فرماتا رہا)۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

اور جب لگا تمہیں خطرہ دریا میں، تو گم ہوگئے جنہیں پکارتے ہو معبود، سوا اُسی معبودِ برحق کے۔ پھر جب نجات

اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾

دے دی تمہیں خشکی تک، تو رُخ پھیر لیا تم نے۔ اور انسان ناشکرا ہی رہا●

(اور) تم خود غور کرو، کہ (جب لگا تمہیں خطرہ دریا میں) یعنی سمندر میں جب تم پر کوئی آفت آتی ہے اور سمندر میں غرق ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہوتا ہے، (تو) ایسی صورت میں تمہارے ذہن و فکر سے (گم ہوگئے جنہیں پکارتے ہو معبود) سمجھ کر۔۔الغرض۔۔اُس وقت نہ تم کسی بت سے فریاد کرتے ہو، اور نہ سورج اور چاند سے، بلکہ اِس حال میں تم صرف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہو، اور (سوا اُسی معبودِ برحق کے) کسی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھ کر نہیں بُلاتے۔ اور جب اُس حالت میں اللہ تعالیٰ تمہیں سمندر میں غرق ہونے سے بچالیتا ہے اور تم خشکی پر سلامتی سے پہنچ جاتے ہو، تو پھر تم اخلاص

کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہو۔

۔۔الختصر۔۔(پھر جب نجات دے دی) اللہ تعالیٰ نے (تمہیں) اور (خشکی تک) پہنچا دیا، (تو رُخ پھیر لیا تم نے) اور اس سے اعراض کرلیا۔ یہ کتنی بڑی ناشکری ہے۔(اور) ایسا کیوں نہ ہو: اس لیے کہ (انسان ناشکرا ہی رہا) اپنے خدا کی نعمت پر، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کماحقہٗ شکر ادا نہ کرسکا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان سے اعراض کرنے والے تو سب سے بڑے ناشکرے ہیں۔ تو اَے لوگو! دریا سے بچ کر صحراء میں آجانے کے بعد بے خوف نہ رہو، اس لیے کہ دریا میں غرق کردینے والا زمین میں بھی دھنسا دینے کی قدرت رکھتا ہے۔۔لہٰذا۔۔ خشکی کو امن و اطمینان کی جگہ مت سمجھ لو۔ ذرا بتاؤ تو، کہ۔۔۔

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ یُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا

کیا تمہیں اطمینان ہے کہ دھنسا دے تم پر خشکی کا کنارہ، یا بھیج دے تم پر پتھروں کی بارش،

ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ وَکِیۡلًا ﴿۶۸﴾

پھر نہ پاؤ اپنا کوئی کارساز●

(کیا تمہیں اطمینان ہے) اِس بات سے (کہ دھنسا دے تم پر خشکی کا کنارہ) یعنی خشکی پر آکر بے خوف ہوجانے والو! اور سمجھ لینے والو! کہ "اب تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی"، اچھی طرح یقین کرلو! کہ جو اِس بات پر قادر ہے کہ دریا میں تمہیں ڈبو دے، وہ اِس پر بھی قادر ہے کہ خاک میں دھنسا دے، (یا بھیج دے تم پر پتھروں کی بارش)۔ یعنی وہ قادر ہے اس پر کہ تم پر پتھر برسائے، (پھر نہ پاؤ) تم (اپنا کوئی کارساز) جو تمہاری حفاظت کرے۔۔۔

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ یُّعِیۡدَکُمۡ فِیۡهِ تَارَةً اُخۡرٰی فَیُرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیۡحِ

یا کیا نڈر ہوگئے، کہ دوبارہ لے جائے تمہیں اُسی دریا میں، پھر چلا دے تم پر کشتی توڑ ہوا،

فَیُغۡرِقَکُمۡ بِمَا کَفَرۡتُمۡ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ عَلَیۡنَا بِهٖ تَبِیۡعًا ﴿۶۹﴾

تو ڈبو دے تمہیں، کہ تم نے ناشکری کی ہے۔ پھر نہ پاؤ گے تم اپنا کوئی، ہمارا پیچھا کرنے والا●

(یا کیا نڈر ہوگئے، کہ دوبارہ لے جائے تمہیں اُسی دریا میں) یعنی تمہارے دل میں آرزو پیدا کرے تاکہ دوبارہ تم کشتی میں سوار ہو، (پھر چلا دے تم پر کشتی توڑ ہوا) یعنی ایسی ہوا چلائے جو کشتی کو توڑ ڈالے، (تو) پھر اس طرح (ڈبو دے تمہیں) بسبب اس کے (کہ تم نے ناشکری کی ہے)۔۔الختصر۔۔

ایک بار دریا سے بچ کر نکل آنے کے بعد بے خوف نہ ہو جاؤ، اور بالکلیہ مطمئن نہ ہو جاؤ، کہ اب تمہیں دریا میں غرق نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ربِّ قدیر اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ تمہیں دوبارہ دریا کا سفر کرائے اور اس میں ڈبو دے اور جب ایسا ہو گا، تو (پھر نہ پاؤ گے تم اپنا کوئی) یعنی اپنے واسطے کوئی (ہمارا پیچھا کرنے والا) جو ہم سے مقابلہ کرے اور بدلہ لینا چاہے۔

--الختصر-- جب ایک بار انسان کو اللہ تعالیٰ کسی مصیبت سے نجات دے، تو اُس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور دوبارہ ویسے بُرے کام نہ کرے جن کی وجہ سے اس پر وہ مصیبت آئی تھی، اور اس بات سے بے خوف نہ ہو کہ اب دوبارہ اُس پر وہ مصیبت نہیں آئے گی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت وکرامت سے نوازا ہے، اس لیے اس کے اعمال بھی اُن کی شایانِ شان ہونے چاہئیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ

اور بے شک معزز کیا ہم نے اولادِ آدم کو اور سوار کیا انہیں خشکی اور تری میں، اور روزی فرمائی انہیں پاکیزہ چیزیں،

وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی كَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ۚ﴿۷۰﴾

اور فضیلت دی انہیں بہتیری اپنی مخلوق پر، بڑی فضیلت ●

(اور بے شک معزز کیا ہم نے اولادِ آدم کو اور سوار کیا انہیں خشکی اور تری میں اور روزی فرمائی انہیں پاکیزہ چیزیں) یعنی طیب وطاہر کھانے (اور فضیلت دی انہیں بہتیری اپنی مخلوق پر، بڑی فضیلت)۔

انسان کی بزرگی اور تکریم کے باب میں علماء کے بہت سارے اقوال ہیں۔ یہاں بس ایک قولِ جامع پر اکتفاء کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ انسان کی بزرگی ۲ دوقسموں پر ہے، ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔ جسمانی بزرگی سب انسانوں کو حاصل ہے، کیا مسلمان کیا کافر۔ اور وہ یہ ہے، کہ دونوں ہاتھوں سے اِس کا مٹی خمیر کرنا، رحم میں صورت بنانا، خوبصورتی، مزاج قریبِ اعتدال ہونا، قد کی راستی اور دونوں ہاتھ سے چیز لینا، انگلیوں سے کھانا، داڑھی اور گیسوؤں سے زینت، عقل سے تمیز سمجھانا، زبان اشارے خط سے اسبابِ معیشت کی راہ پانا، صناعت اور کتابت سے برقرار رہنا۔

روحانی بزرگی بھی دوقسموں پر ہے، ایک عام اور دوسری خاص۔ عام میں تو مومن اور کافر دونوں شریک ہیں جیسے اُن میں روح پھونکنا، آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنا، قولِ **اَلَسۡتُ**

سنایا جانا، جواب میں بَلٰی کہنا، بندگی پر عہد باندھنا، فطرت پر پیدا کرنا، اُن کے پاس رسولوں کو بھیجنا، ان کے واسطے کتابیں نازل کرنا، جنت کے ثواب کی ترغیب اور دوزخ کے عذاب کی تخویف، ان کے واسطے قدرت کے آثار اور دلائل اور معجزات کا ظاہر کرنا۔

مگر خاص روحانی بزرگی وہ ہے، جس کے سبب سے انبیاء، اولیاء، مومنوں کو بزرگ کیا ہے۔ وہ نبوت، رسالت، ولایت، ہدایت، ایمان، اسلام، ارشاد، اکمال، اخلاق، آداب، سیر اللہ کی طرف، اللہ میں، اللہ کے ساتھ، لاہوتی جذبوں کے سبب سے ناسوتی تنگیوں سے ترقی اور مقامات پر عبور، انانیت سے فنا اور ہویت کے ساتھ بقا، اور ان کے سوا بزرگیاں جو حد سے باہر ہیں، اور بقول حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ آدمیوں کی بزرگی اس سبب سے ہے، کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہیں سے ہیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ آدمیوں کے رسول ملائکہ کے رسولوں سے افضل ہیں، اور آدمیوں کے اولیاء ملائکہ کے اولیاء سے افضل ہیں، اور صالح مسلمان افضل ہیں عوام ملائکہ سے، اور ملائکہ بہتر ہیں فاسق مسلمانوں سے۔

امام قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "بنی آدم سے ایمان دار ہی مراد ہیں"، اس لیے کہ کفار کے حق میں ارشادِ قرآنی ہے، کہ "جس کی اہانت کرے اللہ، تو کوئی نہیں اس کی بزرگی کرنے والا"۔ اور مسلمانوں کی بزرگی اس سبب سے ہے، کہ ان کے ظاہر کو مجاہدہ کی توفیق سے آراستہ کیا اور اُن کے باطن کو مشاہدہ کی توفیق سے منور فرمایا۔ جس طرح تمام مومنوں کو تمام بزرگی عطا کی، امتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خاص بزرگی کے ساتھ مخصوص کیا، از انجملہ 'رضا' خاص ہونے کا مرتبہ ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ: "راضی ہے اللہ ان سے اور راضی ہیں وہ اللہ سے"، اور محبت کا درجہ ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے "دوست رکھتا ہے اللہ انہیں اور دوست رکھتے ہیں وہ اللہ کو"۔ اور ذکر کی بزرگی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ تم "میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا"۔

۔۔الغرض۔۔یہ آیت انسان کی فضیلت اور جامعیت کی دلیل ہے، کہ صفاتِ الٰہی کا پرتو پڑنے کے واسطے سب مخلوق کی بہ نسبت یہی انسان صاف آئینہ ہے۔ آیت زیرِ تفسیر میں خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ میں سے بعض کو بیان فرمایا ہے:

﴿۱﴾۔۔ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں خچروں، گدھوں

اور اونٹوں کو اس طرح مسخر کردیا، کہ انسان ان پر سواری کرسکے اور ان پر اپنا بوجھ لاد سکے اور سواریوں پر بیٹھ کر سفر کرسکے اور جہاد کرسکے اور کشتیوں اور بحری جہازوں پر بیٹھ کر تجارتی اور جنگی سفر کرسکے۔

﴿۲﴾۔۔ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا: کیونکہ انسان کی خوراک اور غذا، یا زمینی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے۔۔یا۔۔حیوانوں کے گوشت سے، اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کردی ہیں۔اب رہ گئیں وہ بعض ہستیاں جن پر انسانوں کو فضیلت نہیں دی گئی، وہ فرشتے ہیں۔اس تعلق سے تحقیقی بات جو ہے اس کا ذکر اوپر مختصراً کیا جاچکا ہے۔۔مزید برآں۔۔ارشادِ رسول ہے کہ "اَلْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ"۔۔"مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں سے زیادہ مکرم ہے"، اس لیے کہ فرشتے اگر اطاعت گزار ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی ان کی فطرت ہے۔ فرشتے صرف عقل والے ہیں، ان میں شہوت نہیں۔اور جانور صرف شہوت والے ہیں، ان میں عقل نہیں۔اور آدمی میں دونوں ہیں۔تو جس کی عقل اُس کی شہوت پر غالب ہو، وہ فرشتوں سے زیادہ مکرم ہے۔اور جس کی شہوت اس کی عقل پر غالب ہو، وہ جانوروں سے بدتر ہے۔

۔۔الختصر۔۔عقل اور شہوت کے تقاضوں میں اعتدال وتوازن ہی انسانیت کا کمال ہے، تو انسان کو چاہیے کہ نہ تو 'رہبانیت' کے چکر میں پھنسے، اور نہ ہی 'حیوانیت وشیطنت' پر اُتر آئے۔اُسے اپنے حقیقی مقام پر رہنا چاہیے اور اس فضل خداوندی کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے، کہ ربِّ کریم نے ساری کائنات کو اُسی کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے، لیکن اُسے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔اُس کے لیے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے، تا کہ دنیا میں نیکی کرے اور آخرت میں اُس کا پھل حاصل کرے۔۔تو۔۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

جس دن پکاریں گے ہم سب لوگوں کو اُن کے اپنے اپنے امام کے ساتھ، تو جس کو دیا گیا اُس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں، تو

يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾

وہ پڑھیں گے اپنا نامۂ اعمال، اور نہ محروم کیے جائیں گے اپنے حق سے سُوت بھر●

اَے محبوب! اِن کو اُس دن کی یاددہانی کراتے رہو، (**جس دن پکاریں گے ہم سب لوگوں کو ان کے اپنے اپنے امام کے ساتھ**)۔۔مثلاً: اَے فلاں نبی کے امتیو!۔۔یا۔۔اَے فلاں دینی رہنما کے پیچھے چلنے والو!۔۔یا۔۔اَے فلاں آسمانی کتاب پر ایمان لانے والو!۔۔یا۔۔اَے فلاں دین کے ماننے والو!

یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کے نامہءاعمال سے اُن کو پکارا جائے۔۔مثلاً: اَے کتابِ خیر والو! اور اے کتابِ شر والو!

(**تو جس کو دیا گیا اُس کا نامہءاعمال داہنے ہاتھ میں، تو وہ پڑھیں گے اپنا نامہءاعمال**) خوشی کے ساتھ بار بار، اس واسطے کہ اس میں نیک عمل دیکھیں گے۔(**اور**) وہ (**نہ محروم کیے جائیں گے اپنے حق سے سوت بھر**) یعنی ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔

اور یہ آیت اِس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ جس کو نامہ ٔاعمال بائیں ہاتھ میں دیں گے خجالت اور حیرت کے مارے اُس کی زبان پڑھنے سے عاجز رہے گی۔۔۔

وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۷۲﴾

اور جو بھی اِس دنیا میں رہا اندھا، تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور گم کردہ راہ ●

(**اور**) یہ اس لیے، کہ (**جو بھی اس دنیا میں رہا اندھا**)، یعنی جس کے دل کی آنکھ راہِ صواب نہیں دیکھتی، (**تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہے**) تو پھر وہ نجات کی راہ کیسے دیکھ پائے، (**اور**) اندھا بھی ایسا جو بڑا (**گم کردہ راہ**) ہو۔اس جہت سے کہ اس کی بینائی کی استعداد زائل ہوگئی اور فرصت باقی نہ رہی۔

محققین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں، کہ جو کوئی دنیا میں 'طاعت' سے اندھا ہے، عقبیٰ میں 'ثواب' سے اندھا ہوگا۔اور جو کوئی یہاں 'توبہ' کا منہ نہیں دیکھتا، وہاں مغفرت کی صورت نہ دیکھے گا۔

اَے محبوب! یہ اندھے اور گم کردگانِ راہ، راہِ مستقیم پر کیا آتے، یہ تو آپ ہی کو راستے سے بہکانے کی کوشش میں لگ گئے۔

۔۔چنانچہ۔۔ثقیف نے کہا، "اَے محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم سال بھر ہمیں بت پرستی کی اجازت نہ دو، اور زمین طائف جو ہماری آرام گاہ ہے اُسے حریم مکہ کی طرح معظم ومحترم نہ کرو، اور نماز میں رکوع سجود سے ہمیں معاف رکھو۔اگر لوگ تم سے پوچھیں کہ تم نے یہ کیوں کیا، تو کہہ دینا کہ میرے خدا نے مجھے یہ حکم کردیا ہے"۔۔یا۔۔بعضوں

کے نزدیک قریش نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ''ہم آپ کو حجر اسود نہ چھونے دیں گے، جب تک ہمارے بتوں کو نہ چھولو، اگرچہ انگلی کے سرے ہی سے سہی''، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ کافر چاہتے ہیں کہ تمہیں ہماری وحی سے پھیرلیں تو دوست بنائیں۔۔ چنانچہ۔۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ

اور قریب تھا کہ پھسلا دیں تمہیں اس سے، جو ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف، کہ تم گڑھ لو ہم پر دوسری بات۔

وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اور اُس وقت وہ بنا لیتے تم کو دِلی دوست●

ارشاد ہوتا ہے (اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (قریب تھا کہ پھسلا دیں تمہیں اِس سے جو ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف، کہ تم) کافروں کی خواہش کے مطابق (گڑھ لو ہم پر دوسری بات۔ اور) پھر (اُس وقت وہ بنا لیتے تم کو دلی دوست)۔ مگر چونکہ اپنی عصمت کی مدد سے درستی پر تم کو ہم نے ثبات دیا ہے، اس لیے ان کا یہ مکر چل نہ سکا۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ ۙ

اور اگر نہ پیدا کیا ہوتا ہم نے تمہیں ثابت قدم، تو کیا دُور تھا کہ جھک پڑتے تم اُن کی طرف کچھ نہ کچھ●

(اور اگر) بالفرض (نہ پیدا کیا ہوتا ہم نے تمہیں) حق و درستی پر (ثابت قدم، تو کیا دور تھا کہ جھک پڑتے تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ) یہی سوچ کر کہ دل میں کمالِ درجہ کی نفرت رکھتے ہوئے بتوں کو انگلی سے چھو لینے میں حرج کیا ہے، جب کہ اس سے اپنے طواف کرنے کی راہ کی رکاوٹ دور ہو رہی ہو۔ ۔۔الختصر۔۔ آپ کا یہ سوچنا کہ فی الحال ہمیں طوافِ کعبہ کرنے کو ملے یا نہ ملے، لیکن یہ گوارہ نہیں کہ کافروں کی خواہش پوری کرنے کے لیے ہم اپنی کسی انگلی کی نوک بھی کسی بت کو لگائیں۔ یہ آپ کی سوچ، آپ کی اُسی فطری عصمت کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے جس سے آپ کو نواز رکھا ہے۔ اور اگر بالفرض تم ان کی خواہش پوری کر دیتے۔۔۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ

تب تو ہم چکھا دیتے تمہیں دونی عمر، اور دونی موت کا مزہ۔

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ﴿۷۵﴾

پھر نہ پاتے تم اپنا ہمارے سامنے کوئی مددگار●

(تب تو ہم چکھا دیتے تمہیں دونی عمر اور دونی موت کا مزہ)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ اگر بہ فرضِ محال آپ کفار کی خواہشوں کو مان لیتے اور ان کی طرف مائل ہونے کا ارادہ کر لیتے، تو اس اقدام کی وجہ سے آپ اِس عذاب کے دُگنے عذاب کے مستحق ہوتے، جو کسی مشرک کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی زندگی میں دیا جاتا ہے۔ اور اِس عذاب کو دوگنا کرنے کا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، تو ان کے گناہ بھی بہت بڑے ہوں گے اور ان گناہوں کی سزا بھی بہت بڑی ہوگی۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں لیکن اس آیت میں تعریض ہے اور کنایہ سے بات کی گئی ہے، بظاہر جس کا روئے سخن پیغمبر کی طرف ہے مگر خطاب امتیوں سے ہے اور اُس کے ذریعہ آپ کی امت کو ڈرایا گیا ہے، تاکہ مومنین میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شرائع میں کسی مشرک کی طرف مائل نہ ہو۔

۔۔المختصر۔۔ اگر بالفرض تم اَے محبوب 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' مشرکین کی مذکورہ بالا خواہش پوری کر دیتے، (**پھر**) تو (**نہ پاتے تم اپنا ہمارے سامنے کوئی مددگار**)، جس کے باعث اس عذاب سے رہائی پاتے۔

جب کافروں نے دیکھا کہ ان کا یہ حربہ کامیاب نہ ہوا، تو مکے کے کافروں نے رسولِ مقبول کے اخراج کے باب میں باہم مشورہ کیا اور ان کی رائے اس بات پر قرار پائی، کہ دشمنی میں اس قدر زیادتی کرنی چاہیے کہ حضرت کو ضرور بالضرور نکل جانا پڑے۔۔ چنانچہ۔۔ اِس تعلق سے ارشاد ہوا، کہ۔۔۔

وَاِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا

اور قریب تھا کہ کھسکا دیں تمہیں اِس اراضی سے، تاکہ نکال دیں تمہیں اِس سے، اور ایسے میں

یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۷۶﴾

وہ بھی نہ ٹھہرتے تمہارے بعد، مگر کچھ ہی●

(اور قریب تھا کہ کھسکا دیں تمہیں) عداوتیں کر کے (اس آراضی سے تاکہ نکال دیں تمہیں اس سے) یعنی مکے کی زمین سے باہر کردیں۔ (اور ایسے میں وہ بھی نہ ٹھہرتے تمہارے بعد مگر کچھ ہی)۔

۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے بعد تھوڑے دنوں میں واقعہ ٔبدر پیش آیا اور کفار ہلاک ہوئے۔ مذکورہ بالا تفسیر کی روشنی میں یہ آیت مکی ہے، مگراس کے تعلق سے ایک قول یہ ہے کہ یہود کو مدینہ منورہ میں رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قیام پر حسد آیا۔۔چنانچہ۔۔ وہ بولے، کہ اَے ابوالقاسم اگلے انبیاء 'علیہم السلام' زمین شام پر تھے، اگر تم بھی پیغمبر ہو اور چاہتے ہو کہ ہم تمہاری تصدیق کریں، تو چاہیے کہ ملک شام میں جا کے رہو۔ وحیٔ الٰہی نے ان کی اس سازش کو بے نقاب کردیا اور واضح فرمادیا، کہ۔۔۔

اَے محبوب! یہود چاہتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے تمہیں دور بھیج دیں۔ اور اگر ایسا ہوا، تو وہ تیرے بعد بہت نہ رہیں گے۔

۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے ہی زمانے میں یہود کے قبیلے قتل اور جلاوطنی کے عذاب میں پڑے اور مدینہ منورہ میں ان کے ہمیشہ رہنے کا خواب چکنا چور ہوگیا۔ اس قول کی بنیاد پر یہ آیت مدنی ہوتی ہے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے، کہ جس قوم نے اپنے نبیوں کو قتل کیا۔۔یا۔۔ جلاوطن کیا، پھر وہ قوم اپنے وطن میں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکی۔ پھر یا تو وہ عذابِ الٰہی میں ہلاک کردی گئی، جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم۔۔یا۔۔اُس کی دشمن قوم کو اُس پر مسلط کردیا گیا، جیسے بنی اسرائیل۔۔یا۔۔اس قوم کو خود اُس نبی۔۔یا۔۔اُس کے پیروکاروں نے مغلوب کردیا، جیسے کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ کو مغلوب کردیا۔۔المختصر۔۔جب جب نبی کے وطن میں اس کے مخالفین اس کو وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کردیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد نبی فاتحانہ شان سے وطن لوٹتا ہے، اور اس کے مخالفین کو شکستِ فاش ہوجاتی ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر واپس آئے، اور آپ کے دشمن فرعون اور قبطیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اُسی طرح پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ واپس آئے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ ع ٨

دستور اُن کا، جنہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے، اپنے کئی رسول، اور نہ پاؤ گے ہمارے دستور میں تبدیلی ●

۔۔الحقصر۔۔اَے محبوب! یہ رہا (دستور ان کا جنہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے اپنے کئی رسول اور نہ پاؤ گے ہمارے دستور میں تبدیلی)۔اور وہ سنت اور عادت، پیغمبروں کی تکذیب کے سبب ان کی امتوں کی ہلاکت ہے۔

اِس بیان سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اسی میں ہے کہ انبیاءِ کرام کو دشمنوں کی تکالیف ومشقات میں مبتلا کرے، تاکہ اس طرح ان کے درجات میں اضافہ ہو، اور اُن کے جواہر روحانیہ ربانیہ، اوصافِ نفسانیہ سے مزّکی و مصفّٰی رہیں۔ یہ طریقۂ کار حکمت و مصلحت اور ارادۂ قدیم پر مبنی ہیں، اس لیے اس میں تبدل وتغیر ناممکن ہے۔اس طرح کے مضامین میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے، کہ آپ ﷺ کو ہر طرح تحفظ اور جملہ امور میں احتیاط کے حکم سے امت کو تنبیہ ہوگی، کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان امور کے متعلق تحفظ کا حکم فرما رہا ہے، تو پھر ہم کون ہیں ان میں کوتاہی کرنے والے۔

اِس سے انسان کو سبق دیا گیا ہے، کہ تیرے ظاہری اور باطنی بہت بڑے دشمن ہیں، اس لیے تمہیں ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صبر میں خیر و برکت ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان کے صبر سے آزمائش اور ابتلاء ہٹ جاتی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ دشمن تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اِسی لیے جا بجا 'صبر وصلوٰۃ' سے مدد طلب کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، اور بارگاہِ خداوندی میں سربسجود رہنے کے واضح احکامات ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے جس میں خطاب براہِ راست نبی کریم ﷺ سے ہے، مگر اس میں مذکور ہدایت ساری امتِ محمدیہ کے لیے ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِؕ

پابندی کرو نماز کی، سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک۔اور فجر کی نماز،

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

کہ بلاشبہ فجر کی نماز کا وقت حاضری کا ہے●

اَے محبوب! (پابندی کرو نماز کی سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک) اِس سے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چار نمازوں کا حکم مل گیا (اور) مزید برآں پابندی کرو (فجر کی نماز) کی۔

اِس ارشاد میں نماز کی تعبیر قرآن سے کی گئی ہے، اس لیے کہ قرأتِ قرآن نماز کا رکن ہے، جس طرح رکوع اور سجود پر بھی ان کے ارکانِ نماز ہونے کی وجہ سے نماز کا اِطلاق کیا گیا ہے۔

فجر کی نماز کا نام کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ذِکراس لیے ہے، (**کہ بلاشبہ فجر کی نماز کا وقت حاضری کا ہے**) جن میں دن اور رات کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور اس نماز کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔رات کے ملائکہ اُسے نامہء اعمال کے آخر میں لکھ لیتے ہیں اور دن کے فرشتے نامہٴ اعمال کی ابتداء اُسی سے کرتے ہیں۔تو یہ ایسی نماز ہے جس کا ذِکر دونوں وقتوں کے فرشتوں کے دفتر میں موجود رہتا ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ

اور رات کو، تو تہجد پڑھو اس میں، مزید حکم ہے تمہیں پر۔ عنقریب تمہاری جگہ بنائے گا تمہارا پروردگار،

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

مقام محمود کو●

(**اور رات کو، تو**) اس کے تھوڑے سے حصے میں ایک نیند لے لینے کے بعد (**تہجد**) کی نماز (**پڑھو اس میں**) یہ (**مزید حکم ہے تمہیں پر**)، یعنی یہ نماز زیادتی ہے تیرے واسطے فرائض پنجگانہ پر۔ یعنی آپ کے سوا کسی اور پر فرض نہیں۔

یہ بھی ایک قول ہے کہ تہجد کی نماز فرض پر زائد ہے، اور یہ صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نفل اور فضیلت ہے، اور آپ ہی کے واسطے ایک خاص بزرگی ہے۔ چونکہ آپ اپنی اگلی اور پچھلی زندگی میں مغفور ہیں، تو جو چیز بھی آپ کے فرائض پر زائد ہو، وہ آپ کے لیے نفل اور فضیلت ہے، اور آپ کے غیر کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے۔

ہر چند اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہے، لیکن اِس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے، کہ اس سے آپ کے درجات بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے قُرب میں اضافہ ہو اور آپ جو استغفار فرماتے ہیں، اس کا بھی یہی محل ہے۔ اور اُمت کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے، کہ تہجد کے ذریعہ اس کے گناہ معاف ہوں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اگر انسان ساری رات جاگ کر نفل پڑھتا رہے، تو وہ تہجد نہیں ہے۔ تہجد کی نماز تب ہوگی، جب وہ عشاء پڑھ کر سو جائے پھر تہجد کے لیے بیدار ہو اور نماز پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ سے بہ شمولِ وتر، تہجد کی مختلف رکعات مروی ہیں، یعنی ۷، ۹، ۱۱ اور ۱۳۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ امت کے لیے توسع اور آسانی ہو۔ جو شخص اپنی قوت، حالت اور وقت کی گنجائش کے اعتبار سے ان میں سے جتنی رکعات پڑھے گا، وہ سنت کو پائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! دنیا میں نمازِ تہجد کے ذریعہ آپ کے درجات کی بلندی تو ہوتی ہی رہے گی، میدانِ محشر میں بھی (**عنقریب تمہاری جگہ بنائے گا تمہارا پروردگار مقامِ محمود کو**)۔

مقامِ محمود کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے بعض یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔شفاعتِ کبریٰ عطا فرمانا۔

﴿۲﴾۔۔نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حمد کا جھنڈا عطا فرمانا اور سارے انبیاء و مرسلین کا اُس جھنڈے کے سایے میں ہونا۔

﴿۳﴾۔۔آپ ﷺ کو دوزخ سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے شفاعت کا اذن عطا فرمانا۔

شفاعتِ کبریٰ سے مراد وہ شفاعت ہے جو سب سے پہلی شفاعت ہوگی، کہ اللہ تعالیٰ محشر والوں کا حساب شروع کرے۔ اُس دن اللہ تعالیٰ اس قدر جلال میں ہوگا، کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی جرأت نہ کرے گا، سب خوف زدہ ہوں گے۔ اُس وقت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو اذنِ شفاعت دے گا۔ یہی مقامِ محمود ہے، کہ جو کام کوئی نہ کر سکے گا آپ قیامت کے دن وہ کام کریں گے، اور تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف اور تحسین کریں گے۔

مقامِ محمود کے دوسرے معنی کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ: ”میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں، اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں“۔ مقامِ محمود کے تیسرے معنی کے تعلق سے آپ ﷺ نے فرمایا، یہ وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔۔ المختصر۔۔ آپ کی شان یہ ہے، کہ آپ جو بھی کریں گے اور جہاں جائیں گے اور جہاں سے نکلیں گے، سچائی آپ کے دامن سے وابستہ ہوگی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ

اور دُعا کرو کہ "پروردگار اندر لے جا مجھے تو سچی طرح، اور باہر نکال تو سچی طرح،

وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا ﴿۸۰﴾

اور بنادے ہمارا اپنی طرف سے مددگار طاقت"●

اَے محبوب! التجا کرو (اور دُعا کرو کہ پروردگارا) جہاں جہاں (اندر لے جا) ئے (مجھے تو)، تو (سچی طرح) یعنی سچائی کے ساتھ لے جائے (اور) جہاں جہاں سے (باہر نکال) لائے (تو) تو (سچی طرح) یعنی سچائی کے ساتھ نکال لائے۔

۔۔مثلاً: مجھے قبر میں سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ قبر سے باہر لا۔۔یا۔۔ مجھے صدق کے ساتھ مکہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مکہ سے باہر لا۔۔چنانچہ۔۔آپ مکہ سے بے خوف ہوکر نکل آئے، اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔۔یا یہ کہ۔۔ مجھے صدق کے ساتھ مدینہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مدینہ سے باہر لا۔۔یا یہ کہ۔۔ زندگی کے تمام امور میں سفر اور حضر میں جہاں بھی داخل فرما، سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے ساتھ باہر لا۔

۔۔الغرض۔۔آپ قبر میں داخل ہوں گے اس حال میں، کہ آپ کو کسی طرح کی ندامت نہ ہوگی اور قبر سے نکلیں گے اس حال میں، کہ فضیلت و بزرگی آپ کے دامن سے وابستہ ہوگی۔ یوں ہی جب آپ مکہ سے نکلے، تو سلامتی کے ساتھ نکلے اور مدینے میں داخل ہوئے، تو کچھ ہی دنوں کے بعد مالِ غنیمت والے ہوگئے۔۔اسی طرح۔۔مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے اور وہاں سے حنین کے لیے مجاہدانہ آن بان کے ساتھ نکلے۔۔الحاصل۔۔پروردگارا! ہر حال میں سچائی کو ہمارے دامن سے وابستہ رکھ (اور بنادے ہمارا اپنی طرف سے مددگار طاقت)، یعنی حجت مدد دینے والی اور طاقت اعانت کرنے والی ہمارے ساتھ رہے۔

وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾

اور کہو کہ "آگیا حق اور مٹ گیا باطل۔ بے شک باطل مٹنے کی چیز ہے"●

اَے محبوب! اعلان کردو (اور کہو کہ آگیا حق اور مٹ گیا باطل)، یعنی اسلام آگیا اور شرک مٹ گیا۔ بلفظِ دیگر جو خدا کے واسطے ہو، وہ آگیا اور جو اس کے غیر کے لیے ہو، وہ مٹ گیا۔ (بے شک

باطل مٹنے کی چیز ہے) تو اس کا مٹنا، خواہ وہ جب بھی مٹے اور اس کے مٹنے کی جو بھی شکل ہو، اتنا ہی یقینی ہے جتنا گزشتہ احوال یقینی ہوتے ہیں۔

یہ مٹنا اگر دلیل و برہان کی جہت سے ہو، تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا، کہ باطل استدلالی قوت سے خالی ہوگیا۔ اب وہ عام آدمی کے سامنے بھی اپنے کو حق ثابت نہیں کرسکتا۔ اِس کے برعکس اسلام حجت و برہان کے لحاظ سے تمام باطل ادیان پر غلبہ و برتری رکھتا ہے۔۔المختصر۔۔ اسلامی دلائل و براہین سے باطل کے خیالات وتوہمات کا قلع قمع ہوگیا۔ پیغمبر اسلام پر جو کتاب نازل ہوئی وہ جسمانی، روحانی اور ظاہری و باطنی ہرطرح کے امراض کے لیے شفاء ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ الٰہی ہے۔۔۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور نازل فرماتے ہیں ہم قرآن، جو کہ شفاء ورحمت ہے ماننے والوں کے لیے،

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور نہیں اضافہ کرتا اندھیر والوں میں، مگر نقصان کا●

(اور نازل فرماتے ہیں ہم قرآن جو کہ شفاء ورحمت ہے ماننے والوں کے لیے) یعنی جس کی سورۂ فاتحہ اور آیاتِ شفاء امراض کے واسطے شفاء ہیں۔۔نیز۔۔شفاء ہیں جہل اور شبہے کی بیماری کے واسطے۔۔ بلکہ۔۔تمام قرآن شفاء ہے ظاہری باطنی، جسمانی اور قلبی بیماریوں کے واسطے، اور رحمت ہے مومنوں کے واسطے جو اس سے نفع لیتے ہیں۔ (اور) یہی قرآن کریم جو مومنین کے لیے شفاء و رحمت ہے (نہیں اضافہ کرتا اندھیر والوں میں مگر نقصان کا)، کیوں کہ یہ ظالمین اُس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے کو بہت بڑے خسارے کا مستحق بنالیتے ہیں، اور پھر وہ ہلاک کردیے جاتے ہیں۔ ان کافر انسانوں کا حال۔۔۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ

اور جب انعام فرمایا ہم نے انسان پر، تو بے رخی کی، اور اپنی طرف ہٹ گیا۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾

اور جب پہنچی اسے خرابی، تو ناامید ہوگیا●

(اور) ان کا طرزِ عمل ایسا ہے، کہ (جب انعام فرمایا ہم نے) ان میں سے کسی (انسان پر) صحت، مالداری اور بے خوفی عطا فرما کر، (تو بے رخی کی) ہماری یاد سے اور ہماری نازل فرمودہ کتابوں اور ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں سے جو ہماری عظیم نعمتوں سے ہیں قدر نہ کی۔۔ نیز۔۔ ہماری دوسری ظاہری اور باطنی نعمتوں سے منہ پھیر لیا۔۔ الغرض۔۔ وہ ہمارا شکر گزار بندہ نہ بن سکا (اور اپنی طرف ہٹ گیا) یعنی پہلو تہی کی، اور اس کنارہ کشی کے ذریعہ تکبر اور اپنی بڑائی دکھاتا ہے اور راہِ حق سے کنارے ہو جاتا ہے۔ (اور) اس کے برعکس (جب پہنچی اُسے خرابی)۔۔ مثلاً: بیماری، محتاجی اور دہشت وغیرہ، (تو ناامید ہو گیا) رحمتِ الٰہی سے۔ یعنی جاہل ہوتا ہے فضلِ بادشاہی سے اور مضبوط نہیں رہتا کرمِ ناتمنا ہی پر۔ مگر مومن نعمت میں شکر کرتا ہے اور محنت میں راحت کی امید پر صبر کرتا ہے۔

ع ۹ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ﴿۸۴﴾

کہہ دو، کہ ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے کینڈے کا۔ تو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے، کہ کون زیادہ راہ کا پانے والا ہے ●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے کینڈے کا) یعنی اپنے انداز، روش اور طرز کے مطابق۔۔ الحاصل۔۔ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے۔ وہ طریقہ جو اس کے حال کا ہم شکل ہوتا ہے۔ تو جو اصحابِ شر و ضلالت ہیں، وہ نعمت سے منہ پھیرتے ہیں اور محنت سے مایوس ہوتے ہیں۔ اور ایمان والے سکھ میں شکر اور دکھ میں صبر کرتے ہیں۔

بعض عارفین نے کہا کہ یہ آیت بڑی ہی امید افزا ہے، اس لیے کہ بندے سے 'جفا' اور 'خطا' ہوتی ہے، جو اس کی بدبختی کو سزاوار ہے، اور خدا سے 'وفا' اور 'عطا' ظاہر ہوتی ہے جو اس کی کریمی کے لائق ہے۔

(تو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ راہ کا پانے والا ہے)، یعنی ہدایت پر ہے اور صواب سے بہت نزدیک ہے۔۔ یا۔۔ دین و مذہب کی جہت سے بہت نیک ہے۔۔ الغرض۔۔ حقیقی علیم و خبیر اور عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ حق تعالیٰ ہی ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ عرب کے کفار جیسے نضر بن حارث اور اُبی بن خلف نے عتبہ بن ابی معیط وغیرہ کو مدینہ میں بھیجا، کہ وہاں کے یہودیوں سے رسولِ اکرم ﷺ کے حالات بیان کر کے ان سے آپ کی نبوت کے تعلق سے دریافت کریں۔ تو ان لوگوں نے مدینے پہنچ کر یہود

سے ملاقات کر کے آنحضرت ﷺ کی کیفیت بیان کی اور اُن سے پوچھا، تم اپنی کتابوں کی روشنی میں اس شخص کے باب میں کیا کہتے ہو۔

یہود متعجب ہو کر بولے، کہ اَے عرب کے سردارو، ہم جانتے ہیں کہ ظہور پیغمبر کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور تمہاری باتوں سے اُسی نبی کی بُو ہمارے دماغ میں آتی ہے۔ تم ان سے آزمائش کے طور پر اصحابِ کہف، ذوالقرنین کے واقعات اور روح کے تعلق سے سوال کرو اور دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اور سن لو! کہ اگر انہوں نے مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب دیا۔۔یا۔۔کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکے، تو سمجھ لو، کہ وہ پیغمبر آخر الزماں نہیں ہے۔ اور اگر وہ پہلے ۲دو سوالوں کے تو جواب دے دیں اور روح سے متعلق سوال کا جواب نہ دیں، تو سمجھ لو کہ وہ سچے نبی اور آخری پیغمبر ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔کفار مکہ مکرمہ میں واپس آئے اور مجلس منعقد کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اُس مجلس میں تینوں۳ سوال کیے۔ آپ نے ۲دو سوالوں کا جواب عطا فرما دیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ

اور پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں، جواب دو "کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے،" اور نہیں

مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

دیا گیا تمہیں علم سے، مگر تھوڑا●

(اور) روح کے باب میں آیت نازل ہوئی، کہ (پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں) یعنی روح کی کیفیت جس سے انسان کا بدن زندہ ہے۔ اَے محبوب! ان کو (جواب دو، کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے)، یعنی اُن مخلوقات میں سے ہے جو امرِ کُنْ سے پیدا ہوئے بے مادہ۔ اور وہ ان چیزوں میں سے ہے جو خدا کے علم کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ جل شانہ کے سوا کوئی بذاتِ خود اُسے نہیں جانتا (اور نہیں دیا گیا تمہیں) اور تمہارے سوا کسی کو بھی (علم) الٰہی (سے مگر تھوڑا)۔

۔۔الغرض۔۔علم الٰہی کے سامنے ساری مخلوقات کا علم وہ درجہ بھی نہیں رکھتا، جو ایک قطرہ کو ایک سمندر کے سامنے حاصل ہے۔ وہ ذاتِ برتر و بالا اپنے علم میں سے جس کو جتنا چاہے عطا فرما دے، اور جس سے جتنا چاہے سلب کر لے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ

اور اگر ہم چاہتے تو فنا کر دیتے، جو وحی بھیجی ہے ہم نے تمہاری طرف،

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾

پھر نہ پاتے تم اپنا ہمارے یہاں وکیل●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اگر ہم چاہتے تو فنا کر دیتے) اُس کو (جو وحی بھیجی ہے ہم نے تمہاری طرف) یعنی سینوں اور ورقوں میں سے مٹا دیتے، (پھر نہ پاتے تم اپنا ہمارے یہاں وکیل) جو اس کو تمہارے سینوں۔۔یا۔۔ورقوں کو پھیر لائے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾

مگر تمہارے پروردگار کی رحمت ہے، بے شک اُس کا فضل تم پر بڑا رہا کیا●

(مگر) یہ تو (تمہارے پروردگار کی رحمت ہے) جو اُسے باقی رکھتا ہے اور مٹاتا نہیں۔ (بے شک اس کا فضل تم پر بڑا رہا کیا)، کہ اس نے تمام اولادِ آدم کا سردار کر دیا اور رسولوں کا خاتم کیا اور لوائے حمد اور مقامِ محمود تم کو عطا کیا، اور قرآن تم پر بھیجا، اور یہ قرآن تمہاری امت میں باقی رہے گا۔ تو اَے محبوب! اس پیکرِ اعجاز قرآنِ حکیم کے تعلق سے۔۔۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اعلان کر دو، کہ اگر اکٹھا ہو جائیں سارے انسان اور جنات اس پر، کہ لے آئیں اِس قرآن کی طرح،

لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾

تو نہ لائیں گے ایسا، گو ہو جائیں بعض بعض کے پشت پناہ●

(اعلان کر دو، کہ) یہ کوئی ایسا کلام نہیں ہے جس کی مثال لائی جا سکے، بلکہ (اگر اکٹھا ہو جائیں سارے انسان اور جنات) جن کی طرف تمہیں مبعوث کیا گیا ہے اور وہ سب متفق ہو جائیں (اس) بات (پر، کہ لے آئیں اس قرآن کی طرح، تو نہ لائیں گے ایسا)۔ یعنی ایسا کلام جو فصاحت بلاغت، حسنِ نظم، کمالِ معنی، غیب کی خبر دینے میں اِس قرآن کے مثل ہو، پیش کرنے سے سب کے سب عاجز ہی رہیں گے (گو ہو جائیں بعض بعض کے پشت پناہ)۔

۔۔لہٰذا۔۔اِس تعلق سے نضر بن حارث کا یہ کہنا، کہ اگر ہم چاہیں تو اِس قرآن کے مثل کہہ

لیں، یہ اس کی سراسر خام خیالی ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ اس قرآن کا جواب لاسکتا تھا، تو کیوں نہیں لایا؟ اور قرآنی چیلنج کا جواب کیوں نہیں دیا؟ اور صرف وہی کیا! آج تک ساری دنیا کے فصحاء اور بلغاء اس کلام ربانی کی ایک سورہ کی بھی مثال نہیں پیش کرسکے اور نہ ہی قیامت تک پیش کرسکیں گے۔ ظاہر ہے کہ اُس کلام کو بہت ہی خوبیوں والا سمجھا جاتا ہے، جو مختصر ہو اور جامع ہو اور جو طوالتِ بیجا سے خالی ہو۔ اور جس کی ہر بات بہ آسانی دل نشین ہوجائے۔ اِسی لیے قرآنِ کریم میں فضول لمبی چوڑی تقریر سے اجتناب کیا گیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے۔۔۔

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ

اور بے شک کئی طرح سے بیان فرمایا ہم نے لوگوں کے لیے اِس قرآن میں ہر بات،

فَاَبٰۤی اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

تو انکار ہی کردیا بہتوں نے ناشکری سے●

(اور بے شک کئی طرح سے بیان فرمایا ہم نے لوگوں کے لیے اِس قرآن میں ہر بات)۔۔ مثلاً: رغبت دلانا، ڈرانا، سبق آموز قصے، خبریں، جنت دوزخ کا ذکر اور مثل اس کے، (تو انکار ہی کردیا بہتوں نے ناشکری سے)، یعنی پھر انکار کیا بہت لوگوں نے اور نہ چاہا مگر ناشکری کو۔

وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا ﴿۹۰﴾

اور بولے کہ "ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو، یہاں تک کہ بہادو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ●

(اور) ابوجہل، عتبہ اور شیبہ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ہوکر (بولے، ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو یہاں تک کہ بہادو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ) یعنی ہمارے آس پاس کے پہاڑوں کو دور کرکے ہماری زمین کو وسیع کردو، اور ان میں چشمے جاری کرکے ان کو قابل کاشت بنادو۔ ملک شام اور عراق میں جیسے نہریں جاری ہیں ویسی نہریں یہاں بھی جاری کردو، تاکہ ہم خوب کھیتی کرسکیں۔

اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا تَفۡجِیۡرًا ﴿۹۱﴾

یا ہو آپ کا باغ کھجور اور انگور کا، پھر بہادو نہریں اُن کے درمیان خوب●

(یا ہو آپ کا باغ کھجور اور انگور کا، پھر بہادو نہریں ان کے درمیان خوب)، تاکہ تم محتاجی اور مفلسی سے بچ سکو اور مال ومتاع والے ہوجاؤ۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ

یا گرادو آسمان کو جیسا کہ کہا کیے ہو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے، یا لے آؤ اللہ

وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾

اور فرشتوں کو آمنے سامنے●

(یا گرادو آسمان کو، جیسا کہ کہا کیے ہو، ہم پر) کہ "ڈالے جائیں گے ہم پر آسمانوں کے (ٹکڑے ٹکڑے)"، (یا لے آؤ اللہ) تعالیٰ (اور فرشتوں کو آمنے سامنے)، اور یہ فرشتے تمہاری رسالت کی گواہی دیں۔

اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى

یا ہو تمہارا کوئی گھر سونے کا، یا چڑھ جاؤ آسمان میں۔ اور ہم نہ مانیں گے تمہارے چڑھ جانے کے سبب، یہاں تک کہ

تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ۱۰

اتار کر لاؤ ہم پر کوئی کتاب، کہ ہم اُسے پڑھیں"۔ جواب دو کہ "پاکی ہے میرے پروردگار کی، میں ہوں کیا، بجز ایک انسان کے، جو رسول ہے●

(یا ہو تمہارا کوئی گھر سونے کا) جس میں تم رہو اور اس سے تمہاری عظمت کا اندازہ لگے۔ (یا چڑھ جاؤ آسمان میں) تاکہ تمہاری رفعتِ شان دیکھی جاسکے۔ (اور) یہ خیال رہے، کہ (ہم نہ مانیں گے) تمہاری نبوت کو صرف (تمہارے) آسمان پر (چڑھ جانے کے سبب یہاں تک کہ اتار کر لاؤ ہم پر کوئی کتاب کہ ہم اُسے پڑھیں) اور اس میں تیری تصدیق لکھی ہو۔ (جواب دو، پاکی ہے میرے پروردگار کی، میں ہوں کیا، بجز ایک انسان کے جو رسول ہے) سب رسولوں کی طرح، اور اگلے سب رسولوں نے وہی معجزے ظاہر کیے جو ان کی قوم کے مناسب تھے، اور معجزات کا ظاہر ہونا حق تعالیٰ کی قدرت اور ارادے سے ہے، رسولوں کے اختیار اور مشیت سے نہیں۔

یہ ان کافروں کی باتوں کا مجمل جواب ہے اور مفصل جواب متفرق آیتوں میں ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ۔۔۔اور۔۔۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا۔۔۔اور۔۔۔ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ۔۔۔المختصر۔ ربِّ کریم اگر ان کے مطالبے کو پورا فرما دیتا، جب بھی یہ ماننے والے نہ تھے۔ اور نہ ماننے کی پاداش میں ان کا ہلاک ہو جانا یقینی ہو جاتا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰۤی اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا

اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے، جب کہ آگئی اُن کے پاس ہدایت۔ مگر یہ، کہ اُن کا قول رہا،

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۴﴾

کہ کیا اللہ نے بھیجا ہے بشر کو رسول●

دَرحقیقت (اور) فی الواقع، (نہیں روکا) ان مکہ کے (لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ آگئی ان کے پاس ہدایت)، یعنی زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے "بیان حق"، (مگر یہ کہ ان کا قول رہا، کہ کیا اللہ) تعالیٰ (نے بھیجا ہے بشر کو رسول) بنا کر۔۔الحتصر۔۔اس بات نے ان کو ایمان سے باز رکھا اور منع کیا کہ بشریت رسالت کو مانع ہے، اور انہوں نے اس بات میں خطا کی، اس واسطے کہ ہم جنس ہونا باہم انس و محبت کا سبب ہوتا ہے اور غیر جنس ہونے سے باہم دوری اور بیگانگی رہتی ہے، تو رسول انہیں لوگوں کی جنس سے ہونا چاہیے جن کی طرف بھیجا جائے، تا کہ انہیں فائدہ دے اور وہ فائدہ حاصل کرسکیں۔۔تو۔۔

قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِی الۡاَرۡضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّیۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَیۡهِمۡ

جواب دے دو کہ "اگر ہوتے زمین میں فرشتے، چلتے پھرتے چین کرتے، تو ضرور ہم اتارتے اُن پر

مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۵﴾

آسمان سے فرشتہ کو رسول"●

اَے محبوب! جو کفار یہ کہتے ہیں کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے، ان کو واشگاف انداز میں (جواب دے دو، کہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلتے پھرتے، چین کرتے، تو ضرور ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتوں کو رسول) بنا کر، تا کہ جمع ہو سکتے اور ہدایت و تلقین لے سکتے، اس واسطے کہ تعلیم دینے اور تعلیم پانے میں مناسبت اور جنسیت باہم شرط ہے۔ چونکہ زمین پر آدمی رہتے ہیں، تو ان پر آدمی ہی کو رسول بن کر آنا چاہیے۔۔الحاصل۔۔

قُلۡ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًۢا بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۹۶﴾

کہہ دو کہ "اللہ کافی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان"۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار و نگراں رہا●

اَے محبوب! وہ کفار جو آپ سے پوچھتے ہیں، کہ آپ کی رسالت کا گواہ کون ہے؟ تو اُن سے (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان)۔ خدا کی گواہی یہ ہے کہ وہ معجزہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر، اس واسطے کہ معجزہ زبانِ حال سے ناطق ہے اِس بات پر، کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس کے رسول ہیں، تو معجزہ کی گواہی حق سبحانہ وتعالیٰ کے قول کے قائم مقام ہے، کہ وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ کسی بات کے تعلق سے سچی شہادت دینے کے لیے اُس کا کماحقہٗ مشاہدہ ضروری ہے، تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر علیم وخبیر کون ہے؟ (بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ونگراں رہا)، یعنی وہ ان کے پوشیدہ اسرار اور احوال کو جانتا ہے اور ان کے ظاہر اعمال اور اقوال کو دیکھتا ہے۔

وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِیَآءَ

اور جسے اللہ راہ دے، تو وہ راہ پر ہے۔ اور جسے بے راہ رکھے، تو ہرگز نہ پاؤ گے مفید اُن کے لیے انہیں، جو اللہ کو چھوڑ کر فرضی

مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ

اولیاء ہیں۔ اور حشر کریں گے ہم اُن کا قیامت کے دن اُن کے منہ کے بل، اندھے، اور گونگے اور بہرے،

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا ﴿۹۷﴾

اُن کا ٹھکانہ ہے جہنم۔ جب بجھنے لگی، ہم نے بھڑکا دیا●

(اور) یہ حقیقت ہے کہ (جسے اللہ) تعالیٰ (راہ دے)، یعنی جسے ہدایت کا حکم کر کے توفیق عطا فرمائے، (تو) بس (وہ) ہی (راہ پر) آنے والا (ہے۔ اور جسے بے راہ رکھے)، یعنی جس کی گمراہی کا حکم کرے اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔۔الختصر۔۔راہ پر آنے کی توفیق اُس سے چھین لے، (تو ہرگز نہ پاؤ گے مفید) دوست ومددگار (ان کے لیے انہیں، جو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر فرضی) اور خودساختہ (اولیاء ہیں)، جنہیں وہ اپنے طور پر اپنا دوست اور مددگار گمان کر رہے ہیں۔ ان منکرین کو ہم ان کے کیفرِ کردار تک پہنچا دیں گے، (اور حشر کریں گے ہم ان کا قیامت کے دن ان کے منہ کے بل، اندھے اور گونگے اور بہرے)۔

۔۔الغرض۔۔ جو قادرِ مطلق انہیں پاؤں کے بل چلانے کی قدرت رکھتا ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ دنیا میں غرور وتکبر کرنے کی سزا میں انہیں میدانِ قیامت میں منہ کے بل چلائے اور انہیں

ذلیل وخوار کرے۔۔اور۔۔وہ اندھے اٹھیں۔یعنی ایسی چیز نہ دیکھ سکیں جس کے سبب سے ان کی آنکھ روشن ہوجائے، اس واسطے کہ دنیا میں قدرت کی نشانیوں کا وہ مشاہدہ نہیں کرتے تھے۔۔یوں ہی۔۔وہ گونگے ہوں گے، یعنی وہ بات نہ کہیں گے جو قبول ہو، اس واسطے کہ دنیا میں حق بات نہ کہتے تھے۔۔ ایسے ہی۔۔وہ بہرے ہوں گے، یعنی ایسی باتیں نہ سنیں گے جس سے خوش ہوں، اس جہت سے کہ اس عالم میں حق بات نہ سنتے تھے۔

اوران سب باتوں پر مستزاد یہ ہے، کہ (ان کا ٹھکانہ ہے جہنم)۔جس وقت انہیں دوزخ کی آنچ لگے گی، یعنی دوزخ کی آگ ان کو اپنے لپیٹ میں لے گی اوران کے گوشت و پوست کوجلادے گی اوروہ کوئلے کے مثل ہوجائیں گے، تو دوزخ کی آگ بھی اُسی طرح بجھے گی جیسے کہ دنیا کی آگ لکڑی جلنے کے بعد بجھتی ہے، تو زیادہ کردیں گے ہم ان کے واسطے آگ جلتی ہوئی۔۔یا۔۔جَلادیں گے ہم آگ اِس طرح پر، کہ اُن کی کھالیں اور گوشت تبدیل کردیں گے، تاکہ آگ پھران میں لپٹے۔۔المختصر۔۔جب (جب بجھنے لگی) آگ (ہم نے) اُسے (بھڑکادیا)۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

یہ سزا ہے اُن کی، کہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا، اور بکا کیے، کہ "کیا جب ہم ہوچکے ہڈیاں اور چُورا چُورا،

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۹۸

تو ہم کیا واقعی اٹھائے جائیں گے، نئے سرے سے پیدا کرکے"●

(یہ) اب (سزا ہے ان کی)، کیوں (کہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا) یعنی اُن معجزات کا۔۔یا۔۔قرآنی آیتوں کا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدق پر دلالت کرتی تھیں (اور) ساتھ ہی ساتھ (بکا کیے) اور یہ بکواس کرتے رہے، (کہ کیا جب ہم ہوچکے ہڈیاں اور چوراچورا، تو ہم کیا واقعی اٹھائے جائیں گے نئے سرے سے پیدا کرکے)۔ چونکہ وہ نئی پیدائش کے منکر تھے، تو ہر ساعت میں سوؔ بار جلائے جائیں گے اوران کا گوشت و پوست اُسی دم تازہ کردیا جائے گا، تاکہ خوب عذاب کھینچیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ

کیا انہیں نہیں سوجھا، کہ بے شک اللہ، جس نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو، قدرت رکھتا ہے اِس پر، کہ پیدا فرمادے

مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

انہیں کی طرح، اور کر دیا اُن کا ایک وقت جس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اندھیر والوں نے تو انکار کر دیا ناشکری میں ●

(کیا انہیں) یعنی اِن اعتراض کرنے والوں کو (نہیں سوجھا) اور خدائے قادرِ مطلق کی بے پایاں قدرت کو سمجھنے کے لیے وہ یہ نہ سمجھ سکے، (کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، قدرت رکھتا ہے اِس پر کہ پیدا فرمادے انہیں کی طرح) دوبارہ۔

یہاں 'نفس شے' کو مثل سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ بولا جاتا ہے "مِثْلُكَ لَا تَفْعَلُ كَذَا" یعنی 'تجھ سا آدمی ایسا نہیں کرتا'، یعنی تو ایسا نہ کر۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بے چیز کے چیز کو پیدا کرتا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ پرانی چیز کی نئی پیدائش کر دے۔

۔۔الحاصل۔۔ حق تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا (اور کر دیا ان کا ایک وقت جس میں کوئی شک نہیں) اور وہ موت کا وقت ہے جو آ کر ہی رہے گا۔۔ یا یہ کہ۔۔ حق تعالیٰ نے ان کے دوبارہ پیدا ہونے کے واسطے مدت مقرر کر رکھی ہے اور وہ قیامت ہے۔ (مگر اندھیر والوں نے تو انکار کر دیا ناشکری میں)، یعنی یہ ان کا بعث و حشر کا انکار ان کی ناشکری اور کفر کا نتیجہ ہے۔

کفارِ مکہ نے یہ کہا تھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نکال دیں۔ انہوں نے اپنے شہروں میں دریاؤں اور چشموں کا مطالبہ اس لیے کیا تھا، تا کہ ان کے اموال زیادہ اور ان کی معیشت ان پر وسیع ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے بتایا، کہ۔۔۔

زمین کی پیداوار کا اُن پر زیادہ ہو جانا اتنی بڑی چیز نہیں ہے۔ اگر وہ بالفرض اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کے بھی مالک ہو جائیں، پھر بھی اُن کی حرص اور ان کا بخل کم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے خزانے اور اس کی رحمتیں غیر متناہی ہیں۔۔ بالفرض۔۔ اگر وہ ان سب کے بھی مالک ہو جائیں، تب بھی اُن کی طمع ختم نہیں ہوگی اور نہ ان کا بخل ختم ہوگا۔۔ تو۔۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ

کہو کہ "اگر تم لوگ مالک ہوتے میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے، تو انہیں بند کر دو خرچ ہو جانے کے ڈر سے"۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

اور انسان بڑا کنجوس رہا●

ع ۱۱/۷

اَے محبوب! اُن سے (کہو، کہ اگر تم لوگ مالک ہوتے میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے، تو) سوچتے کہ (انہیں بند کردو) اور کہیں محفوظ کردو (خرچ ہو جانے کے ڈر سے)۔ چونکہ انسان محتاج بنایا گیا ہے اور محتاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاس اُس چیز کو سنبھال رکھے جس کی اس کو ضرورت ہو۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (انسان بڑا کنجوس رہا) یعنی انسان کا بخل فطری ہے۔

اِسی لیے جب آپ کسی شیرخوار کی طرف کوئی خوبصورت چیز بڑھاتے ہیں، تو وہ لے لیتا ہے اور اگر اس کے ہاتھ سے کچھ لینا چاہتے ہیں، تو وہ نہیں دیتا۔ اب رہ گیا بعض افراد کا بعض مقامات پر سخاوت کا مظاہرہ کرنا، تو اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ کبھی کوئی انسان دنیا میں تعریف وتحسین کی بناء پر سخاوت کرتا ہے، اور کبھی اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اور اخروی اجروثواب کے لیے سخاوت کرتا ہے، تو اس کی سخاوت بھی کسی غرض اور کسی عوض کے لیے ہوتی ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ انسان اپنی اصل فطرت میں بخیل ہے۔

۔۔الختصر۔۔ اگر مخلوقات میں سے ایک بھی اللہ جل شانہ کی نعمتوں کے خزانے کا مالک ہو جائے، تو ہرگز اس کی بخشش اللہ کی بخشش کے برابر نہ ہوگی، اِس جہت سے کہ اُس میں کچھ تو اپنی ذات کے واسطے بھی لے گا اور اس کے کم ہو جانے سے ڈرے گا، اور حق تعالیٰ اپنی بخشش میں ان دونوں باتوں سے منزہ ہے۔۔الغرض۔۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بخیل اور جمع کرنے والا ہے۔

اِس مقام پر یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ بخل اگرچہ انسانی فطرت میں داخل ہے، اس لیے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے بخل وغیرہ میں مبتلا ہوسکتا ہے، لیکن اللہ والے یعنی انبیاء واولیاء اِس سے مستثنیٰ ہیں، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کی صفات کے پرتو اور اس کی ذات کے اسرار کے مظہر ہوتے ہیں۔۔نیز۔۔ اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہونا ان کی شان ہوا کرتی ہے۔

اب آگے کے ارشادات میں کفارِ مکہ کو ان کے فرمائشی معجزات کے مطالبے کا جواب دینا ہے کہ ہم نے تمہارے فرمائشی معجزات سے بھی قوی معجزے قوم فرعون کے سامنے پیش کیے۔ سو واضح ہوگیا کہ ایسے معجزے نازل کرنا ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ سو اگر ہمیں یہ علم ہوتا کہ تمہارے لیے اِن معجزات میں کوئی مصلحت ہے، تو ہم تمہارے لیے بھی ایسے معجزات نازل کردیتے۔ ایسا کردینا ہمارے لیے مشکل۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ

اور بے شک دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں روشن، تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے جب وہ آئے تھے ان میں،

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

تو بولا انہیں فرعون کہ "بلاشبہ میں ضرور خیال کرتا ہوں آپ کے بارے میں اَے موسیٰ، کہ جادو کا معاملہ ہے"●

(اور) دشوار نہ تھا، جس طرح **(بے شک دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں روشن)**، یعنی ید بیضاء، عصا، قبطیوں پر قحط، پھلوں کی کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔

جن میں آخر کی پانچ نشانیوں کا ذکر الاعراف آیت ۱۳۳ میں ہے۔ آیتِ کریمہ میں جن خصوصی نشانیوں کا ذکر مطلوب ہے وہ یہی ہیں، لیکن حضرت موسیٰ کو ان کے سوا بھی نشانیاں عطا فرمائی گئیں جن کا ذکر قرآنِ کریم کی دیگر آیات میں ہے۔ ایک روایت کے مطابق نو۹ آیات سے مراد نو۹ احکام ہیں۔ وہ احکام یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ﴿۲﴾۔۔زنا نہ کرو۔

﴿۳﴾۔۔جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔

﴿۴﴾۔۔چوری نہ کرو۔ ﴿۵﴾۔۔جادو نہ کرو۔

﴿۶﴾۔۔کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ، کہ وہ اُسے قتل کر دے۔

﴿۷﴾۔۔سود نہ کھاؤ۔ ﴿۸﴾۔۔کسی پاک دامن کو تہمت نہ لگاؤ ۔۔اور۔۔

﴿۹﴾۔۔میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ دکھاؤ۔

۔۔۔یہ نو۹ احکام سبھوں کے لیے اور خصوصاً یہودیوں کے لیے کہ "ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھو"۔

دراصل دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے نو۹ آیات کے بارے میں وضاحت چاہی، تو آپ نے مذکورہ بالا وضاحت فرما دی۔ یہ وہ احکام ہیں جو ہر ملت میں ثابت اور نافذ تھے، اس واسطے آخر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ تم جو یہود ہو تمہارے واسطے یہ بھی حکم خاص ہے، کہ ہفتہ کے دن فرمان کی حد سے باہر نہ ہو جاؤ۔۔ الختصر۔ آیات سے مراد معجزات ہوں یا احکام، دونوں ہی حضرت موسیٰ کی نبوت پر واضح طور پر دلالت کرتے تھے۔

(تو) اَے محبوب! **(پوچھ لو بنی اسرائیل سے)** یعنی ان کے عالموں سے یہی نشانیاں، تا کہ تمہارے قول کی سچائی مشرکین پر ظاہر ہو جائے ۔۔یا یہ کہ۔۔ پوچھو یہود سے **(جب وہ)** یعنی حضرت

موسیٰ (آئے تھے ان میں تو) فرعون اور ان کے درمیان کیا گزری، یہی نا! کہ (بولا انہیں فرعون، کہ بلاشبہ میں ضرور خیال کرتا ہوں آپ کے بارے میں اَے موسیٰ کہ جادو کا معاملہ ہے)، یعنی آپ کے معجزات دراصل آپ کے ساحرانہ کرتب کا نتیجہ ہیں۔۔یا۔۔آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے، جبھی آپ ایسی غیر معقول باتیں کرتے ہیں۔ اِس کا حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

جواب دیا کہ "سچ یہ ہے، کہ تو خوب جان چکا ہے، کہ نہیں نازل فرمایا ان سب کو، مگر آسمانوں اور زمین کے پالنے والے نے،

بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾

آنکھیں کھولنے کو، اور بلاشبہ میں خیال کرتا ہوں تجھے اَے فرعون، کہ ہلاک ہو جائے گا"●

(جواب دیا کہ سچ یہ ہے، کہ تو) اگر چہ زبان سے اقرار نہیں کرتا لیکن دل سے (خوب جان چکا ہے کہ نہیں نازل فرمایا ان سب) معجزات وآیات (کو مگر آسمانوں اور زمین کے پالنے والے نے آنکھیں کھولنے کو)، یعنی یہ معجزات بالکل روشن اور واضح ہیں، جو تجھے میری نبوت کی صداقت پر راہ دکھاتے ہیں، لیکن تو ان کے مقابلے میں ضد کرتا ہے بلکہ تکبر کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اِن معجزات میں ہر معجزہ فرداً فرداً میری نبوت ورسالت پر دلالت کرتا ہے۔ (اور بلاشبہ میں خیال کرتا ہوں تجھے اَے فرعون کہ ہلاک ہو جائے گا)۔ فرعون کا گمان جھوٹا تھا اور حضرت موسیٰ کا گمان سچا تھا۔

فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾

تو اُس نے چاہا کہ کھسکا دے انہیں اراضی سے، چنانچہ ڈبو دیا ہم نے اُس کو اور اُس کے سب ساتھیوں کو●

(تو اُس نے) یعنی فرعون نے اپنے جھوٹے گمان کے نتیجے سے (چاہا، کہ کھسکا دے انہیں آراضی سے) یعنی زمین مصر سے۔۔یا۔۔تمام روئے زمین سے قتل کر کے۔۔یا۔۔جڑ سے کاٹ کر۔

فرعون نے جو چاہا وہ نہ کر سکا اور اس کا گمان باطل ہو کے رہا۔ اِس کے برخلاف حضرت موسیٰ نے جو ظن غالب' فرمایا اور جو خیال کیا، وہ ہو کے رہا۔

(چنانچہ ڈبو دیا ہم نے اس کو اور اس کے سب ساتھیوں کو) یعنی قبطیوں کو، اور آپ کی قوم کو آپ کے سچے گمان کی وجہ سے ہم نے نجات بخشی۔۔الغرض۔۔ہم نے فرعون کی تدبیر کو الٹ دیا۔ اُسے اور اُس کی قوم کو غرق کر کے اُس کی جڑ کاٹ دی۔

وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ

اور فرما دیا اُس کے بعد بنی اسرائیل کو، کہ رہو سہو اِس زمین میں، پھر جہاں آیا آخرت کا وعدہ،

جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا ؕ ۱۰۴

لے آئے ہم تمہیں لپیٹ کر●

(**اور فرما دیا اس کے بعد**) یعنی فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دینے کے بعد (**بنی اسرائیل کو، کہ رہو سہو اس زمین میں**) یعنی اس زمین میں جس سے تمہارے نکلوانے کا فرعون نے منصوبہ بنایا تھا۔

خواہ وہ مصر ہی کی زمین ہو یا آس پاس کی کوئی اور زمین ہو۔ خیال رہے کہ یہاں مصر کی زمین اُسی وقت مراد ہو سکتی ہے، جب کہ ثابت ہو جائے کہ بنی اسرائیل دوبارہ مصر میں واپس لوٹ آئے تھے۔

۔۔الحاصل۔۔اَے اولادِ یعقوب زمین میں رہائش اختیار کرو جب تک کہ قیامت نہ آجائے، (**پھر جہاں آیا آخرت کا وعدہ**) یعنی حسبِ وعدہ قیامت قائم ہوگئی، تو میدانِ حشر میں (**لے آئے ہم تمہیں لپیٹ کر**) باہم ملی جلی جماعت کی شکل میں، یعنی تمہیں تمہاری قبروں سے سمیٹ کے لے آئیں گے، یعنی تمام مخلوق کو مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد۔ پھر ہم حکم کریں گے کہ نیک بخت علیحدہ ہو جائیں اور بد بخت علیحدہ۔ اس طرح سعید اور شقی چھٹ جائیں گے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں گے۔

اب اگر بالفرض اس حال میں کفار مومنین کے ساتھ لپٹ جائیں، تا کہ اس بہانے ان کی نجات ہو جائے، تو اس وقت ان کا یہ لپٹنا سودمند نہ ہوگا، بلکہ حکم ہوگا "**فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ** اور **فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ**" کیونکہ کفار کا اہل ایمان کے ساتھ ظاہری طور پر چمٹنا اور صورتاً ان کے ساتھ رابطہ قائم کرنا اس لیے مفید نہ ہوگا، کہ ان کے آپس کے اعتقادات اور اعمالِ صالحہ میں بہت فرق ہوگا۔۔الغرض۔۔قیامت میں کام آنے والی چیز ایمان اور نیک اعمال ہی ہیں۔ اب اگر کوئی ایمان ہی سے تہی دامن ہو، تو حشر کے دن اُسے کون سہارا دے سکے گا؟ ظاہر ہو گیا حشر کے روز کافر کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ اگر تمام انس اور جن مل کر قرآنِ مجید کی نظیر لانا چاہیں، تو نہیں لا سکتے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے، اور ظاہر ہے کہ اس معجزہ کے ہوتے

ہوئے کفار کے فرمائشی معجزات دکھانے کی ضرورت نہیں۔اوراب اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید کی مزید حقانیت واضح کرنے کے لیے فرمارہا ہے، کہ قرآنِ کریم ہمارانازل کردہ ہے۔۔۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۞ ۱۰۵

وقف لازم

اور ہم نے بالکل ٹھیک اسے نازل کیا، اور وہ ٹھیک ہی نازل ہوا، اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو، مگر خوشخبری سناتا اور ڈراتا۔۔●۔۔

(اور ہم نے بالکل ٹھیک اِسے نازل کیا اور وہ ٹھیک ہی نازل ہوا)، یعنی ہم نے قرآنِ مجید کو نازل کیا درآنحالیکہ وہ حق کے ساتھ ملتبس ہے اور وہی حق اس کے انزال کا متقاضی ہے اور وہ بھی حق سے ملتبس ہوکر نازل ہوا ہے اور اس سے حق مقصود ہے۔

ایک قول کے مطابق بالحق میں 'باء' علیٰ کے معنی میں ہے اور 'حق' سے مراد محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اب عبارت کی صورت ہوگی "وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَزَلَ"، یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوا۔بعض بزرگوں کے ارشاد کی روشنی میں وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ایک ایسا وظیفہ ہے کہ اگر کوئی دردمند اپنا ہاتھ اپنے درد کی جگہ پر رکھ کر مذکورہ بالا کلمات پڑھے، تو بفضلہٖ تعالیٰ اُسے فوراً آرام ہوجائے۔جس بزرگ کا یہ قول ہے، یہ ان کے مجربات میں سے بھی ہے۔

۔۔الختصر۔۔قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے، اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس لیے کہ حق اس چیز کو کہتے ہیں جو ثابت ہو اور زائل نہ ہوسکے۔کیونکہ جو چیز باطل ہو، وہ زائل ہوجاتی ہے اور قرآنِ کریم جن امور کے بیان پر مشتمل ہے وہ زائل نہیں ہوسکتے۔کیونکہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے صفات کے بیان پر مشتمل ہے اور اس میں ملائکہ کا ذکر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر دلائل ہیں۔قیامت اور حشر ونشر کا ذکر ہے اور ان میں سے کوئی چیز زوال پذیر نہیں ہے، اور اس میں شریعتِ اسلامیہ کا ذکر ہے، جس کے احکام ناقابل تنسیخ ہیں اور خود یہ کتاب لافانی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ضامن ہے۔

اس کتاب میں کمی۔۔یا۔۔زیادتی۔۔یا۔۔تحریف۔۔تنسیخ نہیں ہوسکتی۔نہ اِس کتاب کی کوئی مثال لاکر اُس سے معارضہ کیا جاسکتا ہے۔

تو اَے محبوب! آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرنے والے جہلاء اور منکرین آپ کے دین کو قبول کرلیں تو فبہا ورنہ ان کے کفر پر جمے رہنے سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔**(اور)** وہ اس لیے،

کہ (نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر خوشخبری سناتا اور ڈراتا)، تو آپ کو صرف بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ تو اپنا فریضہ بحسن وخوبی ادا کر رہے ہیں، تو پھر ان منکرین کے انکار سے آپ کو کیا نقصان پہنچنے والا ہے۔

اب رہ گیا بعض منکرین کا یہ سوال، کہ چلو مان لیا کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے، لیکن تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوا ہے؟ مکمل قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا، جیسے توراۃ اور انجیل یکبارگی نازل ہو گئیں تھیں۔

حق تعالیٰ اس کا جواب یہ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن کو، ہم نے ذرا ذرا کر کے بھیجا، تا کہ تم پڑھو اِسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر، اور ہم نے اِسے آہستہ آہستہ کر کے اتارا●

(اور) واضح فرماتا ہے کہ (قرآن کو ہم نے ذرا ذرا کر کے بھیجا تا کہ تم پڑھو اِسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر) اس لیے کہ یہ طریقہ حفظ کرنے کے واسطے بہت آسان ہے اور فہم سے بہت قریب ہے۔۔ اِسی مصلحت (اور) حکمت کے پیش نظر (ہم نے اِسے آہستہ آہستہ کر کے اتارا)۔ یہی حکمت کے قانون کا تقاضا تھا، کہ اُسے حوادث کے مطابق اور سائلین کے جواب کے موافق اتارا جائے۔

۔۔لہٰذا۔۔قرآنِ کریم تھوڑا تھوڑا تئیس [۲۳] سال تک نازل ہوتا رہا، اس طرح تئیس [۲۳] سال تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی اور تمام زمانہ رسالت میں سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب سے رابطہ قائم رہا۔ اور بار بار نزولِ وحی کی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بار بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوتا رہا ۔۔نیز۔۔توریت کا نزول پہاڑ طور پر ہوا تھا اور قرآنِ مجید کے بار بار نزول کی بنا پر جو شرف ایک مرتبہ صرف پہاڑ طور کو حاصل ہوا تھا، وہ شرف مکہ کی گلیوں کو اور بازاروں کو، غارِ حراء اور غارِ ثور کو، وادئ بدر کو، اُحد کی گھاٹیوں کو، حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کو بھی حاصل ہوا۔۔المختصر۔۔قرآنِ کریم کی معجزانہ شان اور اس کی رفعت وحکمت کسی کے ماننے پر موقوف نہیں۔۔تو۔۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

کہہ دو، کہ اِسے مانو یا نہ مانو۔ بے شک جنہیں دیا گیا ہے علم اِس کے پہلے سے، جب تلاوت کیا جاتا ہے قرآن اُن پر،

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷

تو گر جاتے ہیں ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے●

اِن کافروں سے (کہہ دو، کہ اسے مانو یا نہ مانو)، قرآنِ مجید کی شان وعظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ نہ تمہارا ایمان لانا قرآنِ مجید کے کمال میں اضافہ کرے گا اور نہ ہی تمہارا انکار کرنا اِسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ امر تہدیدی ہے۔ اس کلامِ الٰہی کی عظمت کا حال یہ ہے، کہ (بے شک جنہیں دیا گیا ہے علم اس کے پہلے سے) یعنی قرآن نازل ہونے کے قبل سے، یعنی جو آسمانی کتابیں پڑھے ہیں اور وحی کی حقیقت پہنچاتے ہیں اور نبوت کی نشانیاں معلوم کر چکے ہیں، جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے تابع یہودی لوگ اور نجاشی اور ان کے مصاحب نصاری۔۔یا۔۔دین کے طالب جیسے سلمان، ابوذر، ورقہ بن نوفل اور ان کے مثل رضوان اللہ تعالٰی علیہم، تو یہ وہ لوگ ہیں، کہ (جب تلاوت کیا جاتا ہے قرآن ان پر، تو گر جاتے ہیں ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے) یعنی مونہوں کے بل امرِ خدا کی تعظیم کے واسطے۔۔یا۔۔وہ وعدۂ الٰہی پورا ہونے کے شکر میں جو کتابوں میں انہوں نے پڑھا تھا، کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم رسول ہوں گے اور قرآنِ شریف ان پر نازل ہوگا۔

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸

اور کہتے ہیں، "پاکی ہے ہمارے پروردگار کی، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ کیا دھرا ہے"●

(اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے پروردگار کی) یعنی ہمارا پروردگار وعدہ خلافی کرنے سے پاک ہے۔ (بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ کیا دھرا ہے) اُسے ضرور بالضرور پورا ہونا ہے۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹ ۩

اور گرتے ہیں ٹھوڑی کے بل روتے ہیں، اور بڑھتا جاتا ہے اُن کے دِل کا جھکاؤ●

(اور گرتے ہیں ٹھوڑی کے بل) یعنی مونہوں کے بل سجدوں میں۔

ٹھوڑی کا ذکر اِس جہت سے ہے کہ سجدہ کرنے والے کے چہرے میں جو چیز پہلے زمین کی طرف جھکتی ہے وہ ٹھوڑی ہے۔ مفسرین کے نزدیک پہلا سجدہ، شکر کے واسطے ہے اور یہ سجدہ قرآنِ شریف کی نصیحتوں کا اثر قبول کرنے کی جہت سے ہے، تو خاص کر کے اس سجدہ میں فرمایا۔۔۔

السجدۃ ۱۰

(روتے ہیں اور بڑھتا جاتا ہے ان کے دل کا جھکاؤ)، یعنی ان کے دل کی فروتنی اور عاجزی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قرآنی سجدوں میں سے یہ چوتھا سجدہ ہے، جسے 'سجودِ العلماء' کہا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ 'سجودِ تجلی' ہے، اس لیے کہ عاجزی، تجلی الٰہی واقع ہونے سے ہوتی ہے، تو عاجزی کی زیادتی تجلی کی زیادتی کی دلیل ہوتی ہے، اور اس تقدیر پر یہ 'سجودِ تجلی' ہوگا۔ اور سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ اس سجدے کی برکت سے بہرہ مند ہو اور اس کا خشوع وخضوع اور زیادہ ہو جائے۔

اِس مقام پر یہ خیال رہے، کہ امامِ اعظم کے نزدیک اگر حالتِ نماز میں خوفِ خدا سے رونے کی آواز آئے، تو نماز نہیں ٹوٹے گی، اور اگر درد سے رو رہا ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۔۔الغرض۔۔خوفِ خدا سے رونا بھی اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا جس انداز اور جن کلمات سے اُسے پکارے، وہ خوب تر ہی ہے۔۔تو۔۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

تم کہہ دو کہ "تم لوگ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جو کچھ کہہ کر پکارو، سب اچھے نام اُسی کے تو ہیں۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾

اور نہ چلاّؤ اپنی نماز میں، اور نہ پُھس پُھساؤ اُس میں، اور اُن کے بیچ کا راستہ رکھو"●

اے محبوب! (تم کہہ دو، کہ تم لوگ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جو کچھ کہہ کر پکارو، سب اچھے نام اُسی کے تو ہیں) جس ذات کا ذاتی نام اللہ ہے، اُسی ذات کا صفاتی نام رحمٰن ہے۔ دونوں کلمات سے ایک ہی ذات مراد ہے۔

اسماءِ الٰہیہ کے تعلق سے مختصر اور جامع تشریح الاعراف آیت نمبر ۱۸۰ میں کی جا چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۔۔المختصر۔۔اللہ کی عبادت میں بھی اعتدال اور درمیانہ روی کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے، تو اے محبوب! بلند آواز نہ کرو (اور نہ چلاّؤ اپنی نماز میں) کہ مشرک لوگوں کو ہنسی کھیل کرنے، سیٹی بجانے اور آپ کی توجہ کو قرآنِ کریم سے ہٹانے کے خیال سے شور وغل کرنے کا موقع مل جائے اور وہ قرآن کو، اللہ تعالیٰ کو، اور آپ کو بُرا کہنے لگیں (اور نہ) ہی (پُھس پُھساؤ اس میں) کہ آپ کے ان اصحاب کو بھی سنائی نہ دے، جو آپ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ (اور ان کے بیچ کا راستہ رکھو) اس لیے کہ راہ

اوسط سب کاموں میں خوب اور محبوب ہے۔

روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن آہستہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ "میں خدا سے مناجات کرتا ہوں اور وہ میری حاجت جانتا ہے" اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قرآن شریف بآوازِ بلند پڑھتے اور فرماتے کہ "میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں"۔ اور جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی، تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ ذرا آواز بلند کرو اور حضرت فاروق سے فرمایا کہ اپنی آواز ذرا پست کرو۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے، کہ اِس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اَے حبیب! نہ سب نمازوں میں بآوازِ بلند قرأت کرو اور نہ ہی سب نمازوں میں آہستہ، بلکہ ان دونوں صورتوں میں ایک راہِ اوسط نکال لو، یعنی دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو، کیونکہ یہ لوگوں کے ہوشیار رہنے اور کھیل تماشا وغیرہ کرنے کا وقت ہے اور رات کی نمازوں میں بآواز بلند قرأت کرو، کیونکہ یہ لوگوں کی غفلت اور سونے کا وقت ہے۔ یہ حکم فرائض کا ہے اور نوافل میں نمازی کو اختیار ہے، خواہ وہ رات کے نوافل میں آہستہ قرأت کرے یا بلند آواز سے۔۔الختصر۔۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ

اور کہتے رہو کہ "ساری حمد اللہ کی، جس نے نہ رکھا اپنی کوئی اولاد، اور نہ کبھی رہا اُس کا کوئی شریک بادشاہی میں،

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۱۱۱ ع ۱۲

اور نہ کبھی رہا اُس کا مددگار کمزوری کی بنا پر، اور بولتے رہو اُس بڑے کی تکبیر•

اَے محبوب! حسبِ ہدایت خدا کی عبادت اور اس کا ذکر کرتے رہو (اور کہتے رہو کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کی، جس نے نہ رکھا اپنی کوئی اولاد)۔

اِس قول میں یہود و نصاریٰ اور بنومدلج کا رَد ہے، جو حق تعالیٰ کے واسطے فرزند ثابت کرتے تھے۔

(اور نہ کبھی رہا اس کا کوئی شریک بادشاہی میں)۔

یہ مشرکوں کا رَد ہے جو بتوں کو بادشاہی میں خدا کا شریک کہتے تھے۔

(اور نہ کبھی رہا) کوئی (اس کا مددگار کمزوری کی بنا پر)۔

ظاہر ہے کہ جو تنہا بلاشرکتِ غیر تمام کائنات کا خالق ہے، اس میں ضعف کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ ذہن نشین رہے کہ حق تعالیٰ اس واسطے دوست نہیں کرتا، کہ اس کی مدد کے باعث

خود ذلت سے عزت کو پہنچے، بلکہ اس واسطے دوست کر لیتا ہے کہ اپنی مہربانی سے اُسے ذلت کی پستی سے عزت کی بلندی پر پہنچادے۔

۔۔الغرض۔۔اس کی حمد کرتے رہو **(اور بولتے رہو اُس بڑے کی تکبیر)** یعنی 'اللہ اکبر' کہتے رہو۔

حضرت فاروقِ اعظم سے نقل ہے کہ بندہ کو 'اللہ اکبر' کہنا، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب سے بہتر ہے۔اس سورہ کی اس آخری آیت کو 'آیۃ العز' یعنی 'عزت کی آیت' کہتے ہیں۔حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں جولڑکا باتیں کرنے لگتا، حضرت ﷺ اُسے یہ آیتِ کریمہ سکھاتے۔۔الحاصل۔۔ہر صاحبِ شعور اور عقلِ سلیم والے کو وصف کرنے والوں کے وصف اور عارفوں کی معرفت سے بڑھ کر، حق تعالیٰ کو جاننا چاہیے۔

فقط اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کَبِیۡرًا وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کَثِیۡرًا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۳رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۰ر دسمبر ۲۰۱۰ء۔۔بروز دوشنبہ۔

سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر مکمل ہوگئی۔مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قرآنِ کریم کے باقی حصوں کی تفسیر کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیۡن یَامُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحُرۡمَتِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۴رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۱ر دسمبر ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ۔سورۂ کہف کی تفسیر کا آغاز کر دیا۔

مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور پورے قرآنِ کریم کے باقی حصوں کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائے۔

آمِیۡن بِجَاہِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَۃُ الْکَہْفِ ١٨ مَکِّیَّۃٌ ٦٩ — اٰیَاتُہَا ١١٠ رُکُوْعَاتُہَا ١٢

سُوْرَۃُ الْکَہْفِ

سورۂ کہف مکیہ — آیات ١١٠ رکوع ١٢

سورۂ کہف کو اس سے پہلی سورۂ بنی اسرائیل سے باہمی مناسبت کے بعض گوشے یہ ہیں:

﴿١﴾۔۔سورۂ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم ہوتی ہے اور سورۂ کہف کی ابتداء حمدِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ گویا جس نقطے پر 'بنی اسرائیل' کا اختتام ہوا تھا اسی نقطے سے 'الکہف' کا آغاز ہوا ہے۔

﴿٢﴾۔۔سورۂ بنی اسرائیل کو سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ سے شروع کیا گیا ہے اور سورۂ کہف کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ سے شروع کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں۔۔نیز۔۔احادیثِ کریمہ میں جا بجا تسبیح الٰہی اور حمدِ خداوندی کو ملا کر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سو اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کیجیے۔ اور حدیث میں ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ تو جس طرح تسبیح اور حمد کا ذکر مقرون ہوتا ہے، اسی طرح جس سورت کے شروع میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ کا ذکر تھا اور جس سورت کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ کا ذکر تھا، ان کو مقرون کر دیا۔۔

علاوہ ازیں سورۂ بنی اسرائیل آیت ٨٥ میں دعویٰ کیا گیا، کہ مخلوق کو بہت کم علم دیا گیا ہے اور سورۂ کہف میں اُس کی دلیل پیش کر دی گئی ہے، جہاں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا قصہ ذکر فرمایا ہے۔ ایسے ہی سورۂ بنی اسرائیل آیت ٧٠ میں اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا اور سورۂ کہف آیت ١٠٩ میں یہ بیان فرمایا ہے، کہ دراصل انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں۔۔یوں ہی۔۔بنی اسرائیل آیت ١٠٤ میں حشر ونشر کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے، لیکن سورۂ کہف آیت ٩٨، ١٠٠ میں حشر ونشر اور قیامت کے احوال کی تفصیل بیان فرما دی۔

احادیث کریمہ میں سورۂ کہف کے فضائل کے تعلق سے بہت سارے ارشادات ہیں۔۔مثلاً:

﴿١﴾۔۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ الکہف کی دس آیتیں حفظ کر لیں، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

﴿٢﴾۔۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن سورۂ کہف کو پڑھا، اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور کو روشن کر دیا جائے گا۔

﴿٣﴾۔۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے سورہ کہف کو پڑھا، وہ اُس

کے لیے اُس کے مقام سے لے کر مکہ تک نور ہو جائے گی۔ اور جس شخص نے سورۂ کہف کے آخر کی دس[۱۰] آیتیں پڑھیں، اس شخص کو خروجِ دجال سے ضرر نہ ہوگا۔

بقولِ حضرت انس رضی اللہ عنہ سورۂ الکہف مکمل نازل ہوئی، اس کے ساتھ ستر[۷۰] ہزار فرشتے تھے ۔۔۔ کفارِ مکہ نے اپنے دو نمائندوں یعنی النضر ابن الحارث اور عقبہ ابن ابی المعیط کو مدینہ میں علماءِ یہود کے پاس بھیجا، تاکہ اُن اہلِ کتاب سے رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے ان کی آسمانی کتابوں میں مذکور حقائق کو معلوم کریں۔ اور نبی آخر الزماں ﷺ کی نشانی کی معرفت حاصل کریں، تو علماءِ یہود نے انہیں تین[۳] سوالات بتائے۔ ایک[۱] سوال تھا روح کے تعلق سے اور دوسرا[۲] اصحاب الکہف کے متعلق اور تیسرا[۳] ذوالقرنین کے بارے میں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، کہ میں کل تمہارے سوالات کا جواب دے دوں گا، لیکن آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے، تو اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا وحی نازل نہیں فرمائی، یہاں تک کہ تقریباً پندرہ[۱۵] دن گزر گئے۔ اور آپ شدت واضطراب کے ساتھ نزولِ وحی کا انتظار فرماتے رہے۔ پھر جب وحی کا نزول ہوا، تو اس میں تینوں سوالات کے جوابات سے آپ کو آگاہ کر دیا گیا۔ اس میں روح کے تعلق سے جو سوال تھا، وہ صرف ایک شے کی حقیقت سے سوال تھا، اس کے کسی واقعے کے تعلق سے کوئی دریافت نہ تھی، تو اس کا مختصر جواب جو دیا گیا اُسے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق سورۂ بنی اسرائیل کا حصہ بنا دیا گیا، اس لیے کہ لوحِ محفوظ میں یوں ہی مذکور تھا۔

رہ گئے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے تعلق سے واقعات، تو اُن کے تعلق سے نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، کہ انہیں سورۂ کہف میں رکھا جائے۔ کیونکہ یہی لوحِ محفوظ کی ترتیب ہے۔ یوں بھی ان دونوں واقعات کے اظہار میں جو اسلوبِ بیان اختیار فرمایا گیا ہے، وہ وہی ہے جو سورۂ کہف کا اسلوبِ بیان ہے۔

ذہن نشین رہے، کہ اگرچہ سورۂ کہف نزول کے اعتبار سے انہتر[۶۹] ویں سورہ ہے اور سورۂ بنی اسرائیل نزول کے اعتبار سے پچاسویں[۵۰] سورہ ہے، لیکن ان میں ہر ہر آیت کا محلِ وقوع لوحِ محفوظ کے مطابق ہے، جس کا علم نبی کریم ﷺ کو بذریعۂ وحی ہوا کرتا تھا، جس کی بنیاد پر آپ فرما دیا کرتے تھے، کہ اِس کو فلاں جگہ اور فلاں سورہ میں رکھو۔ تو یہ سراسر 'توقیفی' ہے، نہ کہ 'قیاسی اور عقلی'۔ تو جنہوں نے اس میں عقل وقیاس کی بنیاد پر کچھ کہا، انہوں نے بے جا جسارتِ فکری کا مظاہرہ کیا۔۔۔

یہ سورۂ مبارکہ مکہ میں نازل ہوئی، جس میں ۱۱۰ آیات، ۱۲ رکوع، ۱۶۰۹ کلمات اور ۶۶۲۸ حروف ہیں۔ ایسی مبارک اور عظیم الشان سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے ساری کائنات والوں پر اور (بخشنے والا) ہے مومنین کے گناہوں کا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۟ۜ ﴿۱﴾

ساری حمد اللہ کی، جس نے اتارا اپنے بندہ پر کتاب کو، اور نہ دی اِسے کچھ بھی کجی●

(ساری) خوبیاں، اچھائیاں، برتریاں، (حمد اللہ) تعالیٰ (کی) ذاتِ برتر و بالا کے لیے ہے، جو تمام کمالاتِ جمالیہ وجلالیہ اور صفاتِ تمجیدی وتنزیہی کا جامع ہے۔ تمام عیوب ونقائص تو الگ رہے، وہ ایسی صفت سے بھی پاک ہے جس میں اگر کوئی نقص نہیں مگر اس میں کوئی کمال بھی نہیں۔ (جس) انتہائی کمال وجلال والے (نے اتارا اپنے) مکرم اور باکمال (بندہ پر کتاب) یعنی قرآنِ مجید (کو)۔

قرآن اتارنے پر حمد کے استحقاق کا مترتب ہونا، اس بات کی تنبیہ ہے کہ خدا نے جو نعمتیں اپنے بندوں کو عطا فرمائیں، ان سب نعمتوں سے بڑی نعمت قرآنِ مجید ہے۔

(اور) اس شان کی کتاب، کہ (نہ دی اُسے کچھ بھی کجی) یعنی کسی طرح کی کجی اس میں نہیں رکھی۔ نہ اس کے کلمات میں کوئی اختلاف اور نہ ہی معانی میں کوئی تفاوت۔ تضادِ بیانی اور تناقض کلامی سے بالکل پاک وصاف۔ ایسا بھی نہیں کہ کہیں اس کے بیانات میں حق سے عدول اور باطل کی طرف جھکاؤ ہو۔۔ الختصر۔۔ معنوی اور لفظی ہر طرح کی کجی سے پاک وصاف۔

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

سراپا راست، تاکہ ڈرا دے اللہ کے پاس سے آنے والے سخت عذاب سے، اور خوشخبری دے دے ماننے والوں کو،

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾

جو کام کریں لیاقت والے، کہ بلاشبہ اُن کے لیے اچھا ثواب ہے● جس میں ہمیشہ ٹھہریں گے●

(سراپا راست) یعنی معتدل، جس میں نہ افراط نہ تفریط، بالکل قابلِ اعتماد، جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔۔یا۔۔بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ قائم۔

ایک قول کے پیش نظر لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ میں لَّہٗ کی ضمیر 'عبدِ کامل' کی طرف لوٹتی ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہوا، کہ۔۔۔

اپنے عبدِ مکرم کو اپنے سوا اور کسی طرف میلان نہیں دیا اور سب حالوں میں مستقیم کیا، (تاکہ ڈرادے) وہ عبدِ مکرم ۔۔یا۔۔قرآنِ کریم سارے مکلفین کو (اللہ) تعالیٰ (کے پاس سے آنے والے سخت عذاب سے)، خواہ وہ ہلاکت ہو۔۔یا۔۔دوزخ کا عذاب ہو۔۔یا۔۔ایسا عذابِ الٰہی اور عقوبت ہو جو خدا کے سوا کوئی نہ دے سکے، (اور خوشخبری دے دے) وہ عبدِ کریم ۔۔یا۔۔قرآنِ حکیم (ماننے والوں کو)۔ایسے ماننے والے (جو کام کریں لیاقت والے)۔۔الغرض۔۔ایسوں کو بشارت دے دے (کہ بلاشبہ اُن کے لیے اچھا ثواب ہے) یعنی نیک، پسندیدہ اور پورا اجر انہیں ملنے والا ہے، وہ (جس میں ہمیشہ ٹھہریں گے)، یعنی اس اجر میں ہمیشہ بے انقطاع اور بے انتقال رہیں گے۔

وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾

اور ڈرادے انہیں، جو بکا کیے کہ "بنایا ہے اللہ نے اپنی اولاد"●

(اور) ایمان والوں کو خوشخبری دینے کے ساتھ ساتھ (ڈرادے انہیں جو) نادانی کی راہ سے (بکا کیے کہ بنایا ہے اللہ) تعالیٰ (نے اپنی اولاد)۔اور یہ بات کہنے والے یہود و نصاریٰ اور بنو مدلج ہیں اور صورتِ حال یہ ہے، کہ۔۔۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ

نہ انہیں اِس کا کچھ علم ہے اور نہ اُن کے باپ دادوں کو، کتنی بڑی بولی نکل پڑی اُن کے منہ سے۔

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾

نہیں بولتے، مگر بس جھوٹ●

(نہ انہیں اس کا کچھ علم ہے اور نہ) ہی (ان کے باپ دادوں کو)، یعنی فرزندوں کے تعلق سے جو بات وہ کہتے ہیں وہ کسی علم کی بنیاد پر نہیں، بلکہ صرف اپنے جھوٹے وہم کی بناء پر ایسا کہتے ہیں۔ان کے باپ دادے بھی اپنے وہم کی بنیاد پر یہ بات بکتے رہے۔تو اب اگر یہ موجود افراد اپنے باپ دادوں

کی تقلید میں ایسی بکواس کرتے ہیں، تو غور کا مقام ہے کہ **(کتنی بڑی بولی نکل پڑی اُن کے منہ سے)**۔

کافروں کی اور باتوں کے بہ نسبت یہ بات حق تعالیٰ نے بہت بڑی کہہ کر بیان فرمائی، اس واسطے کہ یہ ایک بات ان بڑی باتوں کو شامل ہے، کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ کا شریک دوسرا ہے۔ اور خدا محتاج ہے اور حدوث کی صفتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔

یہ کفار، **(نہیں بولتے مگر بس جھوٹ)** اور اتنا بڑا جھوٹ، کہ اس کے سبب سے ارشادِ قرآنی کی روشنی میں قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائے اور پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹ جائیں۔ یہ تو قادرِ مطلق کا فضل ہے، کہ باوجود 'علم' کے 'عفو' اور باوجود 'قدرت' کے 'حلم' کا مظاہرہ فرما رہا ہے اور منکرین کو مہلت دے رہا ہے۔

روایت ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ یہ باتیں سن کر رنجیدہ ہوئے اور ان کافروں کے ایمان کی جو امید آپ کو تھی، قریب تھا کہ منقطع ہو جائے۔ حق تعالیٰ نے آپ کے دلِ مبارک کی تسلی کے لیے فرمایا۔۔۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶

تو کیا کہیں کھیل جاؤ گے اپنی جان پر اُن کے پیچھے، اگر کفار نے نہ مانا اس بات کو، صدمہ کر کے؟●

(تو کیا کہیں کھیل جاؤ گے اپنی جان پر ان کے پیچھے، اگر کفار نے نہ مانا اس بات کو، صدمہ کر کے؟) یعنی اَے محبوب! اپنا اور ان کا کام آسان کرو اور اپنے دلِ بے غل پر رنج نہ لاؤ اگر وہ ایمان نہ لائیں اس بات کا یعنی قرآن کا، اور ان کے کفر و عصیان کے پیچھے تم اپنے کو ہلاک نہ کرو غم کے مارے ۔۔یا۔۔ بے صبری ۔۔یا۔۔ حسرت ۔۔یا۔۔ غصہ کر کے۔ اَے محبوب! تم دیکھتے ہی ہو میں ان کے کفر اور ان کی سرکشی کے باوجود ان سے اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا۔ تو اَے محبوب! آپ بھی ان کے کفر اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان پر بہت زیادہ افسوس نہ کریں، اور انہیں دینِ برحق کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ رہ گئی یہ دنیا، تو یہ ایک دار الامتحان اور کھرے کھوٹے کو ظاہر کر دینے کی جگہ ہے۔۔ چنانچہ۔۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷

بے شک ہم نے پیدا فرمایا زمین پر اِس کا سنگار، تا کہ ہم آزمائیں، کہ ان میں کون کام میں سب سے اچھا ہے●

(بے شک ہم نے پیدا فرمایا زمین پر اس کا سنگار) معادن، نباتات، حیوانات، خوبصورت آبشار، بہتے ہوئے چشمے، حسین وجمیل سرسبز کھیت، باغات، بلند کہسار، رنگ برنگ پرندے اور طرح طرح کے حیوانات کی شکل میں ۔۔الغرض۔۔ یہ سب زمین کی زینت ہیں۔ اس زمین میں زہریلے حشرات الارض بھی ہیں اور چیرنے پھاڑنے والے درندے بھی۔ ان درندوں سے بھی ظاہری حسن و جمال ہے، جیسے شیر اور چیتوں وغیرہ میں، اور جنگلات کی زینت ان ہی جانوروں کی وجہ سے ہے۔ اِسی طرح انواع واقسام کے سانپ اور اژدہے حسن و جمال کے پیکر ہیں۔ باقی رہا اُن کا ضرر رساں ہونا، تو وہ اس وجہ سے ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر اور غضب کے مظہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی یہ زینت انسان کے امتحان کے لیے بنائی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ ہم نے دُنیا اس لیے بنائی ہے **(تاکہ ہم آزمائیں کہ ان میں کون کام میں سب سے اچھا ہے)**۔ آیا وہ دنیا کے حسن و جمال میں کھو کر اپنے خالق و مالک کی اطاعت کرنے کو بھول جاتا ہے۔۔یا۔۔اس دنیا کی ترغیبات سے اپنا دامن بچا کر رکھتا ہے، اور اس دنیا کی رنگینیاں اور لذت آفرینیاں اس کو اپنے مولیٰ کی عبادت سے غافل نہیں کرتیں۔

اللہ تعالیٰ یہ امتحان خود اپنے علم کے لیے نہیں لیتا۔ اس لیے کہ وہ تو علام الغیوب ہے بلکہ وہ دوسروں کے لیے امتحان لیتا ہے۔ وہ قیامت کے دن دنیا کو دکھانا چاہتا ہے، کہ اگر اس نے اپنے بعض بندوں کو بہت اجر وثواب عطا کیا ہے اور نور کے منبروں پر بٹھایا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے، کہ وہ دنیا میں آزمائش کی بھٹی سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے تھے۔ انہوں نے تسلیم ورضا کی چھری تلے اپنی گردن رکھ دی تھی، اس لیے ان کو یہ بلند مراتب عطا کیے ہیں۔

اور جنہیں آخرت میں عذاب شدید پہنچایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیاوی امتحان میں ناکام ہوگئے تھے اور دنیا کی زینت میں ڈوب گئے تھے اور اپنے خالق و مالک کی اطاعت سے منحرف اور باغی ہوگئے تھے۔ ایک قول اہل تحقیق کا یہ بھی ہے، کہ **مَا عَلَى الْاَرْضِ** میں **مَا** بمعنی **مَنْ** ہے۔ اِسی سے انبیاء علیہم السلام ۔۔یا۔۔اولیاءِ کرام ۔۔یا۔۔قرآنِ مجید کے حفاظ مراد ہیں۔۔یا۔۔یہ سبھی حضرات مراد ہیں، اس لیے کہ یہی حضرات زمین کے سنگار ہیں۔

بعض کے نزدیک زمین کی زینت اولیاءِ کرام ہیں، اس لیے کہ عام دنیا کا قیام انہی کے وجود شریف سے وابستہ ہے۔ بے شک زمین اولیاءِ کرام کی شکل نورانی سے منور ہے

جیسے آسمان زہرہ، خورشید اور مشتری سے تاباں سے۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں۔۔۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَیۡهَا صَعِیۡدًا جُرُزًا ؕ ۸

اور بے شک ہم ضرور کر دینے والے ہیں جو کچھ اس پر ہے، میدان بنجر●

(اور بے شک ہم ضرور کر دینے والے ہیں جو کچھ اس پر ہے میدان بنجر) یعنی دنیا کے خاتمہ پر ہم بنا دیں گے جو کچھ زمین پر ہے مٹی چٹیل میدان۔

۔۔الغرض۔۔ **صَعِیۡدًا جُرُزًا** سے مراد جنگل اور وہ زمین جو بے آب و گیاہ ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ تمہاری تمام عمارتیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ پھر اے بندگانِ خدا دنیا میں دل بستگی کیسی؟ اور اس کی زیب و زینت پر فریفتگی کیوں؟۔۔الحاصل۔۔زمین آسمان پیدا کرنے میں قدرتِ خداوندی کی جو نشانیاں ہیں وہ عجیب تر ہیں۔

تو اب علمائے یہود کا قریشیوں کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنے کے لیے تین سوال سکھانا، ایک طرح سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی آزمائش تھی اور وہ بھی ایسے سوالات تھے جن کو سن کر وہ آپس میں کہنے لگے، کہ جن جوانوں کے تعلق سے اس میں سوال ہے ان کا قصہ بہت عجیب ہے، اور پیغمبرِ اسلام اِس کا جواب دے سکیں، تو اور بھی عجیب بات ہے۔

دراصل جن جوانوں کے تعلق سے اس میں سوال تھا، وہ اصحابِ کہف تھے۔ اس سوال کے سوا پہلا جو سوال تھا، وہ روح کی حقیقت کے تعلق سے تھا۔۔نیز۔۔تیسرا سوال ذوالقرنین کے متعلق تھا۔ روح کے متعلق سوال کا جواب اس سے پہلی سورت بنی اسرائیل میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے، کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف دونوں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور ان تینوں سوالوں کے جوابات بھی ایک ساتھ نازل ہوئے ہیں اور روح کے متعلق جوان کے سوال کا جواب تھا، اس کے مناسب آیات سورہ بنی اسرائیل میں تھیں، اس لیے آپ نے ان آیتوں کو بنی اسرائیل میں رکھوا دیا، اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو آیتیں تھیں ان کے مناسب آیتیں سورہ کہف میں تھیں، اس لیے ان کو آپ نے سورہ کہف میں رکھوا دیا۔

۔۔المختصر۔۔ارشادِ الٰہی ہے کہ زمین وآسمان میں ہماری قدرت کی جونشانیاں ہیں، اُن میں ان کا قصہ ایسا کچھ عجیب وغریب نہیں جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔۔۔

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَالرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾

کیاتمہیں پتہ چلا؟ کہ کھوہ اوروادی رقیم والے تھے ہماری نشانیوں سے، انوکھے●

تو (کیاتمہیں پتاچلا، کہ کھوہ اوروادی رقیم والے تھے ہماری نشانیوں سے انوکھے)۔

الرَّقِیۡمِ مندرجہ ذیل معانی میں مستعمل ہوتا ہے: ﴿۱﴾۔۔اصحابِ کہف کی بستی کا نام۔ ﴿۲﴾۔۔ان کے پہاڑ کا نام۔ ﴿۳﴾۔۔ان کے کتے کا نام۔ ﴿۴﴾۔۔ایک وادی۔ ﴿۵﴾۔۔صحرا جنگل۔ ﴿۶﴾۔۔تانبے۔۔یا۔۔پتھر کا ایک تختہ جس پر اصحابِ کہف کے اسماء اوران کے انساب اوران کے دین کا نام لکھا ہے۔۔نیز۔۔جس کے ڈر سے وہ حضرات بھاگ نکلے تھے اس کا ذکر ہے۔ اِس تختے کو غار کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ان کے تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ۔۔۔

دقیانوس ممالکِ روم کو تسخیر کرتے ہوئے جب شہر افسوس میں پہنچا، تو وہاں ایک مقتل بنایا۔جن بتوں کی وہ عبادت کرتا تھا شہر والوں کو حکم دیا، کہ تم سب بھی اُن کی پرستش کرو۔ جس نے اس کا حکم مانا نجات پائی اور جس نے نہ مانا اس پر آفت آئی، اس مقتل پر قتل کیا گیا۔ چھ[۶] جوان خدا پرست بزرگ زادے اس شہر کے رہنے والے، ایک گوشے میں بیٹھ رہے اورعبادت ودُعا میں مشغول ہوئے۔ جنابِ الٰہی میں عرض کی، کہ ہمیں اس ظالم کے ظلم سے بچا۔غرضیکہ ان کا حال بھی دقیانوس کے گوش گزار ہوا۔اس نے حکم کیا کہ حاضر کرو، حاضر ہوئے، نہایت دھمکیاں دیں، مگر انہوں نے توحید کا طریقہ نہ چھوڑا۔ راہِ توحید پر ثابت قدم رہے، ہرگز اس کا حکم نہ مانا۔

پس دقیانوس نے حکم دیا، کہ ان کے کپڑے اور زیور اتارو، اتار دیے گئے، پھر بولا تم ابھی نوجوان ہو، تم کو دو تین دن کی مہلت دی، تم اپنے کام میں غور وتامل کرو اور دیکھو تمہاری بہتری میری یہ بات ماننے میں ہے۔۔یا۔۔نہ ماننے میں ہے۔ پھر اُس شہر سے اور کسی موضع کی طرف متوجہ ہوا۔ اِن نوجوانوں نے اُس کا چلا جانا غنیمت جان کر اپنے امر میں باہم مشورہ کیا۔ سبھوں کی رائے یہی قرار پائی، کہ یہاں سے بھاگ چلو۔

ہر ایک اپنے باپ کے گھر سے تھوڑا تھوڑا مال راہ میں خرچ کے واسطے لایا، اور ایک پہاڑ جو اُس شہر کے قریب تھا اس طرف چل نکلے۔ راہ میں ایک چرواہا ان کے پاس جا پہنچا اور ان کے دین میں داخل ہوا اور ان کے ساتھ ہولیا۔ چرواہے کا کتا بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا۔ ہر چند کہ اُسے ہانکا، اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ حق تعالیٰ نے اُسے بات کرنے کی قوت دی، وہ بولا کہ تم مجھ سے نہ ڈرو، اس لیے کہ میں خدا کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں۔ تم آرام سے سو، میں تمہاری پاسبانی کروں گا۔ جب پہاڑ کے پاس پہنچے تو چرواہا بولا، کہ میں اس پہاڑ میں ایک غار جانتا ہوں کہ اس میں پناہ لے سکتے ہیں۔ متفق ہو کر سب غار کی طرف پھرے۔ اُن کے پھرنے کی خبر حق تعالیٰ اس طرح دیتا ہے، کہ۔۔۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً

جب کہ پناہ لی اُن جوانوں نے کھوہ کی طرف، تو دُعا کی کہ "پروردگارا دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت،

وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

اور سامان کر دے ہمارے لیے، ہمارے معاملہ میں راہ پا جانے کی" •

یاد کرو اَے محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' (جب کہ پناہ لی ان جوانوں نے کھوہ کی طرف، تو دُعا کی کہ پروردگارا! دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت) یعنی مغفرت۔۔یا۔۔روزی۔۔یا۔۔دشمن سے اَمن (اور سامان کر دے ہمارے لیے ہمارے معاملہ میں راہ پا جانے کی) یعنی ہم نے جو کفار سے مفارقت کی ہے، تو ہمیں راستی اور بھلائی مرحمت فرما۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾

تو تھپکی ماری ہم نے اُن کے کانوں پر کھوہ میں کئی سال •

(تو تھپکی ماری ہم نے ان کے کانوں پر کھوہ میں کئی سال) یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایک حجاب ڈال دیا، تاکہ وہ کسی کی بات نہ سنیں۔۔المختصر۔۔ہم نے انہیں سُلا دیا۔۔چنانچہ۔۔وہ تین سو نو [۳۰۹] برس بے خبر سوئے رہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع ۱۳

پھر اٹھایا ہم نے انہیں، کہ دونوں گروہوں میں سے کون ٹھیک گنے ہے مدت کو، جس میں وہ ٹھہرے •

(پھر اٹھایا ہم نے انہیں) تا کہ ظاہر ہو جائے (کہ دونوں گروہوں میں سے کون ٹھیک گنے ہے مدت کو جس میں وہ ٹھہرے)۔

اس سے وہ دو گروہ مراد ہیں جنہوں نے اصحابِ کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف کیا تھا۔ ان دو فریقوں میں یعنی نوجوانوں اور بادشاہوں سے صرف وہی بادشاہ مراد ہیں، جو اس مدت تک ایک دوسرے کے جانشین ہوئے۔ یہ آزمائش ان سے اس لیے ہوئی کہ جب وہ ان کی بعث و مدت کی صحیح گنتی سے عاجز ہوں گے، تو اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، کہ اس کے متعلق یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کو ہے۔ اور یقین کریں گے کہ وہی ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے، اور اسی کو علم ہے کہ ان کے ساتھ کیا کیا، اور ان کے ابدان کو کس طرح محفوظ رکھا، اور ان کا دین کیا تھا۔

جب اس طرح کا اعتراف کریں گے، تو انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، اس کی وسعت علمی کا یقین ہو جائے گا۔ اور وہ مرنے کے بعد اٹھنے کے عقیدے کو مان لیں گے۔ اس سے دوسرا مقصد یہ بھی ہے، کہ اصحابِ کہف کے واقعہ سے اہلِ ایمان کو معلوم ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر لطف و کرم فرماتا ہے۔ اس سے تیسرا فائدہ یہ ہے، کہ بعث ونشر پر حجت قائم ہوگی۔۔المختصر۔۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

ہم ظاہر کیے دیتے ہیں تم پر اُن کا واقعہ ٹھیک ٹھیک۔ وہ کچھ نوجوان تھے، مان گئے تھے اپنے پروردگار کو، اور بڑی ہدایت ہم نے فرمائی تھی ●

اَے محبوب! (ہم ظاہر کیے دیتے ہیں تم پر ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک) جو بالکل حق وصحیح اور سچا واقعہ ہے۔ (وہ کچھ نوجوان تھے) جو (مان گئے تھے) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے (اپنے پروردگار کو)، یعنی اللہ تعالیٰ کو۔ ان کے تعلق سے فرمانِ خداوندی ہے (اور) ارشادِ ربانی ہے، کہ ان کی (بڑی ہدایت ہم نے فرمائی تھی) یعنی ان کے حق پر ثبات اور یقین کو ہم نے زیادہ کر دیا۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور ہم نے ڈھارس دی اُن کے دلوں پر جب کہ کھڑے ہو گئے، پھر بولے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے،

لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

ہم ہرگز نہ پکاریں گے انہیں، جو اُس کو چھوڑ کر معبود بنائے گئے ہیں، کہ ایسا کرنے پر ہم نے بڑی بے جا بات کہی ●

(اور ہم نے ڈھارس دی ان کے دلوں پر) یعنی ان کے دل مضبوط کردیے اور حق ظاہر کرنے کی قوت دے دی اور جرأت عطا کی، کہ انہوں نے دقیانوس کی بات رَد کردی (جب کہ) اس کے سامنے (کھڑے ہوگئے) اور اس نے انہیں بت پوجنے کا حکم دیا، تو (پھر) وہ پوری جرأتِ ایماں کے ساتھ (بولے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے)، تو (ہم ہرگز نہ پکاریں گے انہیں جو اس کو چھوڑ کر معبود بنائے گئے ہیں)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی معبود کو ہرگز نہ پوجیں گے۔ کیوں (کہ ایسا کرنے پر ہم نے بڑی بے جا بات کہی)، یعنی اگر بالفرض خدانخواستہ ہم سے غیر اللہ کی پرستش ہوجائے، تو یقیناً ہم نے حد سے گزری ہوئی بات کہی۔ ایسی بات جو باطل اور جھوٹ ہے۔۔ نیز۔۔ حد سے متجاوز ہے۔ ہمارے برعکس۔۔۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ

اِس ہماری قوم نے بنالیے بہت سے معبود اللہ سے الگ۔ کیوں نہیں لاتے اُن پر کوئی روشن دلیل۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ ۱۵

تو کون زیادہ اندھیر والا ہے اُس سے، جس نے گڑھ لیا اللہ پر جھوٹ ●

(اس ہماری قوم نے) جو ہماری ہم نسب اور ہمارے شہر 'افسوس' کی رہنے والی ہے (بنالیے اپنی جہالت ولاعلمی میں۔۔ یا۔۔ دقیانوس کی دھمکی اور قتل کے خوف سے، (بہت سے معبود اللہ) تعالیٰ (سے الگ)۔ یعنی خدائے برحق کے سوا اور بہت سے خدا جو باطل ہیں۔ (کیوں نہیں لاتے) کفار (ان پر) یعنی بت کی پرستش پر اور اس بات پر کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں (کوئی روشن دلیل)۔۔ الغرض۔۔ دقیانوس دھمکا کر لوگوں کو بت پرستی کی تکلیف دیتا تھا، دلیل کے ساتھ نہیں۔ (تو کون زیادہ اندھیر والا ہے اُس سے جس نے گڑھ لیا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، کہ اس کی طرف شریکوں کو منسوب کرتا ہے۔۔۔

اس کے قبل ذکر ہو چکا ہے، کہ دقیانوس نے انہیں گفتگو کے بعد مہلت دی اور یہ لوگ بھاگے۔

پس اثنائے راہ میں ان کے سردار 'یملیخا' نے ان سے کہا۔۔۔

وَاِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاۡوٗۤا اِلَى الۡكَهۡفِ يَنۡشُرۡ لَـكُمۡ

اور جب کنارہ کش ہوچکے، تو اُن سے اور جو کچھ یہ پوجیں اللہ کے سوا، تو پناہ لے لو کھوہ میں، عام کردے گا تمہارے لیے

رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

تمہارا پروردگار اپنی رحمت، اور مہیا فرمادے گا تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی●

(اور) مشورہ دیا، کہ (جب کنارہ کش ہوچکے تو ان سے) یعنی مشرکوں سے علیحدگی اور دوری اختیار کرلی (اور جو کچھ یہ پوجیں اللہ) تعالیٰ (کے سوا) ان سب کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یعنی ان سے اور ان کے باطل معبودوں سے الگ ہوگئے ہو، (تو پناہ لے لو کھوہ میں) اور فکر نہ کرو، (عام کردے گا تمہارے لیے تمہارا پروردگار اپنی رحمت) دونوں جہان میں، (اور مہیا فرمادے گا تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی)، یعنی وہ چیز جس سے تم نفع لو دین و دنیا میں۔۔ چنانچہ۔۔ ان اصحابِ کہف پر فضل خداوندی کا یہ عالم رہا، کہ اے مخاطب! اگر تم وہاں کھڑے ہوکر اُس منظر کا مشاہدہ کرو گے۔۔۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ

اور سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلا، تو بچ کر جاتا ہے اُن کے کھوہ سے داہنی طرف، اور جب ڈوبا، تو کترا جاتا ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ

اُن سے بائیں کو، اور وہ لوگ اُس کے کھلے مقام میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جسے راہ اللہ دے، تو وہ

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ ع

راہ پانے والا ہے۔ اور جس کو بے راہ رکھے، تو نہ پاؤ گے اُس کا کوئی مددگار رہنما●

(اور) اپنی کھلی آنکھوں سے (سورج کو دیکھو گے)، تو تمہیں صاف نظر آئے گا (کہ جب نکلا) سورج (تو بچ کر جاتا ہے اُن کے کھوہ سے داہنی طرف) چونکہ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا۔ پس جب سورج طلوع ہوتا تو وہ غار کی دائیں جانب ہوتا، (اور جب) سورج (ڈوبا) یعنی غروب ہوتا (تو کترا جاتا ہے ان سے بائیں کو)، یعنی جب سورج غروب ہوتا تو وہ غار کی بائیں جانب ہوتا۔ پس سورج کی دھوپ غار کے اندر نہیں پہنچ سکتی تھی، (اور) ان کا حال یہ ہے کہ (وہ لوگ اس کے کھلے مقام میں ہیں)، یعنی غار کے وسط میں ہیں، اس طرح پر کہ خوشگوار اور ٹھنڈی ہوا غار کے اندر پہنچ جاتی تھی۔ بے شک (یہ اللہ) تعالیٰ (کی نشانیاں ہیں)، یعنی یہ ان کی خبر قدرتِ الٰہی کی دلیلوں میں سے ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو اس سے محفوظ رکھا تھا، کہ ان پر سورج کی دھوپ پڑے ورنہ ان کے اجسام میں تعفن اور فساد پیدا ہوجاتا اور ان کے جسم سڑ گل جاتے۔

ع ۵/۱۴

اس سلسلے میں ایک دوسرا قول یہ بھی ہے، کہ اوپر جو بھی مذکور ہوا یہاں وہ مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس سے روک دیا، کہ اس کی دھوپ طلوع یا غروب کے وقت ان کے جسموں پر پڑے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فعل خلافِ عادت ہے اور اصحاب کہف کی کرامت ہے۔ تو اگر پہلے قول کے موافق ان پر دھوپ نہ پڑتی، تو پھر یہ امر معمول کے موافق اور عادت کے مطابق ہوتا، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی آیت اور نشانی نہ ہوتی، اور اگر اس آیت کی دوسرے قول کے موافق تفسیر کی جائے، تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب آیت اور نشانی اور اصحابِ کہف کی کرامت ہوگی۔

اِس دوسرے قول کے مطابق تو اِس کا 'نشانی' ہونا واضح ہے۔ مگر پہلے قول کے مطابق بھی یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اس لیے ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مدت طویلہ تک ان کو غار میں محفوظ رکھا، اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے اتنے عرصے تک مرض اور موت اور مرورِ ایام کے اثرات سے محفوظ رہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں ان کو کفر سے محفوظ رکھا اور ایمان کی طرف لایا، اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے انتہا میں بھی ان کے اجسام کو گردشِ ایام کے اثرات سے سلامت رکھا۔ اِسی لیے فرمایا، کہ۔۔۔

(جسے راہ اللہ) تعالیٰ اپنی توفیق سے (دے تو وہ راہ پانے والا ہے اور جس کو بے راہ رکھے، تو نہ پاؤ گے اس کا کوئی مددگار رہنما) یعنی کوئی دوست سیدھی راہ دکھانے والا۔

۔۔المختصر۔۔ جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہدایت یافتہ ہو کر کامیابی حاصل کرتا ہے، تو اُسے جملہ سعادات کی راہ نصیب ہو جاتی ہے، ایسے بندے کو پھر کوئی گمراہ کر سکتا ہی نہیں۔ اِس کے برعکس جسے ہدایت دے سکنے والا کوئی رہبر مل ہی نہ سکے، تو ایسے بدبخت کے لیے، رہبری پیدا ہی نہیں کی گئی۔ ایسے شوم بخت کے لیے رہبر پیدا تو کیا گیا ہے، لیکن وہ اُسے نہیں ملے گا ۔۔قصہ مختصر۔۔ اَے مخاطبو! اس غار میں اصحابِ کہف کو دیکھو گے، تو سوچو گے۔۔۔

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

اور تم خیال کرو گے انہیں کہ جگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سُو رہے ہیں، اور کروٹیں کراتے ہیں ہم انہیں داہنے بائیں۔

وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ

اور اُن کا کتا بچھائے ہے اپنے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر۔ اگر تم جھانکتے اُن پر، تو ضرور پلٹ جاتے اُن سے

فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ⑱

بھاگ کر، اور ضرور بھر جاتے اُن کے رعب سے ●

(اور تم خیال کرو گے انہیں کہ جگ رہے ہیں) اس لیے کہ وہ جاگنے والوں کی طرح آنکھیں کھولے ہوئے ہیں **(حالانکہ وہ سو رہے ہیں)**۔

یہی حال درحقیقت طریقت والوں یعنی اولیاءِ کرام کا ہے، اس لیے کہ جب ان کے حال کو دیکھو گے، تو کاروبارِ دینی و دنیوی میں مشغول نظر آئیں گے، لیکن ان کے باطن پر نگاہ ڈالو تو وہ از ہمہ فارغ ہوں گے یعنی لطف ذوالجلال کے باغ میں باطنی طور پر مست اور ظاہر بینوں کو ہوشیار محسوس ہوتے ہیں ۔۔یا۔۔ یوں کہو کہ عالمِ حقیقت میں ماسویٰ اللہ سے بے سروکار اور لوگوں کی نگاہ میں مصروف بکار۔ یعنی ظاہر طور پر اِدھر اُدھر مشغول اور باطن میں از ہمہ فارغ۔

۔۔المختصر۔۔ اصحابِ کہف اپنے طور پر بے خبر سو رہے ہیں **(اور کروٹیں کراتے ہیں ہم انہیں)** ملائکہ کے ذریعہ **(داہنے بائیں)**، یعنی ان کی نیند میں فرشتوں کے ذریعے سے کروٹیں تبدیل کراتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق سال بھر میں ان کی دو کروٹیں بدلی جاتی ہیں اور ایک دوسری روایت کی روشنی میں سال میں ان کی صرف ایک کروٹ بدلی جاتی ہے۔ بعضوں نے کہا، کہ ہر سال عاشورہ کے دن ان کی کروٹ بدل دیتے ہیں۔ بہر تقدیر ان کی کروٹ بدلنا ثابت ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا ارشادِ ربانی سے ظاہر ہے۔ کروٹ بدلنے میں حکمت یہی ہے کہ ان کے اجسام طاہرہ کو مٹی اپنے لپیٹ میں نہ لے لے جب کہ عرصۂ دراز تک ویسے ہی پڑے رہیں گے۔

گو ربّ قدیر قادر ہے، کہ وہ انہیں کروٹ بدلے بغیر بھی محفوظ فرما لے، لیکن اس نے ہر کام سبب سے معلق فرمایا ہے اور اکثر امور اسباب کے تحت صادر فرماتا ہے، یہی خدائی قانون ہے۔ اور ہم خدا کی قدرت پر بھی ایمان رکھنے والے ہیں اور خدا کے قانون کے بھی ماننے والے ہیں ۔۔ مثلاً: خدا ان باتوں پر قادر ہے کہ بغیر پانی پلائے پیاسے کی پیاس بجھا دے، بغیر دوا وغیرہ کے استعمال کرائے مریض کو شفا دے دے، اور بغیر کچھ کھلائے بھوکے کی بھوک مٹا دے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ۔۔ اُس کا قانون یہ ہے، کہ پانی پیو گے تب پیاس بجھاؤں گا، دوا وغیرہ استعمال کرو تب اچھا کروں گا، اور کھانا وغیرہ کھاؤ گے تب بھوک

مٹاؤں گا، وغیرہ وغیرہ۔ تو خدا پر سچے ایمان کی پہچان یہ ہے، کہ ہم اس کی قدرت پر بھی ایمان لائیں اور اس کے قانون پر بھی۔

۔۔الغرض۔۔وہ تو سور ہے ہیں **(اور ان کا کتا بچھائے ہے اپنے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر)** اور وہ زرد کتا تھا۔

۔۔یا۔۔لال۔۔یا۔۔مٹیارا۔۔یا۔۔اس کا سر سرخ تھا اور پیٹھ کالی اور پیٹ سفید اور دُم ابلق، اس کا نام قطمیر زیادہ مشہور ہے۔ اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ غار کا نہ کوئی دروازہ ہوتا ہے نہ چوکھٹ۔ لیکن یہاں پر وہی جگہ مراد لی گئی ہے جہاں گھر کا دروازہ ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا کلمات یعنی "**كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ**" جو کوئی لکھ کر اپنے پاس رکھتا ہے، وہ کتے سے ضرر نہیں پاتا۔

اصحابِ کہف کی اس کیفیت کے پیش نظر، کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور ان کے ناخن اور بال بڑھ گئے ہیں اور وہ اندھیرے اور وحشت ناک مکان میں ہیں۔ تو اَے مخاطب! **(اگر تم جھانکتے اُن پر تو ضرور پلٹ جاتے اُن سے بھاگ کر اور ضرور بھر جاتے اُن کے رعب سے)**۔

اِس سے مراد یہ ہے، کہ کسی کو یہ طاقت نہیں ہے کہ ان کو دیکھ سکے۔ جو وہاں جاتا دروازے ہی سے مرعوب ہو کر پلٹ آتا۔۔۔تھوڑے ہی زمانے میں موت کی آندھی نے دقیانوس کی حیات کی عمارت گرادی، یعنی وہ کافر مر گیا اور اس کا سب ملک و مال، جاہ و جلال پراگندہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس ملک میں اور کئی مالکوں نے یکے بعد دیگرے تصرف کیا، یہاں تک کہ بادشاہ صالح بیدروس، تندروس۔۔یا۔۔تندروسیش کی نوبت پہنچی، جو ایک ایمان دار اور خدا ترس تھا۔ اس کے زمانہ کے اکثر لوگوں کو حشرِ اجسام میں شبہ ہوا، ہر چند بادشاہ نے نصیحت کی، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے چاہا کہ جسم کے حشر پر کوئی دلیل انہیں دکھائے، تو اصحابِ کہف کو خواب سے بیدار کیا۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ جس طرح انہیں ہم نے سلا دیا تھا۔۔۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا

اور اِسی طرح اٹھایا ہم نے انہیں، تا کہ باہمی دریافت کریں۔ ایک پوچھنے والے نے ان میں سے پوچھا، کہ کتنا

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ

تم لوگ ٹھہرے؟ کچھ نے جواب دیا کہ "ایک دن یا اس سے بھی کم"۔ کچھ نے کہا کہ "تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنا تم لوگ

هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

ٹھہرے''، تو اپنے کسی ایک کو بھیجو اِس نقرئی سکہ کو لے کر شہر کی جانب، کہ وہ دیکھے کہ سب میں کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے،

وَلْیَتَلَطَّفْ وَلَا یُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

چنانچہ لے آئے تمہارے پاس اسی سے کھانے کو، اور نرم بنا رہے اور پتا نہ دے تمہارا کسی کو●

(اور) نیند میں مبتلا کر دیا تھا حکمت کے ساتھ، **(اُسی طرح اٹھایا ہم نے انہیں)** اور خواب سے بیدار کر دیا قدرت کے ساتھ، **(تاکہ باہمی دریافت کریں)** اور ایک دوسرے سے سوال کریں، اور اپنا حال پہچانیں، اور ہمارے کمالِ قدرت کے باب میں اُن کا یقین زیادہ ہو۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے ہماری قدرت دیکھ لی، کہ بہت زمانہ گزرنے کے باوجود نہ ان کے جسم میں تغیر آیا اور نہ ان کے کپڑے پرانے ہوئے، نہ ہی سڑے گلے۔۔الغرض۔۔**(ایک پوچھنے والے نے ان میں سے پوچھا کہ کتنا تم لوگ ٹھہرے)**۔ یہ پوچھنے والے مکسلمینا تھے جو ان میں سب سے زیادہ تھے۔ اس سوال پر **(کچھ نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ کچھ نے کہا کہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنا تم لوگ ٹھہرے)**۔

سائل کے سوال کا مقصد تھا کہ رہنے کی مدت دریافت کر کے جو نمازیں فوت ہوئی ہیں قضا کریں۔ وہ صبح کے وقت غار میں آئے تھے، اب جو انہوں نے دیکھا تو چاشت کا وقت تھا، تو بولے کہ ہم یہاں ایک دن رہے اور کل سوئے تھے۔۔یا۔۔تھوڑا دن اگر آج ہی ہم سوئے ہیں، لیکن جب اپنے بڑھے ہوئے ناخن اور سر کے بال لمبے پائے، تو ان میں بعض بولے کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنی مدت تم رہے ہو۔ یعنی اَے ساتھیو ہماری یہ کیفیت بتاتی ہے کہ ہمارا معاملہ کچھ ٹیڑھا سا ہے، جس کی مدت کا تعین ہماری معلومات سے متعلق نہیں۔

تو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے تمہارے ٹھہرنے کو خوب جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدت کے تعین کے بارے میں اصحابِ کہف کے دو گروہ ہو گئے، جس کی تفصیل اوپر واضح ہے۔ ویسے بعض قرائن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ ان کا جاگنا چاشت کے وقت ہوا، کیونکہ شہر تک جا کر سودے وغیرہ لے کر غار کو واپس لوٹنا خاصا وقت چاہتا ہے، اور اگر قبل غروب کا مانا جائے، تو سودے لینے والی آیت کے ساتھ مطابقت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ غار شہر سے خاصی دور تھی۔۔المختصر۔۔مدت کے تعلق سے آپس کی گفتگو کا کوئی صاف اور واضح نتیجہ نہ نکل سکا اور جاگنے کے سبب فطری بھوک کا احساس ہوا۔

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف تاء ولیتلطف فبعدہا الیاء من النصف الاول والامر

(تو) رائے ہوئی کہ (اپنے کسی ایک کو بھیجو اس نقرئی سکہ کو لے کر شہر) افسوس (کی جانب) تو چاہیے (کہ وہ) فرستادہ شخص (دیکھے کہ سب میں کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے) یعنی معلوم کرلے کہ کس شخص کا کھانا بہت حلال اور پاکیزہ ہے، اس واسطے کہ اس زمانے میں اس شہر میں ایسے لوگ تھے جو اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے، تو ان اصحاب کہف کی غرض یہ تھی، کہ انہی ایمان والوں کے ذبح کے جانور کا گوشت ملے، (چنانچہ لے آئے تمہارے پاس اسی) پاک اور حلال کھانے (سے کھانے) کی چیز (کو، اور) وہ پوری دانشمندی کا مظاہرہ کرے۔۔ چنانچہ۔۔ شہریوں کے درمیان ان کے تعلق سے بالکل (نرم بنا رہے)۔ نہایت شیریں زبانی اور نرم گفتاری کا مظاہرہ کرے (اور) یہ بھی ملحوظِ خاطر رکھے، کہ وہ (پتا نہ دے تمہارا کسی کو)۔ یعنی اُس کی گفتار و کردار سے کسی کو یہ اندازہ نہ لگ سکے، کہ تم لوگ اِس غار میں موجود ہو۔

۔۔المختصر۔۔ اِس کام کے لیے، یملیخا کا انتخاب کیا گیا جو ایک بہت ہی سمجھ دار، متحمل مزاج آدمی تھا اور جس نے ان کی سابقہ گفتگو میں حصہ نہیں لیا، بلکہ ان کی بحث و تمحیص کے وقت علیحدہ بیٹھ کر ان سب کی باتیں سنتا رہا اور انہیں عملاً بتا دیا، کہ یہ گتھی تمہارے سلجھانے کی نہیں اور نہ ہی اپنے طور پر اس کو سمجھ سکتے ہو۔ ان کے لیے اس طرح رازدارانہ طرزِ عمل کی ان کو ضرورت تھی جس کو خود انہوں نے واضح فرماتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ اس راز کے فاش ہو جانے کی وجہ سے۔۔۔

إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ

بلاشبہ وہ کافر لوگ اگر چڑھ آئے تم پر، تو پتھراؤ کریں گے تمہارا، یا لوٹائیں گے تم کو اپنے دھرم میں،

وَلَن تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾

اور پھر نہ کامیاب ہو سکو گے کبھی ●

(بلاشبہ وہ کافر لوگ اگر چڑھ آئے تم پر) اطلاع پا کر۔۔یا۔۔قدرت پا کر۔۔یا۔۔فتحیاب ہو کر، پھر (تو) یا (پتھراؤ کریں گے تمہارا یا لوٹائیں گے تم کو اپنے دھرم میں)، یعنی تمہیں جبراً اپنے دھرم کو قبول کرانے کی کوشش کریں گے۔ اور پھر اگر خدانخواستہ تم ان کے دین میں آگئے (اور) ان کے دھرم کو قبول کرلیا، تو (پھر نہ کامیاب ہو سکو گے کبھی) یعنی ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔

یملیخا جوان میں بڑا کامل اور عاقل تھا، اس نے یہ نصیحتیں قبول کیں اور شہر کی طرف چلا۔ جب دروازے پر پہنچا تو اس کی وضعیں متغیر دیکھیں، اور جب شہر میں آیا تو بازار، محلوں اور لوگوں کی شکلوں اور رنگوں کو اور ہی طور پر پایا۔ حیرت غالب ہوئی۔ آخر ایک نانبائی کی دوکان پر آیا اور جو روپیہ اس کے پاس تھا نانبائی کو دیا کہ روٹی خرید لے۔

نانبائی نے روپیہ پر دقیانوس کا سکہ دیکھا، خیال کیا کہ اس شخص نے کوئی خزانہ پایا ہے۔ اس نے وہ روپیہ ایک دوسرے دوکاندار کو دکھایا۔ دَم بھر میں یہ خبر بازار میں پھیلی۔ جب علاقہ کے حاکم یعنی تھانہ دار کو یہ خبر پہنچی، اس نے یملیخا کو بُلا کر بہت دھمکایا اور باقی زرِ نقد طلب کیا۔ یملیخا بولے، کہ میں نے خزانہ نہیں پایا ہے، کل اپنے باپ کے گھر سے یہ روپیہ میں نے لیا تھا آج بازار میں لایا ہوں۔

تھانہ دار نے اس کے باپ کا نام پوچھا۔ جب یملیخا نے باپ کا نام بتایا، تو کسی نے نہیں پہچانا۔ انہیں جھوٹا بنایا۔ وہ ڈر کے مارے بولے، کہ مجھے دقیانوس کے پاس لے چلو وہ میری کیفیت سے آگاہ ہے۔ لوگوں نے ہنسنا اور مسخراپن کرنا شروع کیا اور یہ بات کہی کہ تین سَو برس کے قریب زمانہ گزرا کہ دقیانوس مرگیا، تو ہمارے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ یملیخا بولے، کہ میں تو دل لگی نہیں کرتا، تم میرے ساتھ مسخراپن کرتے ہو۔ کل ہم کچھ لوگ اُس سے بھاگ کر پہاڑ میں گئے، ساتھیوں نے آج کھانا لینے کو مجھے شہر میں بھیجا، اس کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتا۔

غرضیکہ یملیخا کو لوگ بادشاہ کے پاس لے گئے اور کیفیت بیان کی۔ بادشاہ اپنے مصاحبوں اور شہر کے شرفاء کو ساتھ لے کر غار کی طرف چلا۔ یملیخا آگے بڑھ کر غار میں آئے اور اپنے یاروں کو خبر کی۔ بادشاہ بھی فوراً غار پر آپہنچا اور وہ تختی جو غار کے دروازے پر لگی تھی پڑھی۔ اصحابِ الکھف کے نام اور کیفیت معلوم ہوئی۔ پھر بادشاہ اپنے ہمراہیوں سمیت غار میں آیا اور اصحاب کہف کو دیکھا، کہ چہرے بحال اور کپڑے نئے ہیں، دیکھ کر سخت متحیر ہو کر سلام علیک کی، انہوں نے جواب دیا۔ حق تعالیٰ اس حال سے خبر دیتا ہے۔۔ کہ۔۔

وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ

اور اِسی طرح آگاہی دی ہم نے اُن پر، تاکہ سب جان لیں کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، اور بے شک قیامت میں کوئی شک وشبہ

فِيۡهَا ۚ اِذۡ يَتَنَازَعُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اَمۡرَهُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَيۡهِمۡ بُنۡيَانًا ؕ رَبُّهُمۡ

نہیں۔ جب کہ وہ جھگڑنے لگے باہم ان کے بارے میں، چنانچہ بولے کہ بناؤ اُن پر قبے۔ اُن کا پروردگار خوب جانتا ہے

اَعۡلَمُ بِهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰۤی اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیۡهِمۡ مَّسۡجِدًا ﴿۲۱﴾

انہیں۔ بولے وہ لوگ جو غلبہ لے چکے تھے ان کے معاملہ میں "کہ ہم ضرور بنائیں گے اُن کی درگاہ پر مسجد"●

جس طرح انہیں ہم نے جگایا (اور) بیدار کیا (اِسی طرح آگاہی دی ہم نے) تندروس اور اس کی قوم کو (ان) کے حال (پر، تا کہ سب جان لیں کہ اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) بعث وحشر کے باب میں بالکل (ٹھیک ہے)، اس واسطے کہ ان کا سونا اور جاگنا مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔

(اور) دوسری بات یہ بھی جان لیں، کہ (بے شک قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں) یعنی قیامت کے وقوع اور اس کے اندر سب کی حاضری کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ اس لیے کہ جس نے آنکھوں سے دیکھا کہ جس خالق کائنات نے اصحاب کہف کی ارواح کو تین ٣٠٠ سو سے زائد سالوں تک روکے رکھا، اور ان کے ابدان واجسام کو گلنے سڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رکھا، تو اُسے یقین ہو جائے گا کہ وہی خالق کائنات تمام مخلوق کو موت دینے کے بعد ان کی جملہ ارواح کو میدانِ حشر کے اٹھنے تک محفوظ رکھ سکتا ہے، اور اُسے قدرت ہے کہ انہیں اتنے عرصہء دراز تک محفوظ رکھ کر پھر ان کے ابدان واجسام میں حساب وکتاب کے لیے واپس لوٹائے۔

یہ بھی قومِ تندروس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، کہ ان میں کسی نبی کو مبعوث کیے بغیر صرف اصحابِ کہف کے سونے اور جاگنے کے حالات دکھا کر ان سب کی ہدایت فرمادی۔ گویا ان کا سونا اور جاگنا ہی ان کی ہدایت کا سبب بن گیا اور ان کے آپسی نزاع کا جواب بھی مل گیا جو اس باب میں وہ کرتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ حشر فقط روح کا ہوگا اور کوئی اس بات کا قائل تھا کہ روح اور جسد کے ساتھ ہی مبعوث ہوں گے۔ اصحاب کہف کے واقعہ نے جسم وروح کے ساتھ اٹھنے کی ایک نظیر پیش کردی، ایسا کہ اب جسم وروح کے ساتھ بعث وحشر میں کوئی اشتباہ نہیں رہ گیا۔ پھر حق تعالیٰ نے اطلاع دی ان لوگوں کے حال سے۔۔۔

(جب کہ وہ) یعنی اس زمانے کے لوگ (جھگڑنے لگے باہم ان کے بارے میں)۔ یعنی جب اصحابِ کہف دوبارہ فوت ہوئے، تو تندروس کی قوم میں اختلاف ہوا، کہ اب ان حضرات کو لوگوں کی نگاہوں سے کس طرح پوشیدہ رکھا جائے، کہ آنے والی نسلیں ان کے حالات سے آگاہ نہ ہوسکیں۔ (چنانچہ بولے کہ بناؤ ان پر قبے) یعنی ایک ایسی دیوار کہ لوگوں کی نگاہ سے یہ پوشیدہ رہیں۔۔یا۔۔اس

واسطے کہ اس عمارت کے سبب سے لوگ ان کا مقام پہچانیں۔

رہ گیا ان کے تفصیلی حالات، تو **(ان کا پروردگار خوب جانتا ہے انہیں)** یعنی ان کا رب ہی ان کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے، اور اُسے ہی ان کے حالات معلوم ہیں، دوسرے اگر نہ جانیں تو کیا حرج ہے۔ **(بولے وہ لوگ جو غلبہ لے چکے تھے ان کے معاملہ میں)**۔۔۔

اِس سے اُس زمانے کے مسلمان اور بادشاہ مراد ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو حشرِ اجساد کے قائل تھے۔

(کہ ہم ضرور بنائیں گے ان کی درگاہ پر مسجد)، تاکہ لوگ اس میں نماز پڑھیں اور اس جگہ کو متبرک سمجھ کر تبرک حاصل کریں اور اس طرح سے اپنے عمل کو بابرکت بنائیں۔ اَے محبوب! آپ کے عہد میں اصحابِ کہف کے حالات میں غور وخوض کرنے والے جو لوگ موجود ہیں، جن میں بعض اہلِ ایمان ہیں اور بعض اہلِ کتاب۔۔تو۔۔

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

عنقریب چند لوگ کہیں گے کہ تین، اور چوتھا اُن کا کتا۔ اور کوئی کہیں گے پانچ، چھٹا اُن کا کتا، بے دیکھے تیر تکا۔ اور کچھ کہیں گے

بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ

سات، اور آٹھواں اُن کا کتا۔ کہہ دو کہ "میرا پروردگار خوب جانتا ہے، اُن کے شمار کو، اور انہیں نہیں جانتے مگر تھوڑے لوگ"۔ تو تم

اِلَّا قَلِيْلٌ ۠ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع ۱۵

نہ بحث کیا کرو اُن کے بارے میں، مگر جو ظاہر کر دی گئی بحث۔ اور نہ پوچھا کرو اُن کے بارے میں اِن یہودیوں میں سے کسی سے ●

(عنقریب) ان میں سے **(چند لوگ کہیں گے، کہ)** اصحابِ کہف **(تین)** آدمی تھے **(اور چوتھا اُن کا کتا)** تھا۔

جیسا کہ یہود۔۔یا۔۔نصاریٰ میں سے یعقوبیہ نے کہا،

(اور کوئی کہیں گے) کہ وہ **(پانچ)** تھے اور **(چھٹا ان کا کتا)** تھا۔

یہ نصاریٰ میں سے نسطوریہ کا قول ہے۔

یہ سب اُن کا **(بے دیکھے تیر تکا)** تھا۔ یہ سب محض اٹکل کی باتیں ہیں جو کہنے والوں نے خود گڑھ کے کہیں، جن کا حقیقتِ حال سے کوئی واسطہ نہیں۔ **(اور)** ان سب کے برخلاف **(کچھ)** لوگ

(کہیں گے) وہ (سات) تھے (اور آٹھواں اُن کا کتا)۔ یہ بات اہل اسلام کہیں گے جن کے نبی ﷺ نے انہیں اُس کی خبر دی ہے۔ مسلمان اس بات کو پورے یقین کے ساتھ بیان کریں گے اس لیے کہ انہیں وحی نبوی پر پورا اعتماد اور مکمل یقین ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو **رَجۡمًۢا بِالۡغَیۡبِ** کے زمرہ میں شامل نہیں فرمایا اور اسے یہود ونصاریٰ کے قول سے علیحدہ بیان فرمایا۔۔الختصر۔۔وحی ربانی اہل کتاب کی بناوٹی باتوں سے ہر طرح مقدم ہے۔

اَے محبوب! آپ ان کی تردید کرو اور حق ان پر واضح کردو اور ان اہل کتاب سے واضح لفظوں میں (کہہ دو، کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے ان کے شمار کو) یعنی ان کی تعداد کو۔ (اور انہیں نہیں جانتے مگر تھوڑے لوگ)، اور وہ بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق نصیب ہو، جیسا کہ شواہد بتاتے ہیں، رسولِ مقبول تو انہیں جانتے ہی ہیں اور آپ کے بتانے سے آپ کے صحابہ بھی ان کا علم رکھتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت ابن عباس نے کہا کہ میں بھی ان تھوڑے آدمیوں میں سے ہوں۔

حضرت علی نے فرمایا اصحاب کہف سات آدمی تھے اور ان کے یہ نام ہیں: ﴿۱﴾۔ یملیخا، ﴿۲﴾۔ مکشلینا، ﴿۳﴾۔ مشلینا، یہ تینوں بادشاہ کی داہنی طرف رہتے تھے۔ اور بادشاہ کی بائیں طرف رہنے والے: ﴿۴﴾۔ مرنوش، ﴿۵﴾۔ دبرنوش اور ﴿۶﴾۔ شاذنوس تھے۔ ان چھ[۶] افراد سے بادشاہ اپنے معاملات میں مشورہ کیا کرتا تھا۔ ساتواں مرطونس جو چرواہا تھا اور ان کے کتے کا نام قطمیر ہے۔ بعض تحریروں میں نام یہ ظاہر کیا گیا ہے مکسلمینا، یملیخا، مرطونس، بینونس، سارنیونس، ذونوانس، کشفیط طنونس۔ ناموں کے اظہار میں اور بھی اختلاف مل سکتا ہے، مگر تعداد سات ہی رہے گی۔

اَے محبوب! اصحابِ کہف کے تعلق سے جب یہود ونصاریٰ کی جہالت ظاہر ہوگئی، (تو) وہ اگر تم سے بحث کرنا بھی چاہیں، جب بھی (تم نہ بحث کرو ان کے بارے میں مگر جو ظاہر کردی گئی بحث)، یعنی صرف اتنا بیان کیجیے جتنا قرآن مجید میں ہے، اس سے بڑھ کر بلا تصریح اپنی طرف سے گڑھ کر کوئی بات نہ بتائیے، اس لیے کہ من گھڑت باتیں بتانا مکارم اخلاق کے خلاف ہے۔۔الختصر۔۔جو کچھ قرآن میں ہے وہی پڑھ دو، اور اُن کی جہالت رَد کرنے میں مشغول نہ ہو۔

(اور نہ پوچھا کرو اُن کے بارے میں اِن یہودیوں میں سے کسی سے) اس لیے کہ اگرچہ وہ

اہل کتاب ہیں، مگر وہ اپنی کتاب کے حقائق کو چھپاتے ہیں بلکہ بسا اوقات اُس کو بدل دیتے ہیں اور اپنی کتاب میں تحریف کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

روایت ہے کہ تینوں سوال جو مذکور ہوئے جب آنحضرت ﷺ سے دریافت کیے گئے، تو آپ نے فرمایا، کہ اچھا کل آنا تو تم کو ہم جواب دیں گے۔ اور اتفاقاً اُس وقت انشاء اللہ آپ نے نہیں فرمایا۔ پندرہ [۱۵] دن یا کچھ کم یا زیادہ وحی نہ آئی اور قریش نے طعن کرنا شروع کی۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی باتوں سے رنج ہوا، تو اِس ارشادِ ربانی کا نزول ہوا۔۔۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ

اور نہ کہا کرو کسی اپنے چاہے کو، "کہ میں کل یہ کردوں گا ● مگر، یہ کہ اللہ بھی چاہے"۔ اور یاد کرو اپنے

رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

پروردگار کو، جب بھول گئے ہو، اور کہو کہ قریب ہے کہ راہ دے گا مجھے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ، جو نزدیک ہے ہدایت کے ●

(اور نہ کہا کرو کسی اپنے چاہے کو کہ میں کل یہ کردوں گا● مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (بھی چاہے) یعنی یوں کہا کرو کہ "اگر خدا چاہے"۔

معلوم ہوا کہ اختیار اور مشیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہیں۔ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مذکورہ بالا بھول میں یہ مصلحتِ خداوندی اور حکمتِ ربانی ہو، تا کہ منکرین و معاندین پر بھی واضح ہو جائے کہ نبی کریم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بلکہ جو وحی الٰہی سے انہیں معلوم ہوتا ہے وہ وہی ارشاد فرماتے ہیں۔

تو اگر فوراً ہی وحی کا نزول ہو جاتا اور آپ جواب عطا فرما دیتے، تو کفار شبہ کر سکتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے گڑھ کے جواب دے دیا ہے۔ ان کافروں سے یہ سوچنا کچھ بعید نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ سب طعن و تشنیع کے مواقع کی تلاش میں رہتے ہی تھے، اور بلا وجہ بھی طعن کرنے کی عادت بنالی تھی۔۔ الختصر۔۔ نبی کریم کے توسط سے سارے ایمان والوں کو بھی امر تادیبی فرما دیا گیا۔۔۔

(اور) ہدایت فرما دی گئی، کہ **(یاد کرو اپنے پروردگار)** کی مشیت **(کو جب بھول گئے ہو)** استثناء کو۔۔۔ اور انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔۔۔ یا یہ کہ۔۔ یاد کیا کرو اپنے رب کو جب اپنے تئیں بھولا کرو، اس واسطے کہ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ ذکر کرنے والا اس میں فنا ہو جائے جس کا ذکر کرتا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اپنے رب کو یاد کرو، (اور کہو کہ قریب ہے کہ راہ دے گا مجھے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ) یعنی شانِ اصحابِ کہف سے بھی زیادہ (جو نزدیک ہے ہدایت کے)۔یعنی فرمایئے کہ قریب ہے کہ میرا رب تعالیٰ مجھے توفیق بخشے اس چیز کے لیے جو اس اصحابِ کہف کی خبر سے ہدایت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہو۔یعنی ایسے دلائل اور آیات مجھے نصیب ہوں جو میری نبوت پر اس سے بھی زیادہ واضح دلالت کریں۔

۔۔چنانچہ۔۔ہوا بھی ایسا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا قصہ، انبیاء علیہم السلام کا حال، اگلی امتوں کی کیفیت، اور آئندہ ہونے والی باتیں وغیرہ وغیرہ، بڑے بڑے حقائق سے اپنے نبی کو باخبر کردیا۔۔۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

اور وہ لوگ رہے اپنے پہاڑ کی کھوہ میں تین سو برس، اور مزید نو سال ●

(اور) انہی خبروں میں سے یہ بھی ہے، کہ (وہ لوگ) یعنی اصحابِ کہف (رہے اپنے پہاڑ کی کھوہ میں تین سو۳۰۰ برس) شمسی سال کے حساب سے، (اور مزید نو۹ سال) قمری سال کے حساب سے، لگ بھگ۔

اور تحقیق یہ ہے کہ تین سو۳۰۰ برس شمسی، قمری حساب سے تین سو نو۳۰۹ برس دو۲ مہینے انیس۱۹ روز ہوتے ہیں۔ مذکورہ ارشاد سن کر نصاریٰ بولے، کہ ہم صرف تین سو۳۰۰ برس جانتے ہیں، نو۹ برس ہمیں نہیں معلوم۔تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ

کہہ دو کہ "اللہ خوب جانتا ہے کہ کتنا رہے"۔ اُسی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا۔ کیا ہی دیکھتا اور کیسا سنتا ہے۔

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

نہیں ہے اُن کا اِسے چھوڑ کر کوئی والی، اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ●

اَے محبوب! ان سے (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے کہ کتنا رہے) یعنی وہ لوگ جس مدت تک وہاں رہے اللہ تعالیٰ اُس سے بخوبی واقف ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (اسی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا) یعنی زمین اور اہلِ زمین۔۔یوں ہی۔۔آسمان اور اہل آسمان کے مخفی

امور کو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ (کیا ہی دیکھتا ہے) ہر موجود کو (اور کیا ہی سنتا ہے) ہر مسموع کو۔ (نہیں ہے ان کا) یعنی آسمان وزمین والوں کا (اُسے چھوڑ کر) یعنی اس سے بے نیاز ہوکر، (کوئی والی) جو ان کے امور کا متکفل اور متولی ہو۔ (اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو) موجودات علوی اور سفلی میں سے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ قف

اور تلاوت کرتے رہو جو وحی کی گئی تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی کتاب۔ کوئی نہیں بدلنے والا اُس کے کسی کلمے کا۔۔

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور نہ پاؤ گے تم اس کو چھوڑ کر کوئی پناہ گاہ●

(اور) اَے محبوب! (تلاوت کرتے رہو جو وحی کی گئی تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی کتاب) یعنی قرآنِ کریم۔ (کوئی نہیں بدلنے والا اس کے کسی کلمے کا) اور اُس کی ان باتوں کو جو اصحابِ کہف کی شان میں اُس نے بھیجیں۔ (اور نہ پاؤ گے تم اس کو چھوڑ کر کوئی پناہ گاہ) جس کے یہاں مصائب وتکالیف کے نزول کے وقت پناہ لی جائے۔ اَے محبوب! یہ جو رؤساءِ قریش آپ کی صحبت میں آکر بیٹھنے کی یہ شرط لگاتے ہیں، کہ جب یہ آپ کے پاس آئیں تو آپ اپنی صحبت میں حاضر رہنے والے حضرات یعنی صہیب، بلال، عمار، خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی مجلس سے باہر کردیا کریں۔ ان گلیم پوش غرباءِ امت کے ساتھ بیٹھنے میں وہ اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں، تو اَے محبوب ان مغرورین کی باتوں کا خیال نہ کرو۔۔۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ

اور اپنے کو پابند رکھو اُن کی صحبت کا، جو پکارا کریں اپنے پروردگار کو صبح وشام، طالب ہیں اس کی

وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ

ذات کے، اور نہ ہٹیں تمہاری آنکھیں اُن سے، کہ خواہش مند قرار پاؤ دنیاوی زندگی کی آرائش کا۔ اور نہ مانو کہا اس کا،

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

کہ غفلت میں پڑا رہنے دیا ہم نے اس کے دل کو اپنی یاد سے، اور وہ غلام ہوگیا اپنی خواہش کا، اور اس کا کام حد سے باہر ہوتا رہا●

(اور اپنے کو پابند رکھو اُن کی صحبت کا جو پکارا کریں اپنے پروردگار کو صبح وشام)، یعنی رات و دن اپنے رب کی عبادت واطاعت میں مشغول رہیں، اور (طالب ہیں اس کی ذات کے)، یعنی اسی کی رضا مندی چاہتے ہیں۔۔یا۔۔اُسی کو ڈھونڈتے ہیں اور اُس کے سوا کسی کے طالب نہیں۔

ایک قول کی بنیاد پر یہ آیت مدنی ہے۔اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جن کی تالیف قلوب کی گئی تھی ان میں سے ایک گروہ جیسے عینیہ ابن حصین اور اقرع ابن حابس اور ان کے مَثَل لوگوں نے عرض کی، کہ یارسول اللہ ہم عرب کے اشراف ہیں، سلمان اور ابوذر اور مسلمان فقیروں کے پاس نہ بیٹھ سکیں گے۔اگر آپ انہیں دور کردیں، تو البتہ ہم لوگ آپ کے پاس احکام شرع سیکھا کریں، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

اَے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صبر کرو اِن فقیروں کی صحبت پر جو خدا کی رضا مندی کے واسطے شب وروز ہر وقت خدا کی رضا کے لیے اُس کی عبادت میں سیر کرتے ہیں، تو آپ ان کو اپنی صحبت سے محروم نہ کریں (اور نہ ہٹیں تمہاری آنکھیں ان سے)، یعنی ان سے نظر نہ پھیرلو اور ان کے اغیار کی طرف التفات نہ کرو، (کہ خواہش مند قرار پاؤ دنیاوی زندگی کی آرائش کا)۔

ذہن نشین رہے، کہ رسولِ کریم کو دنیا اور اس کی زینت کی طرف ہرگز میل نہیں تھا، تو اس آیت کا یہ معنی ہے، کہ۔۔۔

ان لوگوں کے ایسے کام نہ کرو جو آرائش دنیا کی طرف مائل ہیں، اس واسطے جو شخص دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے وہ فقیروں سے کراہت اور امیروں سے رغبت رکھتا ہے، تو اَے محبوب! آپ ایسا نہ کرو (اور نہ مانو کہا اس کا کہ غفلت میں پڑا رہنے دیا ہم نے اس کے دل کو اپنی یاد سے، اور وہ غلام ہوگیا اپنی خواہش کا، اور اس کا کام حد سے باہر ہوتا رہا)۔

اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا اور اس کے متبع لوگ۔۔یا۔۔عینیہ اور اس کا گروہ جو حضور سے کہتے تھے، کہ فقیر مسلمانوں کو اپنی صحبت اور مجلس سے نکال دو۔حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

ہم نے اس کے دل کو غفلت میں رہنے دیا ہے اور اس نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی ہے اور اس کا کام خراب اور ضائع ہوگیا۔۔یا۔۔اس کا کام حسرت، ندامت اور ہلاکت کا سبب ہے۔۔تو۔۔

وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا

اور بتادو، کہ یہ ٹھیک ٹھیک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، تو جس کی خوشی ہے، وہ تو مانے اور جو خوش نہیں، تو وہ انکار کردے۔

لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

بے شک ہم نے مہیا فرمالیا ہے اندھیر والوں کے لیے آگ، کہ گھیر لیا انہیں جس کی چہار دیواری نے۔ اور اگر پانی مانگیں

یَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

تو پانی دیا جائے گا جیسے پگھلتی کھولتی دھات، جو بھون ڈالے اُن کے منہ کو۔ کیسا بُرا پانی ہے۔ اور کتنی بُری جگہ ہے●

اَے محبوب! کہہ دو (اور بتادو کہ) جو چیز میں تمہارے پاس لایا ہوں یعنی قرآن، (یہ ٹھیک ٹھیک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے) جس کا ہر پیغام سچا اور ہر بات صحیح ہے، (تو جس کی خوشی ہے) اور (وہ) ماننا چاہے (تو مانے، اور جو خوش نہیں) اور ایمان لانا نہ چاہے، (تو وہ انکار کردے)۔

یہ حکم وعید اور تہدید کا ہے، نہ کہ اباحت کا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حکم خبر دینے کے معنی میں ہو، یعنی جسے خدا چاہتا ہے ایمان لائے وہ ایمان لاتا ہے اور جسے خدا چاہتا ہے کہ وہ کافر ہو جائے، وہ بے شک کافر ہو جاتا ہے۔ ارشادِ قرآنی ہے، کہ:

"نہیں چاہتے ہو تم، مگر یہ کہ چاہتا ہے اللہ"۔

اس مقام پر ایک اہم اشکال کا جواب دیتے ہوئے عصرِ حاضر کی ایک عبقری شخصیت نے بڑی اچھی بات کہی، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا، کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے ایمان کا ارادہ کرے گا۔۔یا۔۔کفر کا۔ یعنی اگر وہ۔۔بالفرض۔۔اپنے قصد اور اختیار میں مستقل ہو، تو وہ کیا قصد کرے گا؟ اور کیا اختیار کرے گا؟ اور جو کچھ قصد کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی قصد پیدا کردیا، اور جو کچھ اُسے اختیار کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی اختیار پیدا کردیا۔

اس لیے انسان کے قصد و اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ یعنی کسب اور اس قصد اور کسب کے موافق افعال اور اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے کسی مرتبہ میں بھی انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا، اور نہ ہی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب انسان کا قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے، تو پھر انسان جزا اور سزا کا مستحق کیوں ہوتا ہے؟ نیک کاموں پر دنیا میں اس کی تحسین اور آخرت میں ثواب کیوں ہوتا ہے؟ جب کہ ان کاموں کا قصد اور اختیار بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کاموں کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا؟

سو اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اگر۔۔بالفرض۔۔انسان کو قصد اور اختیار دیا جائے اور وہ قصد اور اس کے موافق عمل کرنے میں مستقل ہو اور وہ ان کا خالق ہو، تو اس کا کیا قصد ہوگا اور وہ کیا عمل کرے گا۔ اُسی کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس میں اعمال

پیدا کردیے۔اس لیے اب یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا قصد اور اختیار بھی خود پیدا کیا ہے، تو پھر اس کی جزاء اور سزا کی کیا وجہ ہے؟۔۔الختصر۔۔کفار اپنا انجام سن لیں، کہ۔۔۔
(بے شک ہم نے مہیا فرمالیا ہے اندھیر والوں) یعنی کافروں (کے لیے آگ)۔ایسی آگ (کہ گھیر لیا انہیں جس کی چہار دیواری نے) اور کفار جس چہار دیواری میں رہیں گے، کہ اس کی بو چالیس برس کی راہ سے محسوس ہوتی ہے، اس میں اگر وہ فریاد کریں گے اور چلائیں گے (اور) پیاس کی شدت کی وجہ سے (اگر پانی مانگیں) گے، (تو) انہیں ایسا (پانی دیا جائے گا جیسے پگھلتی کھولتی دھات)۔اِس پانی کو ان کے منھ کے پاس لے جائیں گے (جو بھون ڈالے) گی (ان کے منہ کو)۔۔الغرض۔۔(کیسا برا پانی ہے) یعنی پینے کے لیے پیش کیے جانے والا مشروب ہے، (اور کتنی بری) رہنے کی (جگہ ہے)۔ ان کے برخلاف۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ۚ﴿۳۰﴾

بے شک جنہوں نے مانا، اور لیاقت کے کام کیے، تو بلاشبہ ہم ضائع نہیں کرتے اس کے ثواب کو جس نے اچھا کام کیا●

(بے شک جنہوں نے مانا) خدا کو، اس کے رسول کو اور اس کی کتاب کو (اور لیاقت کے کام کیے) یعنی نیک کام کیے، (تو بلاشبہ ہم ضائع نہیں کرتے اس کے ثواب کو جس نے اچھا کام کیا)۔۔الغرض ۔۔صالحین اور نیکوکاروں کو آخرت میں ان کے اعمالِ صالحہ کا اجر مل کے رہے گا۔اور یہ صالحین۔۔۔

اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ

وہ ہیں جن کے لیے ہیں سدا بہار باغ، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، پہنائے جائیں گے اس میں کڑے

ذَہَبٍ وَّ یَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِئِیۡنَ فِیۡہَا

سونے کے، اور پہنیں گے کپڑے سبز رنگ کے، ریشمی کریب اور پوت کے، تکیہ لگائے ہوئے وہاں

عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع ۱۶

اپنے اپنے تخت پر، کیا خوب ثواب ہے۔اور کتنی اچھی آرام گاہ ہے●

(وہ ہیں جن کے لیے ہیں سدا بہار باغ، بہتی ہیں جن کے) مکانوں کے (نیچے نہریں) اور (پہنائے جائیں گے اس میں) یعنی ان باغون میں (کڑے سونے کے)۔
روایت ہے کہ ہر جنتی کے واسطے تین۳ تین۳ کنگن ہوں گے، ایک سونے کا، ایک چاندی کا

اور ایک موتی اور یاقوت کا۔

(اور پہنیں گے کپڑے سبز رنگ کے ریشمی کریب اور پوت کے) اپنے اپنے شوق کے موافق۔

اور ہوں گے وہ **(تکیہ لگائے ہوئے وہاں اپنے اپنے تخت پر)** جیسے امیروں کی عادت ہے۔ یہ سب ان صالحین کے لیے، **(کیا خوب ثواب ہے اور کتنی اچھی آرام گاہ ہے)** یعنی جنت، کتنا اچھا اجر ہے اور کیسی خوب رہنے کی جگہ ہے۔

سابقہ آیات میں کافروں اور ان پر عذاب۔۔ نیز۔۔ مومنوں اور ان پر انعامات کا ذکر فرما کر، اب آگے مومن و کافر کی فکری سوچ اور ان کے زاویہء نگاہ کی وضاحت کے لیے، اور یہ بتانے کے لیے کہ مال دار کافر اور مال دار مومن دونوں کی دنیا میں گزران اور ان کے طور وطریقے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ کفار اپنے مال ومتاع اور اپنے دنیاوی مددگاروں کی وجہ سے فقراء مسلمین کے سامنے فخر اور تکبر کرتے ہیں، اور مسلمان کو جو مال ومتاع ملے، وہ اس کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کی جاری ہے۔۔۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ

اور انہیں مثال سناؤ دو شخصوں کی، کہ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دیے انگوروں کے،

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۳۲

اور خوب گھنی احاطہ بندی کی ہم نے اُن کی کھجور کے درختوں سے، اور دونوں باغ کے درمیان بنادی ہم نے کھیتی ●

(اور) ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ **(انہیں مثال سنادو دو شخصوں کی)**۔

جو بنی اسرائیلی تھے اور آپس میں بھائی بھائی تھے، جن میں ایک مومن تھا جس کا نام یہودا۔۔ یا۔۔ یملیخا تھا، اور دوسرا کافر تھا جس کا نام قرطوس۔۔ یا۔۔ قطروس تھا۔ کافر باپ کے ترکہ میں سے آٹھ ۸ ہزار دینار انہیں پہنچے۔ ہر ایک نے چار چار ۴ ہزار دینار پر قبضہ کیا۔ کافر نے ان دیناروں سے زمین تالاب اور گھر کی گرہستی پیدا کی اور مسلمان نے چاروں ہزار دینار نیک کاموں میں خرچ کرڈالے۔ حق تعالیٰ ان کے مال اور حال سے خبر دیتا ہے، کہ مذکورہ بالا یہ دو ۲ شخص۔۔۔

(کہ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دیے انگوروں کے اور خوب گھنی احاطہ بندی کردی ان کی کھجوروں کے درختوں سے، اور دونوں باغ کے درمیان بنادی ہم نے کھیتی) تاکہ وہاں اناج اور میوے اکٹھا ہوجائیں۔۔۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

دونوں باغ لائے خوب اپنے پھل اور کچھ کمی نہ کی، اور نکال دی ہم نے اُن کے درمیان نہر●

(دونوں باغ لائے خوب اپنے پھل اور کچھ کمی نہ کی)۔عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ایک سال میوہ زیادہ پیدا ہوتا ہے اور ایک سال کم۔مگر ان باغوں کا میوہ کبھی کم نہ ہوتا۔(اور نکال دی ہم نے ان کے درمیان نہر)، تاکہ اس کا پانی ہمیشہ پیا جائے اور حسبِ ضرورت درختوں اور کھیتوں کو بھی سیراب رکھا جائے۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

اور تھا وہ شخص پھلا پھولا، تو وہ بولا اپنے ساتھی سے بات چیت کرتے کرتے، کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ اور جتھا میں بڑا زوردار ہوں●

(اور تھا وہ) کافر (شخص پھلا پھولا) یعنی انگور و کھجور کے سوا بھی دوسرے میوے اس کے باغ میں تھے۔

لیکن انگور اور کھجور کے درخت چونکہ زیادہ تھے تو خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کردیا گیا ۔۔الغرض۔۔وہ کافر مالدار تھا، اس کے بہ نسبت اس کا بھائی جو مومن تھا وہ خستہ حال تھا۔۔ المختصر۔۔یہودا نے محتاج ہوکر اپنے بھائی کی طرف رجوع کی اور معیشت میں اس سے توقع رکھی، تو قطروس بولا، کہ میرا تیرا روپیہ تو برابر تھا، میں نے یہ باغ اور گرہستی پیدا کی، میرے غلام بھی ہیں اور نوکر چاکر بھی، تو کیوں مفلس اور پریشان حال ہوگیا۔یہودا نے جواب دیا، کہ بھائی تو نے اس مال سے دنیا کے باغ مول لیے اور میں نے جنت کے باغ، تو نے دنیا میں گھر بنایا میں نے جنت میں، تو نے اپنی شادی کی میں نے حورعین کا مہر ادا کیا، تو نے لونڈی غلام نوکر چاکر جمع کیے میں نے غلمان کی طلبگاری کی۔قطروس نے اسے ملامت کرنا شروع کی اور یہ بات کہی، تو نے زرِ نقد وعدہ کے بھروسے پر ہاتھ سے کھویا اور اپنے کو ذلیل اور محتاج کردیا۔

(تو وہ) یعنی قطروس (بولا اپنے ساتھی سے) جو اس کا بھائی بھی تھا اور ایک ہی بستی میں رہنے والا ساتھی بھی (بات چیت کرتے کرتے)، یعنی آپس میں سوال و جواب کرتے کرتے کافر بولا، (کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ اور جتھا میں بڑا زوردار ہوں) یعنی اولاد اور خادموں کی وجہ سے عزت دار ہوں۔پھر اس نے یہودا کا ہاتھ پکڑا۔۔۔

وَ دَخَلَ جَنَّتَہٗ وَ ہُوَ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِہٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِیۡدَ ہٰذِہٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

اور اندر گیا اپنے باغ کے، اپنے لیے اندھیر کرتا ہوا۔ بولا کہ "مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ یہ بہار کبھی برباد ہو●

(اور اندر گیا اپنے باغ کے) اپنی جان پر فخر اور خود بینی کے سبب سے (اپنے لیے اندھیر کرتا ہوا)۔ پھر محبتِ دنیا کے سبب سے (بولا، کہ مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ یہ بہار کبھی برباد ہو) اور یہ دنیا کبھی گزر جائے گی۔۔۔

وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً ۙ وَّ لَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰی رَبِّیۡ

اور مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ قیامت قائم ہوگی، اور بے شک اگر میں لوٹا ہی دیا گیا اپنے پروردگار کی طرف،

لَاَجِدَنَّ خَیۡرًا مِّنۡہَا مُنۡقَلَبًا ﴿۳۶﴾

تو ضرور پاؤں گا میں اس سے بہت بہتر ٹھکانہ"●

(اور) یوں ہی (مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور بے شک اگر میں) تیرے زعم کے مطابق (لوٹا ہی دیا گیا اپنے پروردگار کی طرف) جیسا کہ تو کہتا ہے، تو اگر تیرے بقول مرنے کے بعد مجھے اٹھا ہی دیا گیا (تو ضرور پاؤں گا میں اِس سے بہت بہتر ٹھکانہ) یعنی میں اس کا مستحق ہوں کہ کل قیامت کے دن مجھے جنت ملے، جس طرح آج یہ باغ ملے ہیں۔۔۔

قَالَ لَہٗ صَاحِبُہٗ وَ ہُوَ یُحَاوِرُہٗۤ اَکَفَرۡتَ بِالَّذِیۡ خَلَقَکَ مِنۡ تُرَابٍ

جواب دیا اُس کو اُس کے ساتھی نے باتیں کرتے کرتے کہ "کیا ناشکرے ہو گئے اُس کے، جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے،

ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ سَوّٰىکَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾

پھر نطفہ سے، پھر کر دیا تجھے سڈول مرد"●

(جواب دیا اس کو) یعنی قرطوس کو (اس کے ساتھی) یہودا (نے) (باتیں کرتے کرتے)، یعنی اس سے بحث و مباحثہ جاری رکھتے ہوئے (کہ کیا ناشکرے ہو گئے اس کے) بعث و نشر کے انکار اور اس میں تردد کرنے کے سبب سے؟ غور تو کرو، کہ کس کے ناشکرے ہوئے؟ (جس نے تجھے پیدا فرمایا) تیرے باپ آدم علیہ السلام کے ضمن میں (مٹی سے)۔

اگرچہ ایسی ابتدائی تخلیق آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن ان کی اولاد چونکہ ان کی

جنس ہے، اسی لیے ان کے طریقہ پیدائش کا ذکر گویا تمام اولاد کی تخلیق کا ذکر ہے، اور وہ تمام انسانی مخلوق کا ایک نمونہ ہیں، اِسی لیے ہر انسان کی تخلیق کو اسی طرح سے تعبیر کی جاتا ہے۔ یہاں مقصودِ کلام یہ ہے کہ ایسی ذات سے کفر کرنا تیرے لیے ہرگز لائق نہیں، اس لیے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے مٹی جیسی معمولی شے سے تجھ جیسا عالی شان انسان بنایا۔۔۔

(**پھر نطفہ سے**)، یعنی منی کے اس قطرے سے جو ماں کے شکم میں قرار پاتا ہے۔

اس میں دوسری تعریض ہے کہ انسان ایسے کریم سے کفر کیوں کرتا ہے جب کہ اُسے ایک گندے اور پلید پانی سے پیدا فرمانے کے باوجود اُسے ذی عظمت انسان بنایا۔۔۔

(**پھر کر دیا تجھے سڈول مرد**) یعنی معتدل الخلق اور مستقیم القامۃ، یعنی ایسی معمولی چیزوں کی ترکیب کے بعد بہترین اور صحیح سالم جوان بنایا ہاتھ پاؤں درست کر کے۔۔۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ۳۸ وَ لَوْ لَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

لیکن ہم، تو ہمارا پروردگار وہی اللہ ہے، اور ہم نہیں شریک مانتے اپنے پروردگار کا کسی کو ● "اور جب تو باغ کے اندر گیا،

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ۚ ۳۹

تو کیوں نہ کہا کہ جو اللہ نے چاہا ہوا، کوئی کسی کا زور نہیں، سوا اللہ کے۔ اگر تیرے دیکھنے میں تجھ سے کم ہوں مال و اولاد میں ●

(**لیکن**) تمہارے برعکس (**ہم، تو**) ہماری شان یہ ہے کہ ہم برملا دل کی سچائی کے ساتھ کہتے ہیں، کہ (**ہمارا پروردگار وہی اللہ**) تعالیٰ (**ہے**) جو ہمیں خاک اور نطفے سے پیدا کرنے والا ہے (**اور ہم نہیں شریک مانتے اپنے پروردگار کا کسی کو۔ اور**) ذرا یہ تو بتا کہ (**جب تو، باغ کے اندر گیا تو کیوں نہ کہا کہ جو اللہ**) تعالیٰ (**نے چاہا**) وہ (**ہوا**)، یعنی وہ جو تو نے کہا کہ میرے باغ کو ہرگز زوال نہ ہوگا، یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ تجھے یہ کہنا چاہیے تھا، کہ اگر خدا چاہے گا تو رہے گا، اگر وہ چاہے گا تو فنا ہو جائے گا۔ (**اور**) تو نے یہ کیوں نہ کہا، کہ (**کسی کا زور نہیں سوا اللہ**) تعالیٰ (**کے**)۔ الغرض۔۔۔ تجھے چاہیے تھا کہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرتا۔

اور یہ بات تو تجھے معلوم ہے کہ اس باغ کی عمارت اور درستگی جو تجھے میسر ہوئی، جنابِ باری کی مہربانی اور اُسی کی مدد سے ہے۔ رہ گیا میرا مسئلہ، تو آج (**اگر**) چہ (**تیرے دیکھنے میں تجھ سے کم ہوں مال و اولاد میں**)۔۔۔

فَعَسٰى رَبِّیْٓ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا

تو قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو دے، تیرے باغ سے بہتر، اور بھیج دے اس تیرے باغ پر عذاب

مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ۟ۙ (۴۰)

آسمان سے، تو ہو جائے میدان کائی لگا●

(تو) میں بالکل پر امید ہوں، کہ (قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو دے تیرے باغ سے بہتر) دنیا میں۔۔یا۔۔آخرت میں ایمان کی بدولت۔ (اور بھیج دے اِس تیرے باغ پر عذاب آسمان سے، تو ہو جائے) تیرا باغ (میدان کائی لگا)، کہ اس پر پاؤں پھسلے اور اس پر پاؤں رکھنے والا ڈگمگا جائے۔۔۔

اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا (۴۱)

یا دھنس کے رہ جائے اِس کا پانی، تو تم ڈھونڈ ھے نہ پاسکو"●

(یا دھنس کے رہ جائے اس کا پانی، تو تم ڈھونڈ ے نہ پاسکو)۔ اور جب اس پانی تک رسائی تیری قدرت سے باہر ہے، تو اس کو نہر میں لانا تم سے کیونکر ممکن ہو سکے گا۔

۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ نے اُس مردِ مومن کی بات سچی کر دی اور اُس باغ پر خرابی اور تباہی ڈالی۔۔۔

وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ

اور گھیرے میں ڈال دیا گیا اُس کا پھلنا پھولنا، تو اب اپنی ہتھیلیاں ملتا ہے، جو لاگت لگائی تھی اس میں اور وہ اپنی ٹٹیوں پر

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا (۴۲)

گر پڑا ہے، اور کہنا پڑتا ہے کہ "اَے کاش میں نے شریک نہ بنایا ہوتا اپنے پروردگار کا کسی کو"●

(اور گھیرے میں ڈال دیا گیا اس کا پھلنا پھولنا)، یعنی اس کافر کے باغ کے میووں پر تباہی آئی۔ سب پھل، درخت اور عمارت خراب اور مسمار ہو گئی۔ صبح کے وقت قرطوس نے جب یہ خرابی دیکھی، (تو اب اپنی ہتھیلیاں ملتا ہے) یعنی حسرت کی وجہ سے ہاتھ ملتا تھا اور پریشان ہوتا تھا اس چیز پر (جو لاگت لگائی تھی اس میں) اور جو اس نے خرچ کیا تھا اس عمارت میں۔ اتنا کچھ خرچ کر دینے کے بعد بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ لگا، بلکہ جو لگا یا وہ بھی ضائع ہو گیا۔

(اور) حال یہ دیکھنے میں آیا، کہ (وہ) انگوری باغ (اپنی ٹیٹوں پر گر پڑا ہے) یعنی پہلے چھتیں گریں پھران پر دیواریں۔۔یا۔۔ٹٹیاں جو باندھی تھیں وہ گریں، پھران پر انگور کے خوشے گر کر تباہ ہو گئے۔ بہر حال جب قرطوس نے وہ عذاب وتباہی دیکھی، تو ہاتھ ملتا تھا اور کہتا تھا (اور) وہی کیا؟ یہ صورت حال جس کافر ومشرک کے ساتھ پیش آجائے اس کو (کہنا پڑتا ہے، کہ اَے کاش میں نے شریک نہ بنایا ہوتا اپنے پروردگار کا کسی کو) تاکہ میرے باغ میرے شرک کے سبب سے خراب تو نہ ہوتے ۔۔الحاصل۔۔قطروس برباد ہو گیا۔۔۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾

اور نہ رہ گئی اس کی کوئی پارٹی، جو اللہ کے مقابل مدد کرے۔اور نہ خود بدلہ لینے کے قابل تھا●

هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ ع ١٤ ١٧

یہاں کھلا کہ "اختیار اللہ برحق کا ہے۔وہی ثواب دینے میں سب سے بہتر اور انجام بخیر فرمانے والا ہے"●

(اور نہ رہ گئی اس کی کوئی پارٹی جو اللہ) تعالیٰ (کے مقابل) اس کی (مدد کرے) اور اس کے باغ پر سے عذاب دفع کرے، (اور نہ) ہی وہ (خود بدلہ لینے کے قابل تھا ० یہاں کھلا کہ اختیار اللہ) تعالیٰ (برحق کا ہے) نعمت زائل ہونے کے وقت۔۔یا۔۔قیامت کے دن۔۔یا۔۔جزا دینے کے محل پر۔(وہی ثواب دینے میں سب سے بہتر اور انجام بخیر فرمانے والا ہے) اس بندے کے واسطے جوڑتا ہے۔یعنی اس کی طاعت کا انجام اور عاقبت بہتر ہے، اس کے سوا اور لوگوں کی طاعت کے انجام و عاقبت سے۔

آیاتِ سابقہ میں اُن متکبرین کا ذکر ہو چکا ہے جو فقراء مسلمین کی مجلس میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ توہین اور باعثِ عار سمجھتے تھے۔۔تو۔۔

اَے محبوب! ان متکبرین کے سامنے دنیا کی حقارت، اس کی بے مائیگی اور بے ثباتی کی ایک اور مثال بیان فرماؤ۔۔۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

اور انہیں بتادو مثال دنیاوی زندگی کی، کہ جیسے پانی، ہم نے جسے برسایا آسمان کی طرف سے، تو گھل مل گئی

نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ

اِس سے زمین کی ہری گھاس، پھر وہ ہوگئی سوکھی، کہ ہوائیں اُس کا تنکا اڑائیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ ہر چاہے پر قابو رکھنے والا ہے●

(اور انہیں بتادو مثال دنیاوی زندگی کی کہ جیسے پانی، ہم نے جسے برسایا آسمان کی طرف سے)۔ پانی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا۔ اسی طرح دنیا بھی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتی۔ کوئی شخص اس پر قادر نہیں کہ وہ پانی میں داخل ہو اور بھیگنے سے بچ جائے۔ اسی طرح کوئی شخص اس پر قادر نہیں کہ وہ دنیا میں داخل ہو اور اس کے فتنوں اور اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکے۔۔۔

جب پانی کو بقدرِ ضرورت باغات اور کھیتوں میں ڈالا جائے، تو وہ ان کے لیے نفع بخش ہے اور ان کی روئیدگی کو بڑھانے والا ہے، اور جب ان میں ضرورت سے زیادہ پانی کو ڈالا جائے، تو وہ ان کو تباہ و برباد کردے گا، جیسا کہ دریاؤں کے سیلاب میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب دنیا کے مال و متاع کو بہ قدرِ ضرورت لیا جائے گا، تو وہ انسان کے لیے مفید اور نفع بخش ہے اور جب انسان دنیا کو اپنی ضرورت سے زیادہ لے گا، تو وہ اس کے لیے فتنہ اور فساد کا سبب بن جائے گی۔

۔۔الغصہ۔۔ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

جب ہم نے پانی برسایا **(تو گھل مل گئی اس سے زمین میں کی ہری گھاس)** اور زور پکڑ گئی اور خوب بڑھی اور زمین اس کے سبب سے تروتازہ ہوگئی، **(پھر)** صبح ہوتے ہی **(وہ ہوگئی سوکھی)** اور ایسی ہلکی پھلکی **(کہ ہوائیں اس کا تنکا اڑائیں)**، یعنی ہوائیں اُسے پراگندہ کردیتی ہیں اور اس کو زمین سے اُڑا کر اِدھر اُدھر لے جاتی ہیں۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(ہر چاہے پر قابو رکھنے والا ہے)** خواہ پیدا کرے۔۔ یا۔۔فنا کردے، دونوں ہی پر اُسے قدرت ہے۔

حق تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو اُس گھاس کے ساتھ مشابہت دی جو بارش کے پانی سے ہری ہوجائے اور بڑھنے لگے اور جو اس کے بڑھنے کی حد ہے وہاں تک پہنچ جائے اور وہ وقت آئے، کہ اس سے نفع اٹھائیں صَرف میں لائیں، اور ناگاہ پانی اس سے رک جائے اور وہ گھاس خشک اور بے فائدہ رہ جائے۔ اِسی طرح آدمی زندگی اور تازگی کے سبب سے خوب

نکلتا ہے، جیسے ہی اس کی عمر کا حساب پورا ہو جاتا ہے موت آجاتی ہے۔اس کا نخل امید فنا کی گرم ہوا سے خشک ہو جاتا ہے اور اس کی آرزؤں کی دنیا برباد ہو جاتی ہے۔۔المختصر۔۔عرب کے رئیس کفار کا اپنے مال و بنون پر فخر کرنا اور حیاتِ دنیا کی زیب و زینت کا سامان جمع کرنا اور نبی کریم ﷺ کو بے مایہ اور بے فرزند سمجھ کر آپ پر طعن کرنا، یہ سب ان کی کج فکری اور عاقبت سے بے فکری کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ حقیقت یہ ہے، کہ۔۔۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ

مال اور اولاد، آرائش ہیں دنیاوی زندگی کی، اور ہمیشہ رہنے والی لیاقت کی چیزیں، زیادہ بہتر ہیں

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں، اور نہایت خوب ہیں امید رکھنے میں ●

(مال اور اولاد آرائش ہیں دنیاوی زندگی کی) اور جب خود دنیاوی زندگی کو بقاء و دوام حاصل نہیں، تو پھر ان کی آرائشوں کا مقدر بھی فنا ہی ہونا ہے۔ **(اور)** رہ گئیں **(ہمیشہ رہنے والی لیاقت کی چیزیں)** یعنی اچھے کام پائدار، جن کا پھل ابدالآباد باقی رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ **(زیادہ بہتر ہیں)** تمہارے حق میں **(تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں)** یعنی ثواب کی رو سے، **(اور نہایت خوب ہیں امید رکھنے میں)** یعنی بہتر ہیں امید کی راہ سے، یعنی نیک کاموں والا آدمی جو کچھ امید رکھتا ہے حق تعالیٰ سے آخرت میں پاتا ہے۔

آیت کریمہ میں **اَلْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ** سے کیا مراد ہے؟ اس کے تعلق سے چند اقوال ہیں: ﴿۱﴾۔۔نماز پنجگانہ۔ ﴿۲﴾۔۔ پانچوں کلمے، یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔۔یا یہ۔۔تین کلمے لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ، صلی اللہ علی محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔۔یا۔۔اچھی باتیں جن سے لوگوں کے دل خوش ہوں۔۔یا۔۔نیک نیتیں جن کے سبب سے اعمال قبول ہوں۔۔یا۔۔وہ عمل جن میں طمع اور غرض کا لگاؤ نہ ہو بلکہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہو، تاکہ ان کا نتیجہ ہمیشہ رہ سکے وغیرہ وغیرہ۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ دنیا بہت خسیس اور رذیل ہے اور آخرت بہت عمدہ اور اشرف ہے، اور چونکہ آخرت قیامت کے بعد آئے گی اس لیے اب قیامت کے احوال بیان فرما رہا ہے۔۔۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ

اور جس دن کہ ہم چلا دیں گے پہاڑوں کو، اور دیکھو گے زمین کو ہر شے سے صاف، اور ہم نے اُن کا حشر کیا،

فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾

تو کسی کو نہ چھوڑا●

(اور) ارشاد فرما رہا ہے، اَے محبوب! یاد کرو اس روز کو (جس دن کہ ہم چلا دیں گے پہاڑوں کو) یعنی جڑ سے اکھاڑ کر اور ریزہ ریزہ کر کے انہیں ہم ہوا میں اُڑا دیں گے۔

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تذکیر دلانے سے کفار مشرکین کو ڈرانا مقصود ہے، تا کہ وہ قیامت کے ایسے سخت معاملہ سے عبرت پکڑیں۔

(اور) اس وقت تم (دیکھو گے زمین کو ہر شے سے صاف) یعنی زمین کو ایک کھلا میدان دیکھو گے۔۔الغرض۔۔اس پر ایسی چیزیں نہیں ہوں گی جو اُسے چھپا دیں، یعنی اس وقت نہ پہاڑ ہوں گے، نہ درخت، نہ باغ، نہ عمارتیں، (اور) حال یہ ہوگا، کہ (ہم نے ان کا حشر کیا) یعنی موقف پر سب کو جمع کیا (تو کسی کو نہ چھوڑا) اور سبھی کو اکٹھا کیا۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اور سب پیش کیے گئے تمہارے پروردگار کے حضور پرا لگائے، آخر آ ہی گئے تم ہمارے پاس، جس طرح کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے تمہیں

اَوَّلَ مَرَّةٍ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

پہلی بار، بلکہ تم تو بکتے تھے کہ ہم نہ مقرر کریں گے تمہارے لیے وعدہ کا کوئی وقت●

(اور سب پیش کیے گئے تمہارے پروردگار کے حضور پرا لگائے) اس کے حکم سے صف بصف اور حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا، کہ (آخر آ ہی گئے تم ہمارے پاس) ننگے اور اکیلے، بے حشمت و وقار، بے خدمت گزار، اور بے مال و منال، (جس طرح کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے تمہیں پہلی بار)، کہ تم کچھ بھی نہ رکھتے تھے (بلکہ تم تو بکتے تھے کہ ہم نہ مقرر کریں گے تمہارے لیے وعدہ کا کوئی وقت)، ایسا وقت جو ٹھہرایا تھا وعدے کے واسطے۔۔یا۔۔ایسا مکان جس کا وعدہ تھا حساب لینے کو۔

یہ خطاب بعث و نشر کے منکروں کے واسطے خاص ہے۔۔۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

اور جہاں رکھ دیا گیا نامہءاعمال، تو دیکھو گے مجرم لوگوں کو کہ ڈرتے ہیں اس میں جو لکھا ہے، اور چلّاتے ہیں کہ

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَ وَجَدُوْا

ہائے رے تباہی، آخر کیا ہے اس نامہءاعمال کو، کہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑے نہ بڑا، مگر سب گھیر لیا۔ اور پالیا

مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ ۴۹ ع ٦ / ٥ / ١٨

جو کچھ کیا تھا سامنے۔ اور ظلم نہیں فرماتا تمہارا پروردگار کسی پر●

(اور جہاں رکھ دیا گیا نامہءاعمال) اہل محشر کے ہاتھوں میں۔۔یا۔۔ترازو میں، (تو دیکھو گے مجرم لوگوں کو کہ ڈرتے ہیں اس میں جو لکھا ہے) ان کی معصیت اور ان کے گناہ، جنہیں انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔ تو اب جب وہ اپنے اعمال پر مطلع ہوں گے تو ان پر خوف غالب ہوگا (اور) اب اپنے اعمال نامہ کو دیکھ لینے کے بعد (چلّاتے ہیں کہ، ہائے رے تباہی، آخر کیا ہے اس نامہءاعمال کو، کہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑے نہ بڑا، مگر سب گھیر لیا) اور سب کو اپنے اندر محفوظ کر لیا (اور پالیا جو کچھ کیا تھا سامنے) ۔۔الغرض۔۔ پائیں گے جو کچھ انہوں نے کیا ہے اپنے سامنے موجود لکھا ہوا، (اور) یقین جانو کہ (ظلم نہیں فرماتا تمہارا پروردگار کسی پر)۔ نہ تو وہ کسی کی نیکی گھٹاتا ہے اور نہ ہی کسی کی برائی بڑھاتا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کسی پر معمولی طور پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ مثلاً: کسی نے کوئی برائی بھی نہ کی ہو، لیکن اس کے اعمال نامہ میں برائی لکھے۔۔یا۔۔ کسی نے کوئی برائی کی ہو، تو جو اس کی مقرر سزا ہے اس سے زیادہ سزا دے۔ اس وقت تو ازلی قلم کے لکھے ہوئے عدل کا اظہار ہوگا۔۔۔ سابقہ آیات کے ذکر سے یہ مقصود تھا کہ ان لوگوں پر رد کیا جائے جو اپنے مال و دولت اور اپنے اعوان و انصار پر فخر کرتے تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر جانتے تھے۔

اور اس اگلی آیت سے بھی بعینہٖ اسی معنیٰ کا ذکر کرنا مقصود ہے، کیونکہ ابلیس نے آدم علیہ السلام پر تکبر کیا تھا، اس نے اپنے مادّہٴ خلقت پر تکبر کیا تھا، اس نے کہا تھا "کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے تو میں اپنی اصل کے اعتبار سے آدم سے افضل ہوں، پس میں کس لیے آدم کا سجدہ کروں اور کیوں تواضع کروں۔ اور اسی طرح کا معاملہ متکبر مشرکوں نے فقراء مسلمین کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم ان فقراء کے ساتھ کیوں بیٹھیں جب کہ مال و دولت اور جاہ و حشم کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ بیان فرمایا۔۔۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ

اور جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ "سجدہ کرو آدم کا، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے"۔

کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَ ذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ

گروہِ جن سے تھا، تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا، تو کیا تم لوگ بناؤ گے اُس کو اور اُس کی اولاد کو میرے مقابل کا دوست؟

مِنۡ دُوۡنِیۡ وَ ہُمۡ لَکُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ کتنا بُرا ہے اندھیر والوں کا بدل ●

(اور) ارشاد فرمایا **(جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا)** اور اس طرح ان کی تحیت و تکریم بجالاؤ۔

امم سابقہ میں یہ جائز تھا۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت میں خدا کے سوا کسی کے لیے اس طریقہ تعظیم کو منسوخ کر دیا گیا۔

(تو) حکمِ الٰہی پا کر **(سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے)** جو قوم بنی الجان میں سے **(گروہ جن سے تھا)** اور ذریت والا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ وہ فرشتہ نہیں تھا، اس لیے کہ فرشتوں کی ذریت نہیں ہے۔

ابلیس کا فرشتہ نہ ہونا اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ اس نے حکمِ الٰہی کی نافرمانی کی، جو کسی فرشتے سے ممکن نہیں۔

۔۔الختصر۔۔ ابلیس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، **(تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا)**۔ جب یہ صورت حال ہے، **(تو)** بتاؤ کہ **(کیا تم لوگ بناؤ گے اس کو اور اس کی اولاد کو میرے مقابل کا دوست؟)** یعنی کیا تم ابلیس کی اولاد کی اطاعت و تابعداری کرو گے اور میرے نافرمان ہو جاؤ گے؟ کیا اس طرزِ عمل سے کسی کو صلاح و فلاح حاصل ہو سکتی ہے؟ **(حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں)** پھر تم ان کو اپنا دوست کیسے قرار دے سکتے ہو۔

کیا ظالموں نے نہیں سوچا، کہ **(کتنا برا ہے اندھیر والوں کا بدل)**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے ظالمین نے ابلیس اور اس کی معنوی اولاد کو اپنا کارساز اور مطاع بنا کر بہت بُرا کیا ہے۔ ظالموں نے ابلیس کو میرا شریکِ کار کیسے قرار دے دیا؟ جب کہ حقیقت یہ ہے، کہ۔۔۔

مَاۤ اَشۡہَدۡتُّہُمۡ خَلۡقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَا خَلۡقَ اَنۡفُسِہِمۡ ۪

میں نے ان لوگوں کو نہ تو گواہ بنایا تھا آسمانوں اور زمین کی پیدائش، نہ خود اُن کی پیدائش کا۔

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝٥١

اور نہ مجھے زیبا، کہ بناؤں گمراہ کرنے والوں کو قوتِ بازو●

(میں نے ان لوگوں کو نہ تو گواہ بنایا تھا آسمانوں اور زمین کی پیدائش، نہ خود ان کی پیدائش کا)۔

اس میں اشارہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیقی معاملہ میں کسی کو شریک نہیں کیا اور نہ ہی اُسے اُس کی پرواہ ہے۔ اِسی لیے الوہیت اُسی کے لائق ہے۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ میں کسی کو بھی تخلیقی امور میں اپنا حامیٔ کار نہیں بناتا **(اور نہ مجھے زیبا کہ بناؤں گمراہ کرنے والوں کو قوتِ بازو)**۔۔ الغرض۔۔ پیدا کرنے میں کسی بھی یارومددگار سے بے نیاز ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا تخلیق آسمان وزمین اور دیگر معاملات میں شیاطین سے اعانت یا مشورہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق تو شیطان اور اس کی ذریت کی تخلیق سے عرصہء دراز پہلے ہوئی۔ جب تخلیقی امور میں ان کی شرکت کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، پھر ربوبیت کے دیگر امور میں ان کی شرکت کا وہم کیسا؟ کافروں کے ایک گروہ کا اعتقاد تھا، کہ علوم غیبی پر جن مطلع ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کی نفی کردی اور فرمایا کہ۔۔۔

آسمان وزمین پیدا کرتے وقت کیا وہ حاضر تھے؟ کہ اس کے غیب کی باتیں جانیں۔ وہ تو اپنی جانیں پیدا ہونے سے بھی بے خبر ہیں۔ پھر اَے کافرو! تم کیوں انہیں میری عبادت میں شریک کرتے ہو؟

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

اور جس دن فرمائے گا کہ "پکارو اپنے فرضی میرے شریکوں کو"، تو انہوں نے آواز دی، پھر بھی انہیں جواب نہ دیا

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝٥٢

اور کردیا ہم نے اُن کے درمیان میدانِ ہلاکت●

(اور) اَے محبوب! یاد کرو اس دن کو بھی **(جس دن فرمائے گا)** خدا۔۔یا۔۔ فرشتہ خدا کے حکم سے، (کہ) اَے مشرکو! **(پکارو اپنے فرضی میرے شریکوں کو)** یعنی تم جنہیں میرا شریک گمان کرتے تھے انہیں آواز دو، تاکہ وہ آکر تمہاری شفاعت کریں اور تمہارے اوپر سے عذاب دفع کردیں۔ **(تو انہوں نے آواز دی)** اور ان سے فریاد کی اور داد چاہی، لیکن **(پھر بھی)** ان کے مزعومہ شریکوں نے **(انہیں جواب نہ دیا)**۔۔ المختصر۔۔ میدانِ حشر میں نہ وہ ان کا جواب دے سکیں گے اور نہ ہی فریاد کو پہنچ

سکیں گے، (اور کردیا ہم نے ان کے درمیان میدانِ ہلاکت)۔

یعنی کردیا ہم نے کافروں اوران کے معبودوں کے درمیان میں جگہ ہلاکت کی۔۔الغرض۔۔ جہنم کے میدانوں میں سے ایک میدان ہم پیدا کریں گے وہ بڑی ہلاکت کی جگہ ہوگی اوران سب کافروں پروہاں ہم عذاب کریں گے۔۔یایہ کہ۔۔جن مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا فرشتوں کواور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کومعبود بنالیا تھا، جب قیامت کے دن مشرکین اُن کو پکاریں گے، تووہ ان کی پکارکو نہیں سنیں گے، کیونکہ مشرکین اوران کے درمیان حجاب حائل کردیا جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ ان مشرکین کوجہنم میں داخل فرمادے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنت میں داخل کردے گا اور فرشتوں کودارِ کرامت میں داخل کردے گا اوران مشرکوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کے درمیان 'موبق' یعنی جہنم کی ایک وادی کوحائل کردیا جائے گا۔

اس سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے، کہ ان کے درمیان بُعد بعید کردیا جائے گا، کیونکہ مشرکین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنت کے سب سے بلند درجے میں ہوں گے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ یَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع ۱۹

اور دیکھا مجرم لوگوں نے آگ، توسمجھ گئے کہ وہ بلاشبہ اس میں پڑنے والے ہیں، اور نہ پایا اُس سے پھرنے کی جگہ ●

(اور) جب (دیکھا مجرم لوگوں نے) جہنم کی (آگ) کو چالیس برس کی راہ سے، (تو) یقینی طور پر (سمجھ گئے کہ وہ بلاشبہ اس میں پڑنے والے ہیں اور نہ پایا اس) آگ (سے پھرنے کی جگہ) یعنی ایسا مکان کہ وہاں پھرآئیں۔۔یا۔۔ایسی جگہ جہاں بھاگ جائیں اس جہت سے کہ سب طرف سے آگ نے انہیں گھیر لیا ہوگا۔ ذراہمارا فضل۔۔۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ

اور ہم نے بے شک طرح طرح سے بیان کیا اِس قرآن میں لوگوں کے لیے، ہر مضمون کو۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے ●

(اور) ہماری کرم فرمائی تودیکھو، (ہم نے بے شک طرح طرح سے بیان کیا اس قرآن میں

لوگوں) کی ہدایت (کے لیے ہر مضمون کو)۔۔مثلاً: اگلی امتوں کے قصے کہ عبرت کا سبب ہو، اور قدرتِ کاملہ کی دلیلیں، کہ بصیرت زیادہ ہونے کا باعث ہو، (اور انسان) کا یہ حال رہا کہ وہ (سب سے زیادہ جھگڑالو ہے)۔

۔۔چنانچہ۔۔نضر ابن الحارث قرآن شریف میں جھگڑا کیا کرتا تھا، اور ابی بن خلف بعث و نشر کے باب میں جھگڑتا تھا، ایسے ہی دوسرے کٹ حجتی کرنے والے خواہ مخواہ کے اعتراضات کرتے رہتے تھے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰی وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡا

اور نہیں روک رکھا ہے لوگوں کو مان جانے سے، جب کہ آگئی اُن کے پاس ہدایت، اور یہ کہ مغفرت چاہیں

رَبَّهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِیۡنَ اَوۡ یَاۡتِیَهُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

اپنے رب کی، مگر یہ کہ آجائے اُن کے پاس پہلوں کا دستور، یا عذاب اُن کے سامنے آجائے●

(اور نہیں روک رکھا ہے لوگوں کو مان جانے سے) اس بات سے کہ ایمان لائیں اور تصدیق کریں، (جب کہ آگئی ان کے پاس ہدایت) یعنی سب ہدایت، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۔۔یا۔۔ قرآنِ کریم۔ (اور یہ کہ مغفرت چاہیں اپنے رب کی) یعنی کوئی چیز مانع نہیں ہے اس بات سے، کہ وہ استغفار کریں گناہوں سے اور بخشش چاہیں اپنے رب سے اس کا ایمان لاکر، (مگر یہ کہ آجائے ان کے پاس پہلوں کا دستور) یعنی اللہ کی سنت جو اگلوں کو ہلاک کرنے کے بارے میں جاری تھی (یا عذاب ان کے سامنے آجائے) اور وہ ہلاک ہوجائیں۔

۔۔الحاصل۔۔مشرکین کے پاس جب بھی اسلام کے صحیح اور دین برحق ہونے پر دلائل آتے اور ان کو ایمان لانے سے کوئی مانع، اور رکاوٹ بھی نہ ہوتی پھر بھی ایمان نہ لاتے۔ اِسی طرح اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنے میں کوئی عذر نہ ہوتا، پھر بھی یہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار نہیں کرتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے پیش رو کافروں کی روش پر چلنا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے کافروں کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی انہیں ایمان لانے کی دعوت دی جاتی، تو وہ اپنے زمانہ کے نبیوں سے کہتے تھے، کہ آپ ہمیں ایمان نہ لانے کی بنا پر جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ عذاب لاکر دکھائیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو، مگر خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اور جھگڑتے ہیں جنہوں نے کفر کر رکھا ہے

بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

باطل سے، تا کہ باطل بنا دیں اس سے حق کو، اور بنالیا ہے میری آیتوں کو اور جو ڈرائے گئے ہیں، سب کو ٹھٹھا●

(اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر) اہل ایمان کو (خوشخبری سنانے والے) نعمتِ ابدی کی (اور) مشرکوں کو (ڈرانے والے) ہمیشہ کی مصیبت سے۔ (اور جھگڑتے ہیں) وہ لوگ (جنہوں نے کفر کر رکھا ہے) یعنی کافر ہو گئے ہیں (باطل سے) یعنی اپنی بیہودہ فرمائش سے۔ اور یہ ہے کہ معجزات ظاہر ہو چکنے کے بعد بھی معجزات کی فرمائش کیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ یہ اس لیے کیا کرتے ہیں (تا کہ باطل بنادیں) اور زائل کر دیں (اس) جھگڑے کے سبب (سے حق کو) یعنی قرآنِ مجید کو۔۔یا۔۔دینِ محمدی کو (اور بنالیا ہے میری) کتاب کی (آیتوں کو)۔۔یا۔۔میری قدرت کی دلیلوں کو (اور جو ڈرائے گئے ہیں) یعنی اُس چیز کو جس سے ڈرائے گئے ہیں اور وہ قیامت اور عذاب ہے، (سب کو ٹھٹھا)۔۔الغرض۔۔ قرآن کو اور ان آیتوں کو جو عذاب کی وعیدیں ہیں ان سب کو ہنسی مذاق بنالیا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار محض ضد اور عناد سے بحث کرتے ہیں۔ اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ اوصاف بیان کیے جو ذلت اور رسوائی کی موجب ہیں۔

ان صفات میں سے پہلی صفت یہ ہے، کہ اس سے بڑا ظالم۔۔۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ

اور کون اس سے بڑھ کر اندھیر والا ہے، جسے یاد دلائی گئیں اُس کے رب کی آیتیں، تو اُس نے منہ پھیر لیا اُن سے، اور بھول گیا

یَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ

جو پہلے بھیج چکے اس کے ہاتھ۔ بے شک ہم نے ڈال دیا اُن کے دلوں پر غلاف، کہ سمجھ سکیں قرآن، اور اُن کے کانوں میں

وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَی الْهُدٰی فَلَنْ یَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

بہرا پن۔ اور اگر بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف، تو بھی ہرگز راہ نہ پائیں گے کبھی●

(اور کون اس سے بڑھ کر اندھیر والا ہے جسے یاد دلائی گئیں اس کے رب کی آیتیں) اور اس کے دلائل پیش کیے گئے، (تو اس نے منہ پھیر لیا ان سے) اور ان سے اعراض کر لیا (اور)۔۔مزید برآں

۔۔ان آیات اور دلائل سے اعراض کرنے کے ساتھ ساتھ (**بھول گیا**) کفر و شرک جیسے اپنے برے اعمال کو (**جو پہلے بھیج چکے اس کے ہاتھ**)، یعنی جو برے اعمال پہلے ہی انجام دے چکا ہے۔۔الغرض۔۔اپنے گناہوں کو بھولے ہوئے ہے اور اس کا انجام نہیں سوچتے۔ان کی دوسری صفت یہ ہے، کہ (**بے شک ہم نے ڈال دیا ان کے دلوں پر غلاف**) اس بات سے (**کہ سمجھ سکیں قرآن**) یعنی تاکہ وہ قرآن نہ سمجھ سکیں (**اور**) دے دیا ہم نے (**ان کے کانوں میں بہرا پن**) تاکہ اُسے کماحقہٗ نہ سن سکیں۔

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور ان کے دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں، کہ حسی طور پر ان کے کانوں پر ڈاٹ لگا دی گئی ہے اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے ہیں، بلکہ اُس سے مراد یہ ہے کہ وہ کفر و معصیت کو اچھا اور ایمان اور اطاعت کو بُرا سمجھنے کے خوگر ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان کی گمراہی اس قدر پختہ ہو چکی تھی، کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ان کی اِسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دلوں پر پردہ ڈالنے اور کانوں میں گرانی پیدا کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ایسی شدید گستاخی کی، کہ اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے اور ان کے کانوں پر گرانی پیدا کر دی گئی، اور ان سے حق سننے اور حق سمجھنے کی صلاحیت چھین لی گئی، تو اُن کا حال اُسی کی طرح ہو گیا جو اپنے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا ہو۔

(**اور اگر بلاؤ انہیں ہدایت**) یعنی ایمان اور قرآن (**کی طرف تو بھی ہرگز راہ نہ پائیں گے کبھی**) اس وقت جب کہ تم انہیں دعوت کرو، یعنی تمہاری دعوت سے راہ پر نہ آئیں گے ہرگز کبھی۔

اس سے کفارِ مکہ کا وہ گروہ مراد ہے جس کا ایمان نہ لانا حق تعالیٰ کو معلوم تھا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ

اور تمہارا پروردگار مغفرت فرمانے والا رحمت والا ہے۔اگر اُن کی پکڑ کرتا جو انہوں نے کمار کھا ہے، تو جلدی کرتا

لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾

اُن پر عذاب۔ بلکہ اُن کے لیے ایک وعدہ کا وقت ہے، کہ نہ پائیں گے اس کے مقابل میں کوئی ٹھکانہ●

(**اور**) رہ گئے وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور اپنے گناہوں سے مغفرت چاہی، ان سب کے لیے (**تمہارا پروردگار مغفرت فرمانے والا**) ہے، اور ان کو ایسے عذاب سے بچانے والا ہے جس

کے وہ مستحق ہو گئے تھے۔ گو بندوں کے گناہ ان گنت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ غیر متناہی عذاب کے ترک پر قادر ہے اور (رحمت والا ہے)۔

اور رحمت چونکہ فعل و ایجاد سے متعلق ہے اِس لیے اس کا وجود صرف ان اشیاء سے متعلق ہوتا ہے جو متناہی ہوں۔ غفران کی رحمت پر تقدیم اسی لیے کہ تخلیہ تحلیہ سے پہلے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بدکاریوں کو دیکھ کر (اگر ان کی پکڑ کرتا) گناہ و سرکش کے ان امور پر، (جو انہوں نے کما رکھا ہے، **تو جلدی کرتا ان پر عذاب**) اور دنیا میں بلا مہلت انہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا، اس لیے کہ ان کے کردار کا تقاضا ہی ایسا ہے۔ لیکن نہ اس کریم نے ان کی گرفت میں جلدی کی اور نہ ہی ان پر اچانک عذاب نازل فرمایا، (**بلکہ ان**) کے عذاب (**کے لیے**) اللہ تعالیٰ کی طرف (**ایک وعدہ کا وقت ہے، کہ**) جب حسبِ وعدہ عذاب کا وہ وقت آجائے گا، تو (**نہ پائیں گے اس کے مقابل میں کوئی ٹھکانہ**)، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جائے پناہ نہ پائیں گے۔ اس لیے کہ جس کا ملجا و ماویٰ خود عذاب ہو، تو پھر اس کے لیے خلاصی اور نجات کیسی؟

بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ جب نزول عذاب کا وقت آجائے گا، تو پھر ان کو نہ کہیں پناہ ملے گی اور نہ ہی کسی طرح بھاگ سکیں گے۔۔ المختصر۔۔ ظالمین کے مقدر میں ہلاکت ہے۔۔ چنانچہ۔۔ عاد و ثمود اور ان جیسوں کے احوال سے سبق حاصل کرو۔۔۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع ٨ ع ٢٠

اور یہ آبادیاں ہیں، کہ تباہ کر دیا ہم نے انہیں جب انہوں نے اندھیر مچایا، اور کر دیا تھا ہم نے اُن کی تباہی کے لیے وعدہ ●

(اور) دیکھو (یہ) ان کی ہی (آبادیاں ہیں کہ تباہ کر دیا ہم نے انہیں جب انہوں نے اندھیر مچایا اور) کیوں نہ تباہ کرتا، جب کہ (**کر دیا تھا ہم نے ان کی تباہی کے لیے وعدہ**)۔

یاد رہے کہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ کافر کے کفر کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں نازل فرماتا لیکن جب انہوں نے کفر کے ساتھ ظلم کو شامل کیا، تو انہیں ظلم کی وجہ سے سزا ملنی لازم تھی۔۔ الحاصل۔۔ ملک کفر کی وجہ سے ہاتھ سے نہیں جاتا، البتہ ظلم و استبداد سے چھین لیا جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو، کہ میں چلتا ہی رہوں گا، یہاں تک کہ پہنچ جاؤں دونوں دریاؤں کے سنگم پر،

اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

یا چلتا ہی رہوں مدتوں●

اصحابِ کہف کے مفصل قصے کے بعد یہ دوسرا قصہ ہے، جس کو اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے گئے۔ ہر چند یہ ایک مفصل قصہ ہے، لیکن اس کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط ہے۔ گزشتہ آیات میں ان متکبرین قریش کا رَد کیا گیا تھا جو فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت برگزیدہ اور اولوالعزم نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت علم عطا فرمایا تھا، کثیر معجزات دیے تھے اور بہت عزت اور وجاہت عطا فرمائی تھی، اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حصولِ علم کی غرض سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے میں عار نہیں سمجھا، اور اس کو اپنی شان اور فضیلت کے خلاف نہیں گردانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر کرنا مذموم ہے اور امراءِ قریش نے تکبر کی وجہ سے فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر کے اپنا ہی نقصان کیا، کیونکہ اس تکبر کی وجہ سے وہ اسلام قبول کرنے سے محروم ہو گئے۔

اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا خلاصہ یہ ہے، کہ جب فرعون کے لوگ ہلاک ہو چکے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے خطبہ پڑھا، ایسا کہ سننے والوں میں شور مچ گیا۔ سب لوگ وہ الفاظ کہنے اور اس کے معنی اور حقیقت اور باریکیوں میں متحیر ہوئے۔ قوم کے بڑے آدمیوں میں سے ایک شخص بولا، کہ اَے کلیم اللہ! کیا روئے زمین میں تم سے زیادہ بھی کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تمام عالم میں اپنے سے زیادہ اور کوئی عالم میں تو نہیں جانتا۔

بعضے کہتے ہیں کہ فقط ان کے دل مبارک ہی میں یہ خیال گزرا، زبان پر یہ بات نہ لائے تھے، کہ حق تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی، کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے، اُسے علم خاص کے ساتھ ہم نے خاص کر لیا ہے۔ اپنے مصاحبوں میں سے ایک آدمی ساتھ لے کر اُس بندہ کی منزل اور مکان تک جاؤ اور اپنے ساتھ ایک بھنی ہوئی مچھلی لیتے جاؤ، کہ وہ تمہیں اس کی راہ بتادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیاری کی اور اس کی طرف چل نکلے۔۔تو۔۔

اَے محبوب! یاد کرو (اور) اس واقعہ کو ذہن میں حاضر کرلو، (جب کہ کہا موسیٰ نے اپنے جو ان کو) یعنی اپنے خادم اور شاگرد یوشع بن نون کو (کہ) خضر کو ڈھونڈنے کے لیے (میں چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ پہنچ جاؤں دونوں دریاؤں کے سنگم پر) جہاں حضرت خضر کا مکان ہے۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں روم اور فارس کے دو دریا ملتے تھے۔ اس مقام کے تعلق سے اور بھی اقوال ہیں۔

غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، کہ میں برابر چلتا رہوں گا تاکہ ان کے مقام پر پہنچوں (یا چلتا ہی رہوں مدتوں)۔ یعنی جب تک ان سے ملاقات نہ ہوگی سفر سے منھ نہ پھیروں گا۔ تو اَے یوشع اس نیک بندہ کی تلاش میں تم میرے ساتھ رفاقت اور موافقت کرو۔ یوشع علیہ السلام بولے، کہ ہاں میں آپ کی رفاقت کو غنیمت جانتا ہوں اور آپ کے ساتھ ہوں۔ پھر یوشع علیہ السلام نے چند روٹیاں اور بھنی ہوئی مچھلی اٹھالی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلے۔۔۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَيۡنِهِمَا نَسِيَا حُوۡتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

چنانچہ جب دونوں پہنچے سنگم کو، تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو بنالیا اس نے اپنی راہ دریا میں سرنگ کرکے●

(چنانچہ جب دونوں پہنچے سنگم کو)، یعنی اس جمع ہونے کی جگہ جو دریا کے بیچ میں ہے وہاں چشمے کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھے، موسیٰ علیہ السلام تو سو گئے، یوشع علیہ السلام نے اُس چشمے سے وضو کیا، ان کے ہاتھ سے ایک قطرہ بھنی ہوئی مچھلی پر ٹپک پڑا، فوراً وہ زندہ ہوگئی اور دریا کی طرف چلی اور یوشع علیہ السلام متحیر ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگے، تو نہ یوشع علیہ السلام کے حال سے متعرض ہوئے، نہ مچھلی کی خبر لی اور وہاں سے چل نکلے، (تو) سفر کی جلدی کے مارے (دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو بنالیا اس) مچھلی (نے اپنی راہ دریا میں سرنگ کرکے)۔ جہاں مچھلی جاتی پانی اس کے اوپر اونچا ٹھہر جاتا اور زمین خشک ہوجاتی۔۔۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰٮهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدۡ لَقِيۡنَا

پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے، تو کہا اپنے جوان کو کہ "لاؤ ہمارا ناشتہ، کہ ہم نے پایا

مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

اپنے اِس سفر سے تکان"●

(پھر جب دونوں) مجمع البحرین سے (آگے بڑھ گئے، تو کہا) حضرت موسیٰ نے (اپنے جوان) یوشع بن نون (کو کہ) چاشت کا وقت ہو گیا، تو (لاؤ ہمارا ناشتہ) کہ ہم بھوکے ہیں کھائیں اور تھوڑی دیر استراحت کریں، کیوں (کہ ہم نے پایا اپنے اس سفر سے تکان)۔اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا، اور۔۔۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ

وہ بولا، کہ ''اب بتائیے کہ جب ہم نے پناہ لی تھی چٹان کی جانب، تو میں بھول گیا مچھلی کو۔اور نہیں

اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

بھلایا مجھے، مگر شیطان نے، کہ اس کو یاد رکھوں''۔اور بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں۔بڑا اچنبھا ہے●

(وہ بولا، کہ اب بتائیے) یعنی کیا آپ کو کچھ خبر ہے (کہ جب ہم نے پناہ لی تھی چٹان کی جانب تو میں بھول گیا مچھلی کو)، یعنی اس کی کیفیت آپ سے بیان کرنا بھول گیا (اور نہیں بھلایا مجھے) اس کا ذکر (مگر شیطان نے، کہ) میں (اس کو یاد رکھوں) اور آپ سے ذکر کروں۔۔المختصر۔۔شیطان نے مجھے اس ذکر سے باز رکھا۔(اور بنا لیا اس) مچھلی (نے اپنا راستہ) عجیب طریقہ سے (دریا میں) جسے دیکھ کر مجھے (بڑا اچنبھا ہے)، کیونکہ وہ مچھلی جدھر جاتی تھی ایک کشادہ راہ پیدا ہو جاتی تھی اور دریا کی زمین بھی خشک ہو جاتی تھی۔حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

جواب دیا کہ ''یہ تو ہم نہیں چاہتے تھے''۔چنانچہ دونوں پلٹے اپنے نشانِ قدم پر ڈھونڈتے●

(جواب دیا، کہ یہ) یعنی مچھلی کے ہم سے مفقود ہو جانے کو (تو ہم نہیں چاہتے تھے)، اس لیے کہ یہی تو حضرت خضر تک پہنچانے کا ذریعہ تھی، تو ہمیں اُس جگہ واپس چلنا چاہیے جہاں سے وہ مچھلی دریا میں اتر گئی۔

حضرت مترجم قدس سرہ نے مذکورہ آیت میں مَا کو نفی کے معنی میں لیا، اس لیے توضیح اُسی کی مناسبت سے کی گئی ہے۔ویسے اکثر مترجمین ومفسرین مَا کو الَّذِیْ کے معنی میں لیتے ہیں، اس صورت میں آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا، کہ مچھلی کا دریا میں کود کر اس میں راستہ بنا لینا، یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے، اسی لیے کہ یہی حضرت خضر سے ملاقات کی علامت

ہے، بذریعہ وحی جس کی مجھے اطلاع دی گئی ہے۔
(چنانچہ دونوں پلٹے اپنے نشانِ قدم پرڈھونڈتے) یہاں تک کہ اس جگہ پہنچے جہاں مچھلی دریا میں گئی تھی، وہاں پرکشادہ اورخشک راہ دیکھی، اس میں داخل ہوئے۔۔۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ

تو پایا میرے بندوں میں سے ایک بندہ کو، دیا ہے ہم نے جس کو رحمت اپنی طرف سے، اور سکھا دیا ہم نے

مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

انہیں علم لدُنی●

(تو پایا میرے بندوں میں سے ایک بندہ کو، دیا ہے ہم نے جس کو رحمت) یعنی وحی اور نبوت (اپنی طرف سے)۔

یہ ان لوگوں کے قول کے موافق ہے جو انہیں پیغمبر جانتے ہیں۔

۔۔یا۔۔دی ہم نے اس بندے کو درازئ عمر۔

یہ ان لوگوں کے مذہب کے موافق ہے جو ان کی نبوت کے قائل نہیں۔ ویسے ان کی نبوت کا قول ہی قولِ راجح ہے اور ان کے ہاتھ سے پیش آنے والے بعض واقعات کے مناسب ہے۔

(اور سکھا دیا ہم نے انہیں علم لدنی) یعنی ایسا علم جو ہمارے ساتھ خاص ہے، اور بے ہمارے سکھائے ہوئے کوئی وہ علم نہیں جانتا۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں، کہ 'علم لدنی' وہ ہے کہ خلق پر توفیق اور خذلان کا حکم کریں، اور بعضوں نے کہا کہ 'علم لدنی' وہ علم ہے جو بے حاصل کیے اور حرف پڑھے ہوئے حاصل ہوجائے۔ یہ علم جاننے والا المحقق ہے، جو کچھ پاتا ہے وہی زبان پر لاتا ہے۔

سلطان العارفین قدس سرہ سے نقل ہے کہ علماء کے ایک گروہ سے کہتے تھے، کہ تم نے مُردہ علم لیا مُردے سے، اور ہم نے اُس زندہ سے علم لیا جو کبھی نہ مرے گا۔

۔۔القصہ۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی جگہ پر پہنچے، تو انہیں دیکھا کہ تکیہ لگائے ہیں اور اپنا کپڑا منہ پر ڈالے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، خضر علیہ السلام نے کپڑا اپنے منہ پر سے ہٹا کر جواب دیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے، کہ میں موسیٰ ہوں، بنی اسرائیل

کا نبی۔ حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے، کہ تم سے صحبت رکھوں اور کچھ سیکھوں۔ انہوں نے جواب دیا، کہ جو شخص یہ کہے کہ میں پیغمبر شریعت والا ہوں، وہ دوسرے سے کیوں کر سیکھے گا، اور کہا کہ رسول ایسا چاہیے کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے، ان سے ان اصول وفروع دین کا عالم زیادہ ہو، جو ان کی طرف لایا ہے۔

اپنی اس گفتگو سے حضرت خضر علیہ السلام اشارہ اشارہ سے یہ کہنا چاہتے کہ آپ صاحب شریعت رسول ہیں اور اپنی شریعت کے جملہ اصول وفروع سے واقف ہیں، تو فریضۂ رسالت ادا کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ حضرت خضر سے یہ سننے کے باوجود وحی الٰہی کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے۔۔۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ

کہا انہیں موسیٰ نے کہ "کیا میں ساتھ رہ سکتا ہوں آپ کے؟ اس پر آپ سکھا دیں مجھے جو آپ کو سکھایا گیا ہے خوب"۔ بولے کہ

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

"آپ بلاشبہ نہ کر سکیں گے میری ہمراہی میں صبر۔ اور کس طرح آپ صبر کریں گے، جو آپ کے دائرہ علم میں نہیں"۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ

کہا کہ "آپ مجھے پائیں گے انشاء اللہ صابر، اور نہ خلاف کروں گا میں آپ کے کسی حکم کے"۔ بولے، "تو اگر

اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع ۱۱ / ۲۱

میرے ساتھ رہنا ہے، تو نہ پوچھئے گا مجھ سے کچھ، یہاں تک کہ میں ہی بتا دوں ذکر کر کے"۔

(کہا انہیں موسیٰ نے، کہ کیا میں ساتھ رہ سکتا ہوں آپ کے؟ اس پر کہ آپ سکھا دیں مجھے جو آپ کو سکھایا گیا ہے خوب) یعنی ایسا علم کہ موقوف ہو رشد پر یعنی خیر پہنچانے پر (بولے آپ بلاشبہ نہ کر سکیں گے میری ہمراہی میں صبر)۔ موسیٰ علیہ السلام بولے، کہ کیوں نہ صبر کر سکوں گا۔ خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ پیغمبر ہیں، آپ کا حکم ظاہر پر ہے، شاید مجھ سے کوئی ایسا فعل صادر ہو، جو ظاہر میں مکروہ اور ناپسند دکھائی دے، اور آپ اس کی حکمت نہ جانیں اور اس پر صبر نہ کر سکیں۔

(اور کس طرح آپ صبر کریں گے) اس چیز پر (جو آپ کے دائرۂ علم میں نہیں)۔ حضرت موسیٰ نے (کہا، کہ آپ مجھے پائیں گے انشاء اللہ) تعالیٰ (صابر، اور نہ خلاف کروں گا میں آپ کے کسی حکم کے) اور نہ ہی آپ کے کسی کام پر معترض ہوں گا۔ حضرت خضر (بولے، تو اگر میرے ساتھ رہنا

ہے تو نہ پوچھئے گا مجھ سے کچھ) یعنی کسی چیز کے بارے میں جو آپ کو بُری معلوم ہو اور اس کی صحت کی وجہ کو آپ نہ جانیں۔۔الغرض۔۔اپنی طرف سے سوال کی ابتداء نہ کیجیے گا، (یہاں تک کہ میں ہی بتادوں ذکر کرکے) ایسا بیان جو آپ کو دریافت ہو جائے اور حقیقتِ حال آپ پر واضح ہو جائے۔

فَانْطَلَقَا ۟ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ

تو دونوں چل پڑے۔۔یہاں تک کہ جب دونوں سوار ہوئے کشتی میں، تو اُس بندہ نے سوراخ کردیا اس میں، دریافت کیا،

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْــٴًـا اِمْرًا ﴿۷۱﴾

کہ " آپ نے کشتی میں سوارخ کردیا تاکہ ڈبو دیں اُس کے سواروں کو، یہ آپ نے بُری بات کی " ●

(تو دونوں چل پڑے) اور گئے دریا کے کنارے، یہاں تک کہ کشتی کے قریب پہنچے اور کشتی والوں سے استدعاء کی کہ ہم بھی اس پر سوار ہوں گے۔ ملاح پہلے تو راضی نہیں ہوئے، آخر حضرت خضر کو پہچان کے ان کی بڑی تعظیم کی اور کشتی میں جگہ دی۔۔المختصر۔۔وہ چلے (یہاں تک کہ جب دونوں سوار ہوئے کشتی میں) اور دریا کے بیچ میں پہنچے، (تو) حضرت خضر نے تبر اٹھالیا اور لوگوں سے چھپ کر (اس بندہ نے سوراخ کردیا اس) کشتی (میں)۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ نے (دریافت کیا کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کردیا تاکہ ڈبو دیں اس کے سواروں کو)، اس واسطے کہ سوراخ کے سبب سے کشتی میں پانی بھر جائے گا اور پانی بھرنے سے کشتی ڈوب جاتی ہے، (یہ آپ نے بُری بات کی)، جو بھی اسے دیکھے گا اُسے عجیب اور ناگوار ہی سمجھے گا۔ یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام ۔۔۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ

بولے " کیا نہیں کہہ رکھا ہے میں نے، کہ آپ نہ کرسکیں گے میرے ساتھ صبر ● کہا کہ " پکڑ نہ کیجیے میری،

بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

جسے میں بھول گیا۔اور نہ ڈالیے میرے حق میں دشواری " ●

(بولے کہ کیا نہیں کہہ رکھا ہے میں نے، کہ آپ نہ کرسکیں گے میرے ساتھ صبر)۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے (کہا کہ) وہ بات میں بھول گیا تھا تو (پکڑ نہ کیجیے) اس بات پر (میری جسے میں بھول گیا، اور نہ ڈالیے میرے حق میں دشواری)، یعنی میرے ساتھ سخت گیری نہ کیجیے اور اتنی بھول پر مجھے تنگ نہ کیجیے اور میری پکڑ نہ کیجیے۔

فَانْطَلَقَا ٘ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ

پھر دونوں چلے۔۔۔ یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے کو، تو اس بندہ نے مار ڈالا اُسے۔ کہا، "کیا آپ نے مار ڈالا

بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے؟ کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بہت بُری بات کی"●

(**پھر**) کشتی سے باہر نکل کر (**دونوں چلے**) یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے۔ گاؤں کے باہر لڑکے کھیلتے تھے، ان میں ایک لڑکا خوبصورت سرو قد سبزہ آغاز تھا۔ اس کا نام خوش۔۔یا۔۔حیسور تھا اور اس کے باپ کا نام سلاس۔۔یا۔۔کمار دی تھا اور اس کی ماں کا نام شاہویہ۔۔یا۔۔رحمی تھا۔ یہ لڑکا بھی لڑکوں کے غول میں کھیل رہا تھا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر چلے جا رہے تھے، (**یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے کو**) جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے، (**تو**) اس لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے الگ بُلایا اور ایک دیوار کی آڑ میں لے گئے، اور پھر (**اس بندہ نے مار ڈالا اُسے**) یعنی ذبح کر دیا۔۔یا۔۔ گلا گھونٹ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہیں رہ سکے اور حضرت خضر سے (**کہا، کیا آپ نے مار ڈالا ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے**)۔ یعنی یہ لڑکا قتل ناحق سے پاک ہے، پھر بے قصاص اُسے تم نے کیوں مار ڈالا۔ (**کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بہت بُری بات کی**)۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔ بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۶ر صفر المظفر ۱۴۳۲ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲ر جنوری ۲۰۱۱ء۔۔ بروز چہار شنبہ

قرآنِ کریم کے پندرھویں [۱۵] پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دعا گو ہوں، کہ مولیٰ تعالیٰ

اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل سے باقی سورتوں

اور پاروں کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔

اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے اور انہیں زلت ولغزش سے بچاتا رہے۔

اٰمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَتِ حَبِیْبِکَ وَ نَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

فقط

طالبِ کرم

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ

تشریحِ لغات

-- ﴿ آ ﴾ --

آمیزش: ملاوٹ۔

آشکارا: ظاہر۔۔نمایاں۔۔کھلا ہوا۔

-- ﴿ ا ﴾ --

اباحت: شرح میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر پابندی نہ ہونا۔

اِتباع: فرمانبرداری۔۔پیروی۔

اتمام حجت: آخری دلیل۔۔انتہائی کوشش۔

اٹکل: اندازہ۔۔قیاس۔۔تخمینہ۔

اَٹل: مضبوط۔۔قطعی۔۔حتمی۔

اِجتناب: کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔۔پرہیز۔

اجزاءِ کثیفہ وغلیظہ: گندے اور ناپاک ذرات۔

اَجل/اجلوں: موت۔۔مرگ۔۔قضا۔

اِجماع: مسلمان مجتہدین کا کسی امرِ شرعی پر متفق ہونا۔

احتراز: پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔

اِختصار: خلاصہ۔۔(طوالت کی ضد)۔

اِختصاص: خصوصیت رکھنا۔۔خاص ہونا۔

اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔

اِرتکاب: (کوئی غلط یا ناجائز) کام کرنا۔

ارذل: کم ذات۔

اَرزانی: کثرت۔۔زیادتی۔۔بہتات۔

اِزالہ: زائل کرنا۔۔دور کرنا۔۔مٹانا۔۔ہٹانا۔

ازانجملہ: سب میں سے۔۔ان میں سے۔

از ہمہ: بالکل۔۔ایک دم سے۔

استبداد: مطلق العنانی۔۔ضد۔۔ہٹ۔

استثناء: علیحدہ کرنا۔۔الگ کرنا۔

اِستحقاق: سزاوار ہونا۔۔مستحق ہونا۔

استحکام: مضبوطی۔۔استواری۔۔پختگی۔

اِستدعا: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔

اِستدلال: دلیل لانا۔

اِستدلالی: دلالت کرتی ہوئی۔۔ثبوت دیتی ہوئی۔

استراحت: آرام چاہنا۔۔راحت طلب کرنا۔

استعارہ: علم بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم جس میں کسی لفظ کے مجازی اور حقیقی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے اور بغیر حروفِ تشبیہ کے، حقیق معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔۔مثلاً: نرگس کہہ کر آنکھ مراد لینا۔

استغناء: بے پروائی۔۔بے نیازی۔

استمراری: دوامی۔۔ہمیشہ کے لیے۔

استہزاء وتمسخر: ہنسی مذاق۔۔ہنسی اڑانا۔۔مذاق کرنا۔

اسرار ﴿سر کی جمع﴾: بھید۔۔پوشیدہ باتیں۔

اسراف: فضول خرچی۔۔بے جا خرچ۔

اسلوب: طریقہ۔۔طرز۔۔روش۔

اسناد: سند پیش کرنا۔۔سند لانا۔

اِشتباہ: مشابہ ہونا۔۔دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکا ہو جائے۔۔گمان۔۔شبہ۔۔شک۔

اشجار ﴿شجر کی جمع﴾: درخت۔

اَشرار ﴿شریر کی جمع﴾: شرارتی۔۔برا۔۔بدذات۔

اکمل: کامل ترین۔

اصرار: ضد۔۔اَڑ۔

اضافت: نسبت۔۔لگاؤ۔

اِضطراب: بے قراری۔۔بے چینی۔۔بے تابی۔۔گھبراہٹ۔

اِضطراری: بے اختیاری۔۔بے بسی۔

اِعانت: مدد۔۔سہارا۔۔حمایت۔
اعتدال: میانہ روی۔۔درمیانی درجہ۔۔نہ کمی نہ زیادتی۔
اعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کرنا۔۔مان لینا۔
اِعراض: منہ پھیرنا۔۔بچنا۔۔روگردانی کرنا۔
افراط: حداعتدال سے بڑھ جانا۔۔زیادتی۔۔کثرت۔
افکار ﴿فکر کی جمع﴾: خیالات۔
اکتفاء: کفایت کرنا۔۔کافی سمجھنا۔۔کافی ہونا۔
اکھواء: بیج سے پھوٹ کر نکلی ہوئی ٹیڑھی نوک جس سے پہلی پتیاں نکلتی ہیں۔
التفات: رغبت۔۔خیال۔۔دھیان۔۔متوجہ ہونا۔
الہام: برگزیدہ بندوں کے دِل میں منجانب اللہ آئی ہوئی بات۔
امرتہدیدی: ڈرانے دھمکانے کے لیے حکم وفرمان۔
امور ﴿امر کی جمع﴾: بہت سے کام۔۔بات۔۔فعل۔
امورِ دقیقہ: باریک باتوں میں۔۔نازک کاموں میں۔
انانیت: خود بینی۔۔خودستائی۔۔غرور۔۔گھمنڈ۔۔خودی۔
انحراف: پھر جانا۔۔برخلاف ہونا۔۔انکار۔۔مخالفت، نافرمانی۔
انحطاط: کم ہونا۔۔گھٹنا۔۔کمی۔۔گھٹاؤ۔۔تنزل۔
اندامِ نہانی: عورت کی شرم گاہ۔۔فرج۔
اندوہ: رنج۔۔غم۔۔فکر۔۔تردُد۔
انزال: اُترنا۔۔اُتارنا۔
انواع واقسام ﴿نوع اور قسم کی جمع﴾: جنس۔۔وضع۔۔شکل و صورت۔
اِہانت: توہین کرنا۔۔ذلیل کرنا۔

-- ﴿ ب ﴾ --

باک: خوف۔۔ڈر۔۔اندیشہ۔۔دہشت۔
باور: یقین۔۔اعتبار۔
بتدریج: درجہ بدرجہ ہونا۔۔آہستہ آہستہ ہونا۔
برانگیختہ: آمادہ کرنا۔
براہین: دلیلیں۔
بصر: نظر۔۔آنکھ۔
بصیرت: دیکھنا۔
بطلان: تردید۔۔باطل ہونا۔
بعث: دوبارہ زندہ ہونا۔
بعث ونشر: حشر ونشر۔
بُعد: دوری۔
بعید: دور۔
بعید از قیاس: خیال سے دور۔۔سوچ وفہم سے دور۔
بقاء: باقی رہنا۔
بقدرِ کفایت: کافی ہونے کی مقدار میں۔
بقدرِ ہمت: کوشش کی مقدار میں۔۔کوشش کے تناسب سے۔
بہتان: الزام۔۔تہمت۔
بھید: راز۔۔چھپی ہوئی بات۔
بے اِذن: بغیر اجازت۔
بے انتقال: دور کیے بغیر۔۔ہٹائے بغیر۔
بے انقطاع: بغیر کاٹے ہوئے۔۔جاری رکھتے ہوئے۔
بے انیس: بغیر کسی مددگار کے۔
بے بصیرتی: اندھاپن۔۔بغیر دیکھے ہوئے۔
بے چون وچرا: بغیر کسی حیل وحجت کے۔
بے رفیق: بغیر کسی ساتھی کے۔
بے نوائی: بغیر کسی روزی روزگار کے۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پاسبانی: حفاظت۔
پدری: باپ کی۔
پراگندہ: بکھرا ہوا۔
پرتو: سایہ۔
پھین: جھاگ۔
پیروکار: پیروی کرنے والا۔
پیکان: تیر۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تابع: ماتحت۔۔مطیع۔۔فرمانبردار۔
تاکیدات ﴿تاکید کی جمع﴾: بار بار کہنا۔۔زور دینا۔
تامل: سوچ بچار۔۔غور وفکر۔
تبر: کلہاڑی۔۔ایک جنگی ہتھیار۔
تبرا: نفرت۔۔بیزاری۔
تتمہ: مکمل کرنا۔
تحریف: بدل دینا۔تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا۔
تحقیر: ذلیل کرنا۔
تحلیل: حلال ٹھہرانا۔
تحمل: برداشت۔۔صبر۔
تحمید: پاکیزگی بیان کرنا۔
تخصیص: کسی چیز کو خاص کرنا۔مخصوص کرنا۔
تخویف: ڈرانا۔
تدارک: تلافی۔۔درستی۔۔اصلاح۔
تذکیر: ڈرانے سے۔
تردید: رَد کرنا۔
ترغیبات ﴿ترغیب کی جمع﴾: پسندیدہ چیزیں۔
تسلط: غلبہ۔۔قابو۔
تشدید: سختی۔۔شدت۔
تشریف: عبرت کرنا۔۔بزرگ بنانا۔۔بزرگی۔۔شرف۔
تشنگی: پیاس۔
تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔
تصریح: واضح کرنا۔تشریح۔۔تفصیل۔۔توضیح۔۔شرح۔
تصریحات: تصریح کی جمع۔
تضادِ بیانی: مخالفت۔۔ضد۔۔بیان کا ایک دوسرے کی ضد ہونا۔
تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔۔منت سماجت کرنا۔
توضیح: وضاحت کرنا۔۔واضح کرنا۔
تعدد: کئی ایک ہونا۔

تعریض: اعتراض کرنا۔۔چھیڑنا۔
تعریضا: اعتراض کرتے ہوئے۔
تعفن: بدبو۔۔سڑاندھ۔۔شدید بدبو۔
تعیین: مقرر کرنا۔
تغیرات: تبدیلیاں۔
تغیر وتبدل: الٹ پھیر۔
تفاوت: فاصلہ۔۔دوری۔
تفویض: سونپنا۔۔سپرد کرنا۔
تقرب: قربت۔
تقصیر: کوتاہی۔۔گناہ۔
تقلید: پیروی کرنا۔
تقویت: مضبوط کرنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔
تکریم: عزت دینا۔
تکوینیہ: (تکوین سے) وجود میں لانا۔۔پیدا فرمانا۔
تلف: مٹانا۔۔ضائع کرنا۔
تمحیص: بحث۔۔جانچنا۔
تمرد: سرکشی۔
تمہید: مضمون کا عنوان۔
تناقض کلامی: کلام کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا۔
تنزیہہ: پاکی۔۔عیب سے پاک ہونا۔
توابع حدوث: نئی پیدائش کے لیے چیزیں جو ضروری ہوں۔
توسط: واسطہ۔
توسع: وسعت۔۔کشادگی۔
توقف: ٹھہرنا۔۔وقف کرنا۔
توکل: اعتماد کرنا۔۔بھروسہ کرنا۔
توہمات: وہم والی چیزیں۔
تہدید: ڈرانا۔
تہمت: الزام۔
تیرگی: تاریکی۔۔اندھیرا۔

-- ﴿ ٹ ﴾ --

ٹھگا: پستہ قد۔۔چھوٹا۔۔ٹھگنا۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: مضبوطی۔۔پائیداری۔
ثقل: وزن۔۔بوجھ۔
ثمرہ: پھل۔۔نتیجہ۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جامع: مکمل۔۔ہمہ گیر۔
جاہ وحشم: شان وشوکت۔
جبلی: پیدائشی۔
جزئیات: چھوٹے حصے۔
جسارت: بے باکی۔حوصلہ۔
جلی: واضح۔
جملہ شرائع: تمام شریعتیں۔

-- ﴿ چ ﴾ --

چاکری: نوکری۔۔ملازمت۔۔خدمت گزاری۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حدوث: قدیم کی ضد۔۔نیا۔۔تازہ۔۔پیدائش ووجود میں آنا۔
حصار: احاطہ۔۔گھیرا۔
حصول: حاصل کرنا۔۔تحصیل۔
حضر: (سفر کی ضد)۔ایک جگہ قیام۔۔پڑاؤ۔۔اقامت۔
حق منزل: جس پر حق اتارا گیا۔
حلاوت: لذت۔
حلقوم: گلا۔۔ٹیٹوا۔۔سینے اور گلے کے بیچ کا گڑھا۔
حلیف: مددگار۔۔رفیق۔۔وہ فریق جنھوں نے ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا ہو۔
حوادث: حادثہ کی جمع۔
حیلے: بہانے۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خازن: خزانچی۔
خاطر داشت: دیکھ بھال۔
خاکستر: راکھ۔
خائب وخاسر: ناکام ونامراد۔
خجالت: شرمندگی۔
خذلان: رسوائی۔
خرافات: بیہودہ باتیں۔۔فضول بکواس۔
خست: ذلت۔
خس وخاشاک: تنکے۔
خلعت: لباس فاخرہ۔۔شاہی لباس۔
خضوع: جھکنا۔
خلت: دوستی اور محبت۔
خلوت: تنہائی۔

-- ﴿ د ﴾ --

داعیہ: سبب۔
دَر: اندر آنا۔۔داخلہ۔
درکات: جہنم کے درجے۔
درماندہ: تھکا ہوا۔
دقیق: باریک۔
دقیقہ: لمحہ۔
دل بے غل: کینہ سے پاک دِل۔
دوام: ہمیشگی۔
دیار: گھر۔۔علاقہ۔
دیت: خوں بہا۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذکاوت: سمجھداری۔
ذریت: اولادیں۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: بہتر۔۔غالب۔۔قابل ترجیح۔
راست: سچا۔۔سیدھا۔
راندۂ درگاہ: دھتکارا ہوا۔
رجاء: امید۔
رذائل: بری عادتیں۔۔ذلیل عادتیں۔
رشک: نیک خواہش۔
رعد: بجلی۔
رغبت: دلچسپی۔
رفاقت: دوستی۔
رنجور: صدمے اور غم سے دوچار۔
روبہ عمل: کام کی طرف مائل۔
روحِ سعادت: نیک بخت روح۔
روئیدگی: اگنا۔
روئے سخن: کلام کا رخ۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زائل: ختم ہو جانا۔۔دور ہو جانا۔
زبرجد: ایک قیمتی پتھر کا نام۔
زجر و توبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔
زرخرید: پیسے یا مال سے خریدا ہوا۔
زمرہ: حلقہ۔
زنار: وہ تاگا جو ہندو گلے اور بغل کے بیچ میں ڈالے رہتے ہیں۔
زنبور خانے: جالی دار حلقے۔

-- ﴿ س ﴾ --

سب و شتم: گالی گلوچ۔
سبزہ آغاز: نوجوان۔۔جس کی داڑھی مونچھ نکلنا شروع ہو۔
سڈول: خوش وضع۔۔خوب صورت۔
سر: راز۔
سر الٰہی: رازِ خداوندی۔
سرو: سائپرس۔۔ایک درخت جو سیدھا اور مخروطی شکل کا ہے۔
سڑاندھ: بہت تیز بدبو۔
سعید: نیک بختی۔
سفلے: نالائق۔
سکرات: جان نکلتے وقت یعنی موت کے وقت کی تکلیف۔
سلب: کھینچنا۔
سمع: سننا۔
سموم: لُو۔۔گرم ہوا۔
سن بلوغ: بالغ ہونے کا سال۔
سیند: نقب۔۔وہ سوراخ جو چوری کے لیے دیوار میں کیا جائے۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شافی: صاف۔۔فیصلہ کن۔۔قطعی۔
شاق: دشوار۔
شائبہ: شک و شبہہ۔
شرح صدر: کھلے سینے سے۔
شرک جلی: کھلا ہوا شرک۔
شرک خفی: چھپا ہوا شرک۔
شعائر: علامتیں۔۔نشانیاں۔
شقی: بدبخت۔
شقاوت: بدبختی۔
شکل و شمائل: صورت و سیرت۔
شناعت: بے حیائی۔
شورش: فتنہ و فساد۔
شوم بخت: بدبخت۔
شہپروں: فرشتوں کے مبارک پروں کے لیے یہ لفظ اس طرح استعمال ہوتا ہے۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صادر: نکلنے والا۔۔نافذ ہونا۔
صانع: بنانے والا۔۔اللہ۔

صانع حکیم: پرحکمت بنانے والا۔
صخرۂ معظم: عظمت والی چٹان، جہاں سے حضور اکرم ﷺ سفر آسمانی کی طرف تشریف لے گئے تھے۔
صراحتاً: واضح طور پر۔
صَرف: خرچ۔
صریح: واضح۔
صفتِ بقاء: باقی رہنے والی صفت۔
صفتِ عفو: معاف کرنے والی صفت۔
صلاح: نیکی۔۔بھلائی۔
صلب: نطفہ۔۔اولاد۔۔نسل۔
صناعت: کاریگری۔
صنائع دقیقہ: ہنرمندی کی باریکیاں۔
صنعت: پیشہ۔
صواب: درست۔۔راست۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضامن: ضمانت دینے والا۔۔ذمہ دار۔
ضرر: نقصان۔
ضعف: کمزوری۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طرب: خوشی۔
طعن و تشنیع: طنز وملامت۔
طعن: طنز۔
طفولیت: بچپنا۔
طلا: روغن۔۔ملمع۔
طمع: لالچ۔
طوع: رغبت۔۔رضامندی۔
طوق: گلوبند۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظلوم: تاریکی۔
ظن: گمان۔
ظن وتخمین: اندازہ وگمان۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: شرم۔۔ہتک۔
عاصی: گنہگار۔
عاملین ﴿عامل کی جمع﴾: تحصیل دار۔
عبث: بے کار۔
عجلت: جلدی۔۔تیزی۔
عسرت: تنگ دستی۔
عصمت: عزت۔۔پارسائی۔
عصیان: گناہ۔
عفو: معاف کرنا۔
عقوبتوں: (عقوبت سے)۔۔سزادینا۔
علاتی: ماں کی طرف سے سوتیلا بھائی بہن۔
علی وجہ البصیرت: بصیرت کی وجہ سے۔
علوم بدیہی: ظاہری علوم۔
عناد: دشمنی۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غایت: انتہا۔
غصب: ڈاکہ۔
غیر ماذون: جس کو کسی چیز کی اجازت نہ ہو۔۔اذن نہ پایا ہوا۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فاسد: تباہ وبرباد۔
فبہا: تو بہتر۔
فتور: خرابی۔۔نقص۔۔فساد۔
فتورِ عقل: عقل کی خرابی۔
فرمودہ: فرمایا ہوا۔
فروتنی: عاجزی۔۔انکساری۔
فیروز بختی: خوش نصیبی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قباحت: خرابی۔
قبائح ﴿قبیح کی جمع﴾: خرابیاں۔
قدوم: آنا۔
قرین: قریب۔۔نزدیک۔۔ملا ہوا۔
قصد: ارادہ۔
قعرچاہ: کنویں کی گہرائی۔
قطران: چپک جانے والا زہریلا اور گرم سیال مادّہ۔
قطع: ٹکڑا۔۔ڈھنگ۔
قولِ راجح: ترجیح والی بات۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کاہنی: جادوگری۔
کثیف: گاڑھا۔
کسرشان: شان میں کمی۔
کفار: ناشکراپن۔
کفاف: روزمرہ کا خرچ۔
کفایت: بچت، حسب ضرورت۔
کفیل: ذمہ دار۔۔ضامن۔۔جواب دہ۔
کلفت: تکلیف۔۔مصیبت۔
کنایہ: اشارہ۔۔مبہم بات۔
کوہستان: پہاڑوں کا سلسلہ۔
کہولت: آغازِ پیری۔۔بڑھاپے کی شروعات۔
کیفرِکردار: کیے کی سزا۔۔برے کام کا بدلہ۔
کینڈے: اندازہ۔

-- ﴿ گ ﴾ --

گتھی: گرہ۔۔الجھن۔۔پیچ۔۔الجھاؤ۔
گدّر: ادھ پکا۔۔نیم پختہ ہونا۔۔پھل جو پکنے کے قریب ہو۔
گراں خاطر: ناراض۔۔آزردہ۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
گرانی: بوجھ۔
گردانا: جاننا۔۔ماننا۔۔تسلیم کرنا۔
گلیم پوش: کملی پوش۔۔جو کمبل اوڑھے رکھے۔
گوشۂ چشم: آنکھ کا کونا۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لائق اعتناء: توجہ کے قابل۔۔پرواکے قابل۔
لایعنی: بیہودہ۔۔لغو۔۔فضول۔۔لاحاصل۔۔بے فائدہ۔۔بے نتیجہ۔
لواطت: اغلام۔۔لڑکوں کے ساتھ بدفعلی۔

-- ﴿ م ﴾ --

مآل: انجام۔۔نتیجہ۔۔خاتمہ۔۔اخیر۔
مامور: مقرر۔۔متعین۔
مامورین: مامور کی جمع۔
مانع: منع کرنے والا۔۔روکنے والا۔۔سدِراہ۔
مانوس: انس کیا ہوا۔۔مرغوب۔۔ہلا ہوا۔
ماوراء: بجز۔۔سوا۔۔اس کے علاوہ۔۔علاوہ بریں۔۔بالاتر۔
مبالغہ: کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔۔حد سے زیادہ تعریف یا برائی کرنا۔
مبتدع: نئی ایجاد۔۔وہ کام جو دین میں نیا نکالا گیا ہو۔
مبذرین ﴿مبذر کی جمع﴾: فضول خرچ۔۔اِسراف کرنے والا۔
متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔
متبع: اتباع کرنے والا۔۔پیچھے چلنے والا۔۔پیروی کرنے والا۔
متبعین: متبع کی جمع۔
متبوع: اتباع کی گیا۔۔پیروی کیا گیا۔۔سردار۔۔پیشوا۔
متجاوز: اپنی حد سے آگے بڑھنے والا۔۔تجاوز کرنے والا۔
متحرک: حرکت کرنے والا۔۔جاری۔۔رواں۔
متحمل: تحمل کرنے والا۔۔برداشت کرنے والا۔۔مستقل مزاج۔
متحیر: حیرت کرنے والا۔۔متعجب۔۔حیرت زدہ۔۔حیران۔
متخلق: اخلاق سے آراستہ۔
مترتب: ترتیب پایا ہوا۔

متساوی: ایک دوسرے کے مساوی۔۔برابر۔
متصل: اتصال رکھنے والا۔۔پاس۔۔قریب۔
متصور: تصور کرنے والا۔۔دل میں نقشہ جمالینے والا۔۔خیال قائم کرنے والا۔
متضمن: داخل کیا ہوا۔۔شامل کیا ہوا۔
متعارف: مشہور۔۔معروف۔۔آپس میں جان پہچان والے۔
متعجب: تعجب کرنے والا۔۔حیران۔۔متحیر۔۔دنگ۔۔ششدر۔
متعرض: روکنے والا۔۔آگے آنے والا۔
متغیر: بدلا ہوا۔۔تبدیل شدہ۔۔پلٹا ہوا۔
متقاضی: تقاضا کرنے والا۔۔مانگنے والا۔۔طلب کرنے والا۔
متکفل: کفالت کرنے والا۔۔کفیل۔۔ضامن۔۔ذمہ دار۔
متوسط: اوسط درجے کا۔۔درمیانہ۔۔بیچ کا۔
متوکل: توکل کرنے والا۔۔بھروسا کرنے والا۔۔صابر۔
متولی: انتظام کرنے والا۔۔منتظم۔۔منصرم۔
متولی کار: کام کا انتظام کرنے والا۔
مثلہ: مردے کے کان، ناک کاٹنا۔
مجاہدہ: کوشش۔۔سعی۔۔جدوجہد۔۔نفس کشی۔۔ریاضت۔
مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔
مجربات: آزمائے ہوئے نسخے۔۔تجربہ کی ہوئی ادویہ۔
مجروح: زخمی۔۔گھایل۔۔چوٹ کھایا ہوا۔۔جسکے زخم لگا ہو۔
مجمل: اجمال کیا گیا۔۔مختصر کیا گیا۔۔خلاصہ۔۔اختصار۔
مجملاً: مختصراً۔
مجہول: نامعلوم۔۔غیر معلوم۔
محاسبہ: حساب۔۔شمار۔۔پڑتال۔۔حساب کی پوچھ گچھ۔
محال: دشوار۔۔مشکل۔۔کٹھن۔۔غیر ممکن۔
محافظت: حفاظت۔۔پاسبانی۔۔رکھوالی۔
محرک: ابھارنے والا۔۔اکسانے والا۔
محقق: جو درجہ حقیقت کو پہنچ جائے۔
محکم کار: مضبوط کرنے والا۔۔مستحکم کرنے والا۔
محل: موقع۔۔وقت۔۔قابل۔

محو و اثبات: مٹانا اور برقرار رکھنا
محیط: احاطہ کرنے والا۔۔گھیر لینا۔۔حاوی ہونا۔۔غالب ہونا چھا جانا۔
مخلط: ملا ہوا۔۔گڈمڈ۔
مدبر: تدبیر کرنے والا۔۔عاقل۔۔دانش۔
مذموم: برا۔۔خراب۔۔قبیح۔۔وہ جس کی برائی جائے۔
مربی: سرپرست۔۔پشت پناہ۔۔حامی۔۔پرورش کرنے والا۔۔پالنے والا۔
مرزوق: رزق دیا گیا۔
مرصع: جڑاؤ۔۔موتی یا جواہرات سے جڑا ہوا۔
مرطوب: تر۔۔گیلا۔۔بھیگا ہوا۔۔سیلا۔
مرغوب: محبوب۔۔پیارے۔۔من پسند۔
مرفہ الحال: خوش حال۔۔آسودہ۔
مرکب: ملا ہوا۔۔مخلوط۔
مرور ایام: دنوں کا گزرنا۔۔دنوں کا گزر جانا۔
مزروعات: کھیت میں بوئی ہوئی چیزیں۔
مزین: زینت دیا گیا۔۔سجایا ہوا۔۔آراستہ۔
مسام: جسم کے وہ سوراخ جس میں سے پسینا نکلتا ہے۔
مساوی: برابر۔۔یکساں۔
مسبب الاسباب: سبب پیدا کرنے والا۔۔اللہ تعالیٰ۔
مستجاب: جواب دیا گیا۔۔قبول کیا گیا۔۔مانا گیا۔
مستحسن: نیک۔۔پسندیدہ۔۔خوب۔۔بہتر۔
مستحکم: پکا۔۔مضبوط۔۔سخت۔۔قائم رہنے والا۔
مستزاد: بڑھا گیا۔۔زیادہ کیا گیا۔۔افزوں۔
مستعمل: عمل میں لایا ہوا۔۔کام میں لایا ہوا۔۔برتا ہوا۔
مستغرق: غرق شدہ۔۔ڈوبا ہوا۔۔نہایت مصروف۔
مستغنی: آزاد۔۔بری۔۔بے پروا۔
مستقر: ٹھہرنے کی جگہ۔۔جائے قرار۔۔ٹھکانا۔
مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔
مسدس: چھ ضلعوں کی شکل جسکے سب ضلعے اور زاویے برابر ہوں۔

مسدود: بند کیا گیا۔۔روکا گیا۔۔بند۔۔رکا ہوا۔
مسرفین ﴿مسرف کی جمع﴾: فضول خرچ۔
مسموع: سنا گیا۔۔قبول کیا گیا۔
مشابہ: مانند۔۔ہم شکل۔۔یکساں۔
مشارکت: باہم شرکت کرنا۔۔حصے داری۔
مشاہدہ: صوفیوں کی اصطلاح میں نورِ الٰہی کا نظارہ۔
مشتبہ: مشکوک۔۔جس میں شبہہ ہو۔۔شبہہ والا۔
مشخص: تشخیص کیا گیا۔۔تجویز کیا گیا۔۔معین۔۔مقرر۔
مشرح: تشریح کیا گیا۔۔شرح کیا گیا۔۔مفصل۔۔واضح۔
مشقات: محنت طلب کام۔۔دکھ۔۔تکلیف۔
مصارف ﴿مصرف کی جمع﴾: خرچ کرنے کی جگہ یا موقع۔
مصائب ﴿مصیبت کی جمع﴾: رنج۔۔دکھ۔۔تکلیف۔
مصداق: وہ شئے جس پر کسی معنی کا اطلاق ہو۔
مصرفِ زکوٰۃ: زکوٰۃ خرچ کرنے کی جگہ یا موقع۔
مصفّٰی ومجلّٰی: پاک صاف۔۔ستھرا ہوا۔۔چمکا ہوا۔
مصمم: پکا۔۔مضبوط۔۔استوار۔۔محکم۔
مضرتیں ﴿مضرت کی جمع﴾: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مضمر: پوشیدہ۔۔مخفی۔۔دل میں رکھا گیا۔
مطابقت: موافقت۔۔مشابہت۔۔برابری۔
مطاع: اطاعت کیا گیا۔۔وہ شخص جس کی اطاعت کی جائے۔
مطلع: اطلاع دیا گیا۔۔خبردار کیا ہوا۔واقف۔۔آگاہ۔
مطلق: قطعی۔۔بالکل۔
مطمحِ نظر: مرکزِ نگاہ۔۔اصلی مقصد۔
مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔
مطیع ومسخر: اطاعت کرنے والا اور تابع کیا گیا۔
مظفر ومنصور: فتح یاب۔۔کامیاب۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔عقبٰی۔۔آخرت۔۔قیامت۔
معارض: جھگڑا کرنے والا۔۔مخالف۔۔مدعی۔۔حریف۔
معارضہ: جھگڑا۔۔ٹنٹا۔۔مناقشہ۔

معاندین ﴿معاند کی جمع﴾: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معانقہ: باہم بغل گیر ہونا۔۔گلے ملنا۔
معاون: اعانت کرنے والا۔۔مددگار۔۔دست گیر۔۔حمایتی۔
معتدل: اعتدال والا۔۔درمیانی درجے کا۔۔متوسط۔
معترض: اعتراض کرنے والا۔۔روک ٹوک کرنے والا۔۔مزاحم۔
معتمد: اعتماد کیا گیا۔۔بھروسا کیا گیا۔۔قابلِ اعتماد۔۔سکریٹری۔
معدوم: مٹایا گیا۔۔فنا کیا گیا۔۔نابود۔۔ناپید۔
معدومات: معدوم کی جمع۔
معرضِ فنا: فنا ہونے والے۔۔فنا ہونے کی جگہ۔
معروف: مشہور۔۔معلوم۔۔ظاہر۔
معزول: موقوف کیا گیا۔۔نوکری سے برطرف کیا گیا۔
معقول: عقل میں لایا گیا۔۔قرینِ عقل۔۔عقل کے قریب۔
معمور: بھرا ہوا۔۔لبریز۔
معیوب: قابلِ شرم۔۔باعثِ ندامت۔
مغلوب: غلبہ کیا گیا۔۔ہارا ہوا۔۔شکست خوردہ۔
مغموم وملول: غمگین ورنجیدہ۔۔دلگیر وآزردہ۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفاسد ﴿مفسدہ کی جمع﴾: فساد خرابیاں۔۔برائیاں۔۔فتنے۔۔ جھگڑے۔
مفتری: افترا پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔
مفصل: تفصیل شدہ۔۔صاف۔۔واضح۔۔کھول کر بیان کیا گیا۔
مفضول: فضیلت دیا گیا شخص۔۔فضیلت دی گئی چیز۔
مقتداء: پیروی کیا گیا۔۔وہ شخص جس کی لوگ پیروی کریں۔
مقتدر: اقتدار رکھنے والا۔
مقتضی: تقاضا کرنے والا۔۔خواہش کرنے والا۔
مقدور: قدرت۔۔طاقت۔۔قوت۔
مقرب: قریب کیا گیا۔۔بزرگی دیا گیا۔
مقرون: نزدیک کیا گیا۔۔پاس۔۔قریب۔
مقلد: تقلید کرنے والا۔۔پیرو۔۔مرید۔۔معتقد۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔

مقید: قید کیا گیا۔۔قیدی۔۔اسیر۔۔پابند۔
مکاتب: وہ غلام جسے کچھ معاوضہ لے کر آزاد کر دیا گیا ہو۔
مکارم: بزرگیاں۔۔خوبیاں۔۔محاسن۔۔اچھے اوصاف۔۔
مکالمت: گفتگو۔۔ہم کلامی۔
مکرر: دوبارہ۔۔پھر۔۔دوسری دفعہ۔
ملتبس: چھپایا ہوا۔۔پوشیدہ کیا گیا۔
ملول: اداس۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
مماثلت: مشابہت۔۔مانند ہونا۔
مناجات: دعا۔۔عرض۔۔التجا۔
منادی: پکارنے والا۔۔اعلان کرنے والا۔
مناسبت: باہمی تعلق۔
منحصر: انحصار کیا ہوا۔۔موقوف۔۔مشروط۔
منزہ: عیبوں سے بری۔۔پاک۔۔مبرا۔
منسوب: نسبت کیا گیا۔
منعم: نعمت دینے والا یعنی اللہ تعالیٰ۔
منفعتوں (منفعت سے): نفع۔۔فائدہ۔
منقطع: قطع کیا گیا۔۔اختتام کو پہنچا ہوا۔
موجب: سبب۔۔باعث۔۔وجہ۔
موحد: خدا کو ایک ماننے والا۔
موشگافی: بال کی کھال اتارنا۔۔تنقید کرنا۔۔نکتہ چینی کرنا۔
موصوف: تعریف کیا گیا۔۔ممدوح۔۔جسکی تعریف کی جائے۔
موضع: گاؤں۔۔جگہ۔
موکد: تاکید کیا گیا۔
موئید: تائید کرنے والا۔
مہمات ﴿مہم کی جمع﴾: بڑا کام۔۔بھاری کام۔۔معرکے کا کام۔
مہیب: خوفناک۔۔خطرناک۔۔ڈراؤنا۔۔بھیانک۔
میل: جھکاؤ۔۔رغبت۔۔رجحان۔۔میلان۔۔توجہ۔

۔۔ ﴿ ن ﴾ ۔۔

ناطق: دوسرے کو عاجز اور خاموش کر دینے والا۔
نجات دہندہ: نجات دلانے والا۔
نزاع: جھگڑا۔۔فساد۔۔تکرار۔۔تنازعہ۔
نسیان: بھول چوک۔۔فراموشی۔
نصرت: مدد۔۔حمایت۔۔فتح۔۔جیت۔
نص قطعی: قرآنِ پاک کی وہ آیت جو صاف اور صریح ہو۔
نفخہ ءاخیرہ: قیامت میں جو صور آخر میں پھونکی جائے گی۔
نفخہ ءاولیٰ: قیامت میں جو صور پہلے پھونکی جائے گی۔
نفخ صور: صور پھونکنا یعنی قیامت میں۔
نفوذ: سرایت کرنا۔۔اندر گھسنا۔۔اثر کرنا۔
نوع: قسم۔۔جنس۔
نوعیں: نوع کی جمع۔
نیت فاسد: بری نیت۔۔غلط ارادہ۔

۔۔ ﴿ و ﴾ ۔۔

وارفتگی: مضمحل ہونا۔
واضح: ظاہر۔۔عیاں۔۔آشکارا۔
ودیعت: امانت۔۔سپردگی۔
وصف: خوبی۔۔اچھائی۔۔صفت۔
وضع: صورت۔۔ظاہری حالت۔
وضعیں: وضع کی جمع۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔
وقوع: واضح ہونا۔۔ظہور۔۔اظہار۔
وقوع مفاسد: فتنہ، جھگڑا ہونا۔

۔۔ ﴿ ہ ﴾ ۔۔

ہجو: مزمت۔۔برائی۔۔بدگوئی۔
ہرکس وناکس: ہر شخص۔۔ادنیٰ اعلیٰ۔۔چھوٹا بڑا۔
ہوش وخرد: عقل۔۔دانائی۔۔سمجھ۔
ہول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔
ہویت: ہونا۔
ہیولیٰ: ہر چیز کا مادہ۔۔ماہیت۔۔اصل۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمۂ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،
'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام و سلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین و تصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہءختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہءدعوت وتبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد پنجم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفیکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔کتاب ھٰذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان